روح القرآن

فی تفسیر آیات الاحکام

لمحمد اکرام الدین باتوردوی

جلد اول

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد اکرام الدین صاحب پاتوڑدوی

استاذ الحدیث والفقہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت (گجرات)

خلیفہ ومجاز حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

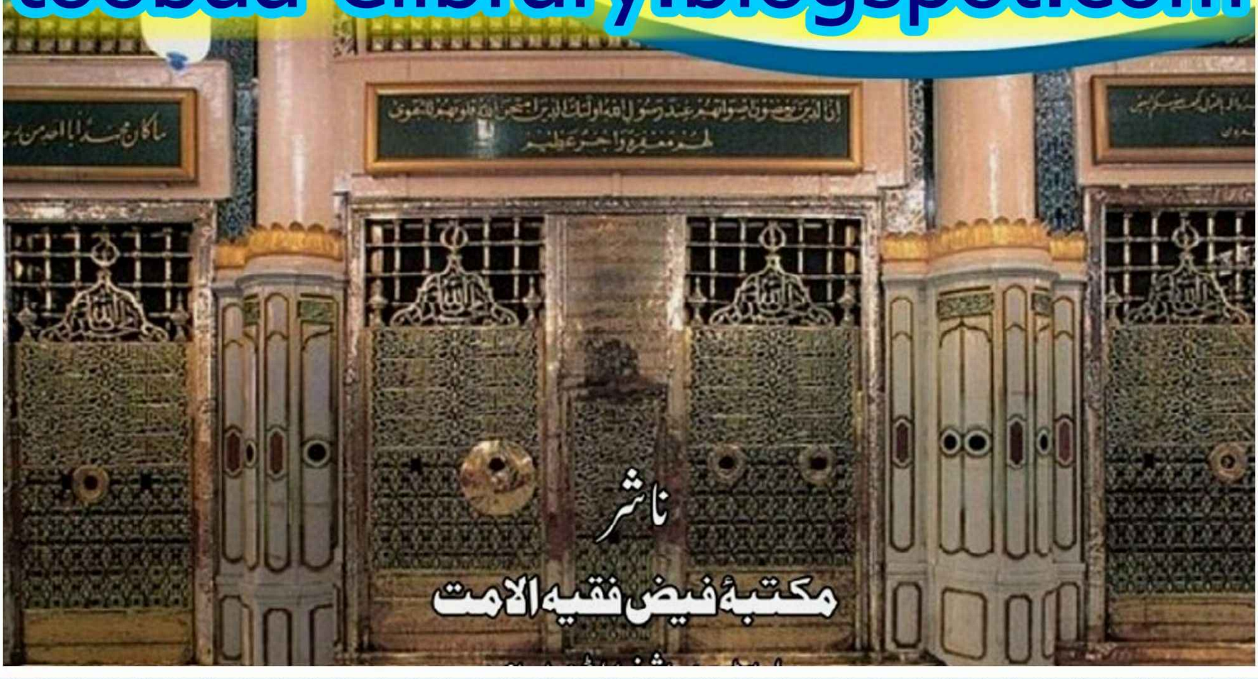

ناشر

مکتبۂ فیض فقیہ الامت

بفضل اللہ الکریم

روح القرآن

فی تفسیر آیات الاحکام

لمحمد اکرام الدین باتوردوی

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد اکرام الدین صاحب پاتوڑوی

استاذ الحدیث والفقہ دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت (گجرات)

خلیفہ ومجاز حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبۂ فیض فقیہ الامت

دہلہ اسٹریٹ، اشرفیہ اپارٹمنٹ راندیر

سورت۔ نمبر۔۵، ضلع سورت (گجرات)

toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

[تفصیل کتاب]

نام کتاب : روح القرآن فی تفسیر آیات الاحکام

مؤلف کتاب : حضرت مولانا مفتی محمد اکرام الدین صاحب پاتورڈوی

استاذ الحدیث والفقہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر، سورت (گجرات)

خلیفہ ومجاز حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

کمپوزنگ : مولانا محمد اسحاق خان اشرفی، ناندورہ، ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

سن اشاعت : ۲۰۱۶ء   **صفحات:** ۵۲۰

قیمت : 350

ناشر : **مکتبہ فیض فقیہ الامت**

دہلہ اسٹریٹ، اشرفیہ اپارٹمنٹ راندیر، سورت (گجرات)

Name of the Book

ROOHUL-QURAAN

Completed By

Mufti **MUHAMMED IKRAMUDDEN** sb

Pages   Price Rs ....   Siz 23x36/16

☆ مکتبۂ فیض فقیہ الامت، دہلہ اسٹریٹ، اشرفیہ اپارٹمنٹ راندیر، سورت نمبر ۵، ضلع سورت (گجرات)

فون: 09898378997   09898525130

★ مکتبۂ صدیق، ڈابھیل، سملک (گجرات) ★ دارالکتاب دیوبند، ضلع سہانپور (یوپی)

★ مکتبۂ فقیہ الامت، دیوبند، ضلع سہانپور (یوپی) ★ مکتبۂ یحیوی، سہارنپور (یوپی)

toobaa-elibrary.blogspot.com

انتساب	۳۶
پیش لفظ	۳۸
تقریظ ازحضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم	۴۴
تقریظ استاذی حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم	۴۷
تقریظ استاذی حضرت اقدس مولانا الحافظ القاری رشید احمد صاحب اجمیری دامت برکاتہم	۴۹
تقریظ حضرت اقدس الحافظ مولانا مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم	۵۲
تقریظ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد معزالدین قاسمی دامت برکاتہم	۵۳
تقریظ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد امجد قاسمی مدظلہ العالی	۵۷
سورۂ بقرہ کا مختصر تعارف وخلاصۂ سورت	۵۹
سورۃ البقرہ سے متعلق کچھ اہم معلومات۔	۶۰
تعداد آیات ورکوع وتعداد کلمات وحروف:	۶۰
(فضائل سورۃ البقرہ)	۶۱
(سورۃ البقرہ میں منسوخ آیات)	۶۲
حقوقِ شرعیہ ادا کرنا واجب ہے، اس کے خلاف کرنا گناہِ عظیم ہے	۶۴
تفسیر	۶۵
''ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل'' کی مزید تفسیر	۶۵
تمام اشیاء میں اصل اباحت کا حکم ہے	۶۶
اشیاء عالم میں اصل اباحت ہے یا حرمت؟	۶۷
دستور مملکت کے چند دفعات کا ثبوت	۶۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلافت ارض کا مسئلہ	۶۹
تفسیر	۷۰
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نظامِ خلافت	۷۱
واضعِ لغت خود حق تعالیٰ ہیں	۷۲
تفسیر	۷۲
انسان کا ایمان وہی معتبر ہے جو آخر عمر اور اول منازل آخرت تک رہے	۷۲
تفسیر	۷۳
سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا اسلام میں ممنوع ہے	۷۳
تفسیر	۷۳
تفسیر آیات مذکورہ سے متعلقہ مسائل واحکام شرعیہ	۷۵
مسئلہ سدِ ذرائع	۷۵
آسمانی ہدایت پر عمل کرنے والوں کے لئے دو انعام	۷۶
ایفائے عہد واجب اور عہد شکنی حرام ہے	۷۷
تفسیر	۷۷
تفسیر	۷۸
تلبیس حق بالباطل کا حکم	۷۹
تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے	۷۹
ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن پر اجرت لینا بالاتفاق جائز نہیں	۸۰
حق بات کو چھپانا اور اس میں خلط ملط کرنا حرام ہے	۸۱
تفسیر	۸۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

بے عمل واعظ کی مذمت	۸۱
کلام اللہ میں لفظی تغیر وتبدل کا حکم شرعی	۸۲
تفسیر	۸۳
دینی معاملات میں کوئی ایسا حیلہ جس سے اصل حکم شرعی باطل ہوجائے حرام ہے	۸۴
تفسیر	۸۴
جواز اجتہاد قرآن سے ثابت ہے	۸۵
والدین اور دیگر اقرباء وغیرہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم	۸۶
مسئلہ:	۸۶
بندہ کی اللہ تعالیٰ سے عداوت کی پہچان کا معیار	۸۷
کیا حقیقت میں جادو اور سحر کی کوئی حقیقت اور تاثیر ہے یا نہیں؟	۸۷
کیا واقع میں جادو کی کوئی حقیقت اور تاثیر ہے یا نہیں؟	۸۹
جمہور اہل سنت الجماعت کے دلائل	۸۹
ترجیح:	۹۰
جادو کبیرہ گناہ ہے	۹۱
کیا ساحر کو قتل کیا جائے گا؟	۹۱
ائمہ کے درمیاں اس سلسلہ میں اختلاف ہے	۹۲
سحر سے متعلق تفصیلات	۹۳
سحر سے متعلق چند ضروری اہم احکام	۹۴
جو جائز فعل ناجائز فعل کا سبب بنے وہ جائز نہیں	۹۵
مسئلہ:	۹۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن میں نسخ ہے یا نہیں؟	۹۶
نسخ کے بارے میں اختلاف	۹۶
نسخ کے حکم میں حکمت الٰہی	۹۷
حکمت نسخ پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی فوائد عثمانی میں تحریر	۹۸
نسخ کی مزید وضاحت کامل برہان الٰہی سے	۹۸
مساجد کو منہدم کرنا اور مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام ہے	۹۸
آیت سے متعلق چند ضروری مسائل واحکام	۹۹
دوسرا مسئلہ:	۱۰۰
تیسرا مسئلہ:	۱۰۰
اگر کوئی اپنے لڑکے کو غلام ہونے کی وجہ سے خریدے تو وہ لڑکا خریدتے ہی آزاد ہوجائے گا	۱۰۲
عصمت انبیاء قرآن سے ثابت ہے	۱۰۲
طواف کے بعد کی دو رکعت واجب ہے	۱۰۳
آیت سے متعلق چند احکام وفوائد	۱۰۴
حرم مکہ قیامت تک حرام ہے کسی کے لئے حلال نہیں ہوگا	۱۰۵
اولاد کا حق ہے کہ ان کی صلاح وفلاح کی فکر کی جائے	۱۰۷
میراث میں دادا کا وہی حکم ہے جو باپ کا ہے	۱۰۸
آباء واجداد کے اعمال کی جزاء وسزا اولاد پر نہیں ہوگی	۱۰۹
اجماع کا حجت ہونا قرآن سے ثابت ہے	۱۱۰
کبھی سنت کو قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ کیا جاتا ہے	۱۱۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

آلۂ مکبر الصوت کی آواز پر نماز میں نقل حرکت کے مفسد نماز نہ ہونے پر استدلال	۱۱۲
قبلہ کی طرف نماز میں رخ کرنا فرض ہے	۱۱۳
اس آیت کی تفسیر اور تحقیق:	۱۱۴
صفا مروہ کے درمیان سعی کا حکم	۱۱۵
تفسیر	۱۱۵
علم دین کا اظہار اور پھیلانا واجب اور اس کا چھپانا سخت حرام ہے	۱۱٦
آیتِ مذکورہ سے چند احکام حاصل ہوتے ہیں	۱۱٦
تیسرا مسئلہ	۱۱۷
علم حق کی تبلیغ عالم پر واجب ہے	۱۱۸
کسی معین شخص پر لعنت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو	۱۱۸
تفسیر	۱۱۹
لعنت کن لوگوں پر جائز ہے اور کن لوگوں پر جائز نہیں ہے	۱۲۰
تفسیر	۱۲۰
جاہلانہ تقلید اور ائمۂ مجتہدین کی تقلید میں فرق	۱۲۲
تفسیر	۱۲۳
بعض حرام چیزوں کا بیان	۱۲۴
تفسیر	۱۲۵
میتۃ:	۱۲۵
دوسری چیز خون	۱۲۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسئلہ:	۱۲۶
تحریم خنزیر	۱۲۶
اضطرار اور مجبوری کے احکام	۱۲۷
مضطر	۱۲۸
حالتِ اضطرار میں دواء کے طور پر حرام چیزوں کے استعمال کا حکم	۱۲۸
غیر اضطراری حالت میں عام علاج و دواء کے لئے حرام چیز کا استعمال	۱۳۰
مسئلہ:	۱۳۱
دین فروشی کی سزاء	۱۳۱
مسلمانوں کے مالوں میں زکوۃ کے علاوہ بھی دیگر فرائض ہیں	۱۳۲
تفسیر	۱۳۳
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اسی آیت کی تفسیر میں معارف القرآن میں فرمایا:	۱۳۴
قصاص کا حق بادشاہ کو ہے	۱۳۵
حکم اول قصاص	۱۳۵
تفسیر	۱۳۶
مسئلہ	۱۳۶
مسئلہ:	۱۳۶
وصیت کا شرعی حکم	۱۳۸
تفسیر	۱۳۸
تیسرا حکم وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں	۱۳۹

toobaa-elibrary.blogspot.com

روزے کی فرضیت کا حکم	۱۴۰
پچھلی امتوں میں روزہ کا حکم	۱۴۱
مریض کا روزہ	۱۴۱
مسافر کا روزہ اور اس کے احکام	۱۴۲
روزے کے چند اہم مسائل	۱۴۳
دوسرا مسئلہ	۱۴۳
روزہ کی قضاء کب کی جائے	۱۴۴
قضاء کا طریقہ کیا ہوگا	۱۴۴
جو لوگ روزہ نہ رکھ سکے ان کے لئے روزہ کا فدیہ کیا ہوگا؟	۱۴۵
روزے کی فدیہ کی مقدار کتنی ہے؟	۱۴۶
رمضان کا روزہ کن لوگوں پر فرض ہے؟	۱۴۷
رمضان کا روزہ کب فرض ہوگا؟	۱۴۸
ماہِ رمضان میں راتوں کے احکام	۱۴۹
تفسیر	۱۴۹
سحری کھانے کا وقت آخر	۱۵۰
اعتکاف کے احکام	۱۵۱
اعتکاف کس کو کہتے ہیں؟	۱۵۲
روزے کے معاملے میں احتیاط کا حکم	۱۵۳
ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ	۱۵۳
حصول مال کے باطل طریقے	۱۵۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت مذکورہ کا شان نزول	۱۵۵
اسلامی اعتبار سے قمری حساب کو اختیار کرنا چاہیے	۱۵۶
قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت	۱۵۷
قمری حساب کو اختیار کرنے کی وجہ	۱۵۸
شریعت میں جو چیزیں ضروری نہیں ان کو ضروری سمجھنا جائز نہیں	۱۵۹
جہاد فی سبیل اللہ کا حکم	۱۶۰
جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم	۱۶۲
احکام حج و عمرہ	۱۶۵
حج اور عمرہ شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے	۱۶۶
احرام کے بعد کوئی مجبوری پیش آجائے حج و عمرہ نہ کر سکیں تو کیا کریں؟	۱۶۷
حالت احرام میں بال منڈوانے پر کوئی مجبور ہو جائے تو کیا کرے؟	۱۶۸
تفسیر	۱۶۹
حج کے مہینہ میں حج و عمرہ کو جمع کرنے کے احکام	۱۷۰
تفسیر	۱۷۰
میقات کس کو کہتے ہیں؟	۱۷۱
احکام حج و عمرہ میں خلاف ورزی اور کوتاہی موجب عذاب ہے	۱۷۲
تفسیر	۱۷۲
احکام حج کی آٹھ آیتوں میں سے دوسری آیت اور اس سے ثابت شدہ احکام	۱۷۳
تفسیر	۱۷۳
حج کے کچھ منفی آداب و احکام	۱۷۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

فسوق کا مصداق اور اس کی وضاحت	۱۷۵
وہ چیزیں جو اصل کے اعتبار سے گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں	۱۷۵
جدال کا مصداق اور س کی وضاحت	۱۷۶
محظورات سے بچنے کے بعد ذکر اللہ عبادت اور نیک کام میں مشغول رہنے کا حکم	۱۷۷
حجاج کی ایک غلطی کی اصلاح	۱۷۸
سفر حج میں تجارت یا مزدوری کرنا کیسا ہے؟	۱۷۸
عرفات اور مزدلفہ میں وقوف اور ان کے احکام	۱۸۱
حج کے درمیان ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں	۱۸۲
اصولی مسئلہ	۱۸۲
انسانی مساوات کا زریں سبق اور اس کی بہترین عملی صورت	۱۸۳
تفسیر	۱۸۳
اصول معاشرت کا ایک اہم باب	۱۸۴
ایک اور رسمِ جاہلیت کی اصلاح اور دین و دنیا کی طلب میں اسلامی اعتدال	۱۸۵
تفسیر	۱۸۵
صرف دنیوی دعائیں مانگنے والوں کے لئے ہدایت	۱۸۶
دنیا و آخرت کی جامع دعا	۱۸۷
دعاء مانگنے میں جاہل درویشوں کی اصلاح	۱۸۸
منیٰ میں دو یا تین دن کا قیام اور حجاج کو ذکر اللہ کی تاکید کا حکم	۱۸۸
آگے ایک مسئلہ کی وضاحت	۱۸۹
جملہ احکام حج کی روح اور احکام حج کے ختم پر تقویٰ کی تاکید کا راز	۱۹۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام حج کے ختم پر تقویٰ کی تاکید میں راز	۱۹۱
اسلام میں مکمل داخل ہونے کا مطلب	۱۹۱
خلاصہ	۱۹۲
اس آیت کا شانِ نزول	۱۹۳
تنبیہ	۱۹۳
اہم امور کی طرف ہدایت	۱۹۳
اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:	۱۹۴
اول	۱۹۴
خلاصہ	۱۹۵
اسی آیت سے دوسری بات	۱۹۵
تیسری بات	۱۹۶
چند قابلِ غور باتیں	۱۹۶
اسی آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں	۱۹۷
فتاوی رسول ﷺ مصارف خیر کے بارے میں	۱۹۸
ان دو آیتوں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے متعلق چند ہدایات ومسائل معلوم ہوئے	۲۰۱
فرضیت جہاد کا حکم	۲۰۲
تفسیر	۲۰۳
اشہرِ حرم میں قتال کا حکم	۲۰۶
تفسیر	۲۰۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

ارتداد کا انجام اور اس کے احکام	۲۰۹
تفسیر	۲۱۰
دنیا میں غارت ہونے کا مطلب	۲۱۰
آخرت میں اعمال غارت اور ضائع ہونے کا مطلب	۲۱۰
مرتد دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس کے احکام	۲۱۰
کافرِ اصلی کے اچھے اعمال کی جزاء کا حکم	۲۱۱
مرتد کی حالت کافرِ اصلی سے بدتر ہے	۲۱۱
شراب اور قمار کی حرمت	۲۱۲
حرمتِ شراب اور اس کے متعلقہ احکام	۲۱۲
حرمت شراب کے تدریجی احکام میں حکمت الٰہیہ	۲۱۳
حرمت قمار و جوا کا حکم	۲۱۵
مخاطرہ کی وضاحت	۲۱۶
میسر اور قمار کی تعریف	۲۱۷
آیت مذکورہ سے چند فقہی ضابطے اور فوائد برآمد ہوئے	۲۱۸
ایک اہم فقہی ضابطہ	۲۱۹
مقدارِ انفاق کیا ہونا چاہیے؟	۲۱۹
مخالطتِ مال یتیم	۲۲۱
مناکحت کفار کا حکم	۲۲۳
مسلم و کافر کا باہمی ازدواج ممنوع ہے	۲۲۴
پہلی بات	۲۲۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری بات	۲۲۵
تیسری بات	۲۲۶
چوتھی بات	۲۲۶
پانچویں بات	۲۲۷
حیض میں جماع کی حرمت اور پاکی کی شرائط	۲۲۸
خلاصۂ تفسیر	۲۲۹
اپنی بیوی سے قبل میں صحبت ہر طرف سے جائز ہے	۲۲۹
وطی فی الدبر کی حرمت اور یہودیوں کی ایک بات کی تردید	۲۳۰
خیر کے ترک کرنے پر قسم کھانے کی ممانعت:	۲۳۱
تفسیر	۲۳۱
خیر کو ترک کرنے کے لئے قسم کھانا حرام ہے	۲۳۱
خلاصۂ تفسیر	۲۳۲
جھوٹی قسم کا گناہ	۲۳۲
قسم کی قسمیں اور احکام	۲۳۳
تین قسم کی قسم	۲۳۳
ایلاء کا حکم	۲۳۳
ایلاء کی قسمیں مع احکام	۲۳۵
مطلقہ کی عدت اور مدت رجعت کا بیان	۲۳۶
مرد وعورت کے فرق اور میاں بیوی کے باہمی حقوق ودرجات پر ایک جامع آیت	۲۳۷
زوجین کے فرائض	۲۳۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

نکاح اور طلاق میں مرد و عورت کی حیثیت	۲۳۹
احکام حیض	۲۴۰
عورت اور مرد کے خاص حقوق	۲۴۱
تین طلاق اور ان کے احکام کی تفصیلات	۲۴۱
مطلقات چار ہیں اور ان کے مختلف احکام	۲۴۲
آیت سے ثابت شدہ ہدایات	۲۴۳
طلاق رجعی کی تعداد و وضاحت وتفصیلات	۲۴۴
خلع کا حکم	۲۴۴
عورت سے مال ٹھہرا کر چھوڑنے کی صورتیں	۲۴۵
تین طلاق کے بعد حلالہ کا حکم	۲۴۵
احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء کا حکم	۲۴۶
نکاح ثانی سے عورت کو روکنا جائز نہیں	۲۴۷
تفسیر	۲۴۷
رضاعت کے احکام	۲۴۸
تفسیر	۲۴۹
مسئلہ	۲۴۹
مسئلہ	۲۵۰
مسئلہ	۲۵۰
متوفی عنہا زوجہا کے احکام	۲۵۰
تفسیر	۲۵۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترک زینت کے متعلق حکم	۲۵۱
عدت میں پیغام نکاح کے احکام	۲۵۱
تفسیر	۲۵۲
طلاق قبل الدخول میں وجوب وعدم وجوب مہر اور متعہ کے احکام	۲۵۲
تفسیر	۲۵۳
مسئلہ	۲۵۳
مسئلہ	۲۵۳
جس عورت کا مہر متعین ہو قبل الدخول اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر کا حکم	۲۵۴
تفسیر	۲۵۴
محافظت صلوۃ کا حکم	۲۵۵
وضاحتی بیان	۲۵۵
متوفی عنہا زوجہا کے احکام	۲۵۶
متوفی عنہا زوجہا کے حکم کی وضاحت	۲۵۶
مطلقہ کے لئے متاع اور تحفہ دینے کا حکم	۲۵۸
تفسیر	۲۵۸
طاعون اور وباء سے فرار جائز نہیں	۲۵۸
تفسیر	۲۵۹
تعجیل انفاق فی سبیل اللہ کا حکم	۲۶۰
تفسیر	۲۶۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام میں زبردستی نہیں	۲۶۱
تفسیر	۲۶۱
اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان	۲۶۲
تفسیر	۲۶۲
اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ثواب	۲۶۳
تفسیر	۲۶۳
بطلان ثواب کا حکم احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے اور ریاء سے	۲۶۳
تفسیر	۲۶۴
نفقات مقبولہ کی مثال	۲۶۵
تفسیر	۲۶۵
دو طرح کی بارش کی تشبیہ کی وضاحت	۲۶۶
اللہ کے راستہ میں عمدہ سے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم،	۲۶۶
گھٹیا مال خرچ کرنے کی مذمت	۲۶۶
تفسیر	۲۶۷
شیطان کی مزاحمت پر تنبیہ	۲۶۸
تفسیر	۲۶۸
انفاق کے شرائط کی رعایت کا تاکیدی حکم	۲۶۹
تفسیر	۲۶۹
انفاق فی سبیل اللہ کے اظہار یا اخفاء میں افضلیت کی تحقیق	۲۷۰
تفسیر	۲۷۰

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کا احسان مسلم اور کافر سب پر عام ہے	۲۷۱
تفسیر	۲۷۲
اصل مستحقین صدقات	۲۷۲
تفسیر	۲۷۳
اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے اوقات وحالات کی کوئی تخصیص نہیں ہے	۲۷۴
تفسیر	۲۷۴
ربوا کی تحریم اور مذمت کا حکم	۲۷۵
تفسیر	۲۷۵
اعمال صالحہ کرنے والے مومنین کی مدح	۲۷۷
تفسیر	۲۷۷
سود کی بقایا رقمیں لینا دینا حرام ہے	۲۷۸
تفسیر	۲۷۸
مفلس کو مہلت دینا واجب ہے	۲۷۹
تفسیر	۲۸۰
قرض اور ادھار کے لئے اقرار نامہ لکھنے کی ہدایت اور متعلقہ احکام	۲۸۰
تفسیر	۲۸۱
دین (یعنی قرض) کے معاملات کو لکھ لینے کا حکم	۲۸۲
کاتب منشی کے لئے ہدایات	۲۸۳
دستاویز مدیون کی طرف سے ہونا چاہئے	۲۸۳
تفسیر	۲۸۴

toobaa-elibrary.blogspot.com

گواہی کیلئے دومرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے	۲۸۴
تفسیر	۲۸۵
گواہوں کے شرائط	۲۸۵
گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے	۲۸۵
قرض اور بیع سلم کا ثبوت	۲۸۶
بیع سلم	۲۸۷
آیات مداینہ کا خلاصہ	۲۸۷
سفر و حضر میں رہن کا ثبوت	۲۸۸
تفسیر	۲۸۸
شہادت کا اخفاء حرام ہے	۲۸۹
تفسیر	۲۸۹
اخفاء شہادت کی مختلف شکلیں	۲۸۹
تفسیر	۲۹۰
افعال قلوب پر مواخذہ کی تحقیق	۲۹۰
تفسیر	۲۹۰
مومنین کی مدح	۲۹۲
تفسیر	۲۹۳
مختصر تعارف سورہ آل عمران	۲۹۵
(سورہ آل عمران سے متعلق ضروری باتیں)	۲۹۶
سورہ آل عمران میں منسوخ آیت:	۲۹۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

محکمات و متشابہات کی آیات کے احکام	۲۹۷
تفسیر	۲۹۷
محکمات کی وضاحت	۲۹۸
متشابہات کا حکم اور تفصیل	۲۹۸
محکمات کی مراد	۲۹۹
متشابہ سے مراد	۲۹۹
اصول فقہ کی اصطلاح میں محکم کا معنیٰ و مطلب	۳۰۰
محکم کا حکم	۳۰۰
اصول فقہ میں متشابہ کا مطلب	۳۰۰
متشابہات کی تقسیم	۳۰۱
متشابہ کا حکم	۳۰۱
کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات رکھنے کے احکام:	۳۰۲
تعلقات اور سلوک کے درجات	۳۰۲
پہلا درجہ مواسات	۳۰۲
دوسرا درجہ مدارات	۳۰۲
تیسرا درجہ موالات	۳۰۳
چوتھا درجہ معاملات	۳۰۳
”اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً“ سے شیعوں کا تقیہ ثابت نہیں ہوتا	۳۰۴
جنگ کے موقع پر کافروں سے مدد طلب کرنے کا حکم	۳۰۴
کیا مسلمانوں کے معاملات و امور کا کافر کو ذمہ دار و الی بنانا جائز ہے؟	۳۰۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ ابن عربی کی رائے	۳۰۶
علامہ ابوبکر جصاص کی رائے	۳۰۶
فساق، فجار اور اشرار کے ساتھ موالات کا حکم	۳۰۷
وہ بعض آیات جو کفار کے ساتھ موالاۃ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے	۳۰۸
ماں کا بھی حق اولاد پر ہوتا ہے	۳۰۹
قرعہ اندازی کے بارے میں حکم شرعی	۳۱۰
تفسیر	۳۱۰
شریعت محمدیہ میں قرعہ اندازی کا حکم	۳۱۰
علامہ ابوبکر جصاصؒ نے فرمایا	۳۱۱
مباہلہ کا شرعی حکم اور اس کی تفصیلات	۳۱۱
مباہلہ کی تعریف اور تفصیل	۳۱۲
مباہلہ کا حکم	۳۱۳
مباہلہ کے جواز کی شرط	۳۱۳
فوائد عثمانی کی بہترین جامع تقریر	۳۱۴
ابن کثیر کہتے ہیں	۳۱۴
کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنے کا حکم	۳۱۵
حرم میں جنایت کا حکم	۳۱۶
غیر حرم سے جنایت کر کے حرم میں آنے والے جانی کا حکم	۳۱۷
(۱) حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب	۳۱۷
(۲) مالکیہ وشافعیہ کا مذہب	۳۱۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

فقیر نادار اور غلام کے حج کا حکم	۳۱۸
غلام کے حج کا حکم	۳۱۹
کیا عورت پر حج فرض ہونے کے لئے محرم کا ہونا شرط ہے؟	۳۲۰
(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک	۳۲۰
(۲) دوسرا مذہب شافعیہ اور حنابلہ کا ہے	۳۲۱
حج کی فرضیت کے پانچ شرائط ہیں۔	۳۲۲
مشورہ کے احکام	۳۲۳
آیت سے ثابت شدہ احکام	۳۲۳
سابقہ آیت کا خلاصہ	۳۲۴
مشورہ کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم	۳۲۵
مشورہ میں اختلاف رائے کے وقت فیصلہ کی صورت	۳۲۵
مشورہ میں عزم کے بعد توکل کی ضرورت اور اس کی حقیقت	۳۲۷
محض کثرت رائے کا اعتبار نہیں	۳۲۷
توکل کے مراتب اور اس کے احکام	۳۲۸
توکل بمعنیٰ ترک تدبیر کی تفصیل	۳۲۸
’’غلول‘‘ یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا گناہ عظیم ہے	۳۲۸
’’غلول‘‘ یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا گناہ عظیم ہے	۳۲۹
اوقاف کی چوری اموال اور سرکاری خزانہ میں چوری بحکم غلول ہے	۳۳۰
صبر مصابرہ مرابطہ اور تقویٰ کا حکم	۳۳۱
تفسیر	۳۳۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختصر تعارف سورہ نساء	۳۳۴
(سورہ نساء کی منسوخ آیات)	۳۳۶
یتیموں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت	۳۳۷
تفسیر	۳۳۷
یتیموں کے حقوق اور ان کے اموال کی حفاظت	۳۳۸
اصطلاح شرع میں یتیم کی تعریف	۳۳۸
کیا یتیم کو اس کا مال بالغ ہونے سے پہلے دیدیا جائے گا	۳۴۰
یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد	۳۴۱
تفسیر	۳۴۲
بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کی حرمت	۳۴۳
اگر متعدد بیویوں میں مساوات اور عدل پر قدرت نہ ہو تو صرف ایک بیوی پر اکتفاء کیا جائے	۳۴۳
''فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ'' میں کیا امر وجوب کے لئے ہے یا اباحت کے لئے ہے	۳۴۴
مہر کے متعلق عورتوں پر ظلم	۳۴۵
تفسیر	۳۴۵
کیا سفیہ یعنی نادان بچوں کا مال روکا جائے گا	۳۴۷
تفسیر	۳۴۷
''حجر'' یعنی روکنا، یہ چار قسم کا ہوتا ہے	۳۴۷
دوسرا حجر ''روکنا'' جنون کی وجہ سے ہوتا ہے	۳۴۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

تیسرا حجر سفیہ یعنی نادان ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے	۳۴۸
چوتھا حجر ”روکنا“ افلاس کی وجہ سے ہوتا ہے	۳۴۸
کیا کبیر یعنی بڑی عمر والے پر حجر یعنی مال کے روکنے کا حکم لگایا جائے گا؟	۳۴۸
عورتوں بچوں اور کم عقلوں کو ان کے اموال سپرد نہ کئے جائیں	۳۴۹
نابالغوں کی سمجھ اور صلاحیت جانچنے کا حکم	۳۵۰
خلاصہ	۳۵۱
تفسیر	۳۵۲
یتیموں کے مال بے جا خرچ کرنے کی ممانعت	۳۵۲
یتیم کا ولی اس کے مال سے ضرورۃً کچھ لے سکتا ہے	۳۵۳
مال سپرد کرتے وقت گواہ بنایا جائے	۳۵۴
اوقاف اور دوسری ملکی اور ملی خدمات کا معاوضہ کا حکم	۳۵۴
کیا یتیم کے مال کا ذمہ دار یتیم کا مال لے سکتا ہے؟	۳۵۵
تفسیر	۳۵۶
فقیر محتاج وصی یتیم کا مال خرچ کرنے کے بعد مالدار ہو گیا تو اب کیا اس مال کا ضامن ہوگا	۳۵۶
مستحقین میراث میں بچے اور عورتیں بھی ہیں	۳۵۸
خلاصہ یہ ہے	۳۵۸
استحقاق میراث کا ضابطہ	۳۵۹
متوفی کی ملکیت میں جو کچھ ہو سب میں وراثت کا حق ہے	۳۶۰
میراث کے مقرر حصے اللہ کے جانب سے طے شدہ ہے	۳۶۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

وراثت یہ جبری ملک ہے اس میں مالک ہونے والے کی رضامندی شرط نہیں	۳۶۱
محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری ضروری ہے	۳۶۱
یتیموں کا مال ظلماً کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے	۳۶۳
عورتوں اور مردوں کے متعین حصے	۳۶۵
اولاد کا حصہ	۳۶۶
لڑکیوں کو حصہ دینے کی اہمیت	۳۶۷
ایک سے زیادہ لڑکیوں کا حصہ	۳۶۷
ایک لڑکی کا حصہ	۳۶۸
ماں باپ کا حصہ	۳۶۸
دوسری حالت	۳۶۹
تیسری حالت	۳۶۹
شوہر اور بیوی کا حصہ	۳۷۰
کلالہ کی میراث	۳۷۲
تفسیر	۳۷۲
حاصلِ کلام	۳۷۳
وصیت کے مسائل	۳۷۴
تفسیر	۳۷۴
مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید	۳۷۵
تفسیر	۳۷۵
مہر کی قلت اور کثرت کے سلسلہ میں احکام	۳۷۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

اکثرِ مہر کے بارے میں شریعت کا حکم	۳۷۶
علامہ قرطبیؒ کا قول	۳۷۶
اقل مہر میں ائمہ کا اختلاف	۳۷۷
اسلام سے پہلے عورتوں پر ہونے والے مظالم کا انسداد	۳۷۷
تفسیر	۳۷۸
ایک ظلم یہ تھا	۳۷۹
دوسرا ظلم	۳۷۹
تیسرا ظلم	۳۷۹
چوتھا ظلم	۳۸۰
بعض صورتوں میں دیا ہوا مہر واپس لینا جائز ہے	۳۸۲
مہر کے رقم کی واپسی کے ظلم ہونے کا پہلا مرحلہ	۳۸۳
پہلا مرحلہ	۳۸۳
دوسرا مرحلہ	۳۸۳
تیسرا مرحلہ	۳۸۴
خلاصہ	۳۸۴
باپ کی منکوحہ کی حرمت	۳۸۴
تفسیر	۳۸۵
محرمات نسبیہ کا بیان	۳۸۶
خلاصہ	۳۸۷
دوسری قسم محرمات رضاعیہ	۳۸۸

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر	۳۸۹
فائدہ	۳۹۰
تیسری قسم محرمات بالمصاہرت	۳۹۱
بیویوں کی مائیں بھی حرام ہیں	۳۹۱
مسئلہ:	۳۹۱
منکوحہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم	۳۹۱
مسئلہ:	۳۹۲
فائدہ	۳۹۲
بیٹے کی بیوی حرام ہے	۳۹۳
دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے	۳۹۳
مسائل:	۳۹۴
جاہلیت میں جو کچھ ہوتا رہا اس پر مواخذہ نہیں	۳۹۴
محرمات کی چوتھی قسم شوہر والی عورتیں	۳۹۵
تفسیر	۳۹۶
تفسیر	۳۹۸
مسائل:	۳۹۹
آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی عدم استطاعت کے احکام	۴۰۳
تفسیر	۴۰۴
باندیوں سے متعلق اہم ہدایت	۴۰۵
باندی کے زنا کی سزاء	۴۰۶

toobaa-elibrary.blogspot.com

باندیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے	۴۰۷
فائدہ	۴۰۷
اپنا مال بھی باطل طریقہ پر خرچ کرنا جائز نہیں	۴۰۸
جس طرح باطل طریقہ سے غیر کا مال کھانا جائز نہیں ہے	۴۰۸
خود اپنا مال بھی باطل طریقہ سے خرچ کرنا جائز نہیں	۴۰۸
باطل طریقہ سے مال کھانے کی تفصیل	۴۰۹
اعمالِ صالحہ صغائر کا کفارہ ہو جاتے ہیں	۴۱۱
تفسیر	۴۱۱
امور اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تمنا کرنے کے احکام	۴۱۲
تفسیر	۴۱۲
فضل خداوندی کے طلب کرنے کی ہدایت	۴۱۶
تقسیم خداوندی عین عدل وانصاف وحکمت کے مطابق ہے	۴۱۶
مرد حاکم اور نگران ہے عورتوں پر	۴۱۷
تفسیر	۴۱۸
فائدہ	۴۱۹
نافرمان بیوی کے اصلاح کے طریقے	۴۱۹
(۱) پہلا درجہ	۴۲۰
(۲) دوسرا درجہ	۴۲۰
(۳) تیسرا درجہ	۴۲۰
جھگڑا اگر طول پکڑ جائے تو دونوں طرف سے برادری کے حکم سے صلح کردی جائے	۴۲۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ	۴۲۲
اول بات	۴۲۳
دوسری بات	۴۲۳
دوسرے نزاعات میں بھی حکم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے	۴۲۴
حقوق کے بیان سے پہلے توحید کے ذکر کی حکمت	۴۲۶
حکمت الٰہی	۴۲۷
قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید	۴۲۹
تفسیر	۴۲۹
یتیم اور مسکین کا حق	۴۳۰
پڑوسی کا حق	۴۳۰
ہمنشیں کا حق	۴۳۲
راہ گیر کا حق	۴۳۳
غلام باندی اور ملازموں کا حق	۴۳۴
حقوق میں کوتاہی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں تکبر ہوتا ہے	۴۳۴
متکبرین کی مذمت کا ذکر	۴۳۵
تفسیر	۴۳۵
متکبرین کی دوسری صفت ریا کاری	۴۳۵
تفسیر	۴۳۶
شراب کی حرمت کے تدریجی احکام کی حکمتیں	۴۳۶
شراب کی حرمت کے تدریجی احکام کی حکمت	۴۳۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسئلہ	۴۳۸
تیمم کا حکم ایک مخصوص انعام ہے جو صرف اس امت ہی کو عطا کیا گیا	۴۳۹
تفسیر	۴۳۹
اپنی مدح سرائی اور عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں	۴۳۹
تفسیر	۴۴۰
مسئلہ	۴۴۱
ادائے امانت کی تاکید	۴۴۱
ادائے امانت کی تاکید	۴۴۱
امانت کی اقسام	۴۴۲
حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں	۴۴۳
کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے	۴۴۳
خلاصہ کلام	۴۴۴
فیصلہ کرنے والوں کے لئے ہدایت	۴۴۵
عدل وانصاف امنِ عالم کا ضامن ہے	۴۴۶
دستورِ مملکت کے چند زریں اصول	۴۴۷
’’اُولِی الاَمر‘‘ کون لوگ ہیں؟	۴۴۸
تفسیر	۴۴۹
حکم اور اطاعت کی تین عملی صورتیں	۴۵۰
خلافِ شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں	۴۵۲
اجتہاد وقیاس کا ثبوت	۴۵۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسول کریم ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے	۴۵۳
تفسیر	۴۵۴
اختلافات میں آپ ﷺ کو حَکَم بنانا آپ ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں	۴۵۵
چند اہم مسائل۔۔۔ (۱) اول	۴۵۵
(۲) دوسرا مسئلہ	۴۵۶
(۳) تیسرا مسئلہ	۴۵۶
ظاہری اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں	۴۵۷
تفسیر	۴۵۸
منافقین ومخالفین کے ساتھ معاملات سے متعلق ہدایت	۴۵۹
تفسیر	۴۶۰
پیشوا کے لئے ایک اہم ہدایت	۴۶۰
تدبر قرآن کی دعوت	۴۶۱
تفسیر	۴۶۱
بے تحقیق باتوں کا پھیلانا گناہ اور بڑا فتنہ کا سبب ہے	۴۶۲
تفسیر	۴۶۳
سفارش کی حقیقت اور اس کے احکام اور اقسام	۴۶۳
تفسیر	۴۶۳
سفارش سے متعلق اہم ہدایات	۴۶۵
سفارش سے متعلق کچھ ضروری مسائل	۴۶۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

سلام کا جواب دینے اور سلام کرنے کے احکام وہدایات	۴۶۶
تفسیر	۴۶۶
لفظ ''تحیہ'' کی تشریح اور اس کا تاریخی پہلو	۴۶۶
اسلامی سلام تمام دوسری اقوام کے سلام سے بہتر ہے	۴۶۷
خلاصۂ کلام	۴۶۸
اختتام مضمون پر تنبیہ	۴۷۲
قتل کی اقسام اور اس کے احکام	۴۷۳
قتل کی قسمیں اور ان کے احکام	۴۷۴
دیت کی تفصیلات	۴۷۵
قتل کی پانچ اقسام اور ان کے احکام	۴۷۵
قتل خطاء کا حکم	۴۷۶
مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی سزا کا حکم	۴۷۷
آیت سے متعلق صاحب جلالین کی تفسیر۔	۴۷۷
سابق مضمون کی مزید وضاحت	۴۷۸
فائدہ	۴۷۸
''قتل خطاء'' کے قائم مقام مثل ''قتل بالسبب'' اور ''قتل شبہ عمد'' کے احکام	۴۷۸
علامات اسلام مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے باطن کی تحقیق کرنا جائز نہیں	۴۷۹
تفسیر	۴۷۹
واقعہ کی تحقیق کئے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں	۴۸۰
مسلمان کو بلا دلیل کافر کہنا جائز نہیں	۴۸۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصہ مسئلہ	۴۸۲
مجاہدین کی افضلیت غیر مجاہدین پر	۴۸۳
تفسیر	۴۸۳
ہجرت کے احکام	۴۸۴
حضرت تھانویؒ کے کلام سے وضاحت	۴۸۵
فائدہ(۱)	۴۸۵
فائدہ(۲)	۴۸۶
اس زمانہ میں ہجرت کے حکم کی تحقیق؟	۴۸۷
حالت سفر اور قصر کے احکام	۴۸۸
آیت سے متعلقہ مسائل	۴۸۹
سفر میں قصر صلوٰۃ کا حکم	۴۹۰
امام شافعیؒ کی دلیل	۴۹۰
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل	۴۹۱
صلوٰۃ الخوف کے احکام	۴۹۱
مسائل متعلقہ آیت	۴۹۲
حضرت تھانویؒ کے فوائد	۴۹۳
''صلوٰۃ الخوف'' کے بارے میں ائمہ کا اختلاف	۴۹۴
اس زمانہ میں ''صلواۃ الخوف'' کی مشروعیت میں فقہاء کی تحقیقات	۴۹۵
فی زماننا مشروعیت ''صلواۃ الخوف'' پر علامہ ابن ہمام کی تحقیق	۴۹۶
علامہ ابن ہمام کی عبارت	۴۹۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۃ نساء کی آیت ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ان آیات سے ثابت شدہ احکام	۴۹۸
باہمی مشورہ اور مجالس کے آداب و احکام	۴۹۸
تفسیر	۴۹۹
معروف کی وضاحت	۴۹۹
اجماع امت حجت ہے	۵۰۰
تفسیر	۵۰۰
اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا ایک معیار اور ضابطہ ہے	۵۰۱
تفسیر	۵۰۲
خلاصہ کلام	۵۰۳
’’حسن عمل‘‘ کی وضاحت	۵۰۳
ازدواجی زندگی سے متعلق چند ہدایاتِ قرآنی	۵۰۴
تفسیر	۵۰۵
زوجین کے جھگڑوں میں دوسروں کا بلاضرورت دخل غیر مناسب ہے	۵۰۸
امور غیر اختیاریہ پر شرعاً مواخذہ نہیں ہے	۵۰۸
دنیا میں انبیاء اور کتابیں بھیجنے کا مقصد عدل وانصاف اور امن قائم کرنا ہے	۵۱۰
تفسیر	۵۱۱
عدل وانصاف پر قائم رہنا صرف حکومت کا فریضہ نہیں ہے	۵۱۲
بلکہ ہر انسان اس کا مکلف ہے	۵۱۲
عدل وانصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب	۵۱۴
عزت صرف اللہ سے طلب کرنا چاہیئے	۵۱۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر	۵۱۶
اہل باطل کی ایسی مجالس جس میں آیاتِ الٰہی واحکام کا استہزاء ہورہا ہو اس میں شرکت اور عدم شرکت کا حکم	۵۱۷
تفسیر	۵۱۷
تفسیر	۵۱۸
تفسیر بالرائے کرنے والے کی مجلس میں شرکت جائز نہیں	۵۱۹
کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے	۵۲۰
بروں کی صحبت سے احتراز ضروری ہے	۵۲۰
خلاصہ کلام	۵۲۲
کلالہ کے احکام	۵۲۲
کلالہ کی وضاحت	۵۲۳
کلالہ کی مزید وضاحت	۵۲۳
ماخذ ومراجع	۵۲۵
مصنف کی تصانیف	۵۲۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

انتساب

حضور ﷺ اور تمام انبیاء و رسل تمام صحابہ، تابعین، تبعِ تابعین، مجتہدین، مفسرین، محدثین، سلف صالحین، مجاہدین، شہداء اسلام، اولیاء امت، تمام اکابرین دیوبند وسہارنپور وندوہ مجددین مجاہدین مبلغین علماء صلحاء اور تمام امت مسلمہ انسان وجنات کے نام جو ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے ہوں اور ان معزز والدین کے نام جنہوں نے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود میری تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی اور رات دن میری کامیابی کے لئے دعائیں مانگتے رہیں۔

اور دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت اور جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے نام جنہوں نے منزل مقصود کا راستہ دکھلایا اور کچھ لکھنے اور بولنے کی صلاحیت بخشی۔ اور مرشدی ومولائی مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحبؒ کے نام اور جملہ مشائخ عظام کے نام۔

اور میرے استاذِ اول ومربی حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ مہتمم دار العلوم حسینیہ آکولہ، مہاراشٹر اور مولانا روح الامین صاحبؒ اور سابق شیخ الحدیث استاذی حضرت اقدس مولانا محمد رضا اجمیریؒ اور حضرت مولانا احمد اشرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم اشرفیہ راندیر اور میرے مشفق اساتذہ مرحومین حضرت مولانا مفتی عبد الغنی صاحب کاویؒ، حضرت حکیم ابو الشفاء صاحبؒ اور مولانا سید محی الدین صاحب راندیریؒ اور مولانا اسماعیل اشرف راندیریؒ اور حضرت مولانا یعقوب بھڑکودروی صاحبؒ اور حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحب راندیریؒ جملہ موجودہ اساتذہ کرام کے نام جن کی دعا وتوجہات اور کوششوں نے آگے بڑھایا اور تمام اقرباء کے نام جو دنیا سے چل بسے اور تمام امت مسلمہ کے نام۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیش لفظ

از: مؤلف

الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلّمہٗ البیان وانزلہ القرآن وجعلہ ھدی للناس والفرقان بین الحق والبطلان وھو قانوناً للنجاۃ والفوز فی الدنیا والاٰخرہ من الرحمٰن، اللھم صلی علیٰ سیدنا وسید الانبیاء والرسل وخاتم النبیین والمرسلین وسید المخلوقات جمیعاً صلٰوۃ دائمۃ مقبولۃ کاملۃ مکملۃ بغیر نھایۃ ولا غایۃ من الرحمٰن اما بعد!

راندیر دار العلوم اشرفیہ ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء میں تقرر کے بعد قلب میں کتب تفاسیر واحکام القرآن کی کتب بینی کا اشتیاق وجذبہ از حد بڑھ گیا تھا، جو ۱۹۹۶ء سے ۲۰۱۴ء تک کتب تفاسیر واحکام القرآن سے متعلق معتبر ومستند کثیر تفاسیر کا بہت ہی گہرائی سے سالانہ اور ربیع الاول اور عید الاضحیٰ وغیرہ کی تعطیلات مین مطالعہ کرتا رہا ۲۰۱۴ء کے آخر میں پیٹھ کے ہڈی کے دو منکو میں شدید تکلیف شروع ہوئی جس میں تقریباً چھ مہینے تک ابتلاء رہا اور یہ درد اتنا شدید تھا کہ تھوڑی دیر بھی سکون وچین میسر نہیں تھا، اکثر لیٹے رہتا تھا اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں موت کب آجائے، جو کچھ تھوڑا وقت زندگی کا مل جائے ''احکام القرآن'' کی تالیف کا کام شروع کرنا چاہیے، اسی شدید درد وکراہ کی حالت میں ''احکام القرآن'' کے تالیف کا کام اللہ تعالیٰ کا نام لیکر شروع کر دیا، اس اثنا میں علاج ومعالجہ بھی چلتا رہا اور ''سورۂ بقرہ'' کے احکام کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیات کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ نے مکمل کرادی ''فللہ الحمد والاحسان''۔

اس کے مکمل ہوجانے کے بعد حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت اقدس میں اس کتاب کا مسودہ پیش کیا تو حضرت مولانا نے نظر فرما کر گراں قدر تقریظ عنایت فرمائی اور ہمت افزائی فرمائی اور دعاؤں سے نوازا، اللہ تعالی آنجناب کے دارین میں مراتب بلند فرمائے اور اپنے شایان شان بدلہ دے نیز اس کے بعد مسودہ استاذی المکرم حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا حضرت والا نے بے شمار مصروفیتوں کے باوجود وقیع تقریظ عنایت فرمائی اور دعاؤں اور توجہات وعنایات سے سرفراز فرمایا، اللہ تعالی دارین میں اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے صحت عافیت کے ساتھ حضرت کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم دائم رکھے نیز میں استاذی المکرم حضرت اقدس قاری رشید احمد صاحب دامت برکاتہم اور حضرت اقدس مفتی عباس صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی معز الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم ان تمام ہی اکابرین امت کا ممنون ومشکور ہوں کہ جب بندے نے ان بزرگان دین کی خدمت میں اس کتاب کے مسودہ کو پیش کیا تو ان سلاطین علم وفضل نے بنظر غائر دیکھا اور ہمت افزائی فرمائی اور قیمتی تقاریظ اور اپنی خصوصی ادعیہ وتوجہات سے نوازا، اللہ تعالیٰ ان محسنین امت کو دارین میں اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے اور ان کے مراتب بلند سے بلند ترین فرمائے آمین۔

میں مفتی امجد صاحب قاسمی مدظلہ کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے تقریظ عنایت فرمائی، نیز مولانا اسحاق ناندورہ اشرفی کا بھی اور ان دوستوں کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی طرح اس کام میں تعاون کیا اللہ تعالیٰ سب کو دارین میں اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے دین

toobaa-elibrary.blogspot.com

دنیا کی ترقیات سے نوازے۔ آمین

اس کے بعد تعطیلات سالانہ وعید الاضحیٰ وربیع الاول اور جمعہ کے برکت والے دن وغیرہ کی برکات کے طفیل آگے کام شروع رہا، اللہ نے محض اپنے فضل وکرم سے آگے کا کام بھی پورا کردیا یعنی ''سورۂ آل عمران'' اور ''سورۂ نساء'' کے آیات الاحکام کا کام بھی مکمل ہو چکا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان وکرم ہے کہ اس نے اپنے فضل اور کرم سے اس جلد کا کام بھی پایہ تکمیل تک پہونچادیا ''فللہ الحمد و الاحسان''

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں اور اساتذہ واکابرین اور قارئین کتاب سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ آپ لوگ بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ احکام القرآن کا بقیہ کام بھی جلد از جلد کماحقہ مکمل فرمادے اور اسے قبول کرلے آمین۔

اس ''روح القرآن فی تفسیر آیات الاحکام'' کتاب کی تالیف کا داعیہ اس لئے پیدا ہوا کہ جب میں نے کتب تفاسیر پر گہری نگاہ ڈالی عربی واردو میں جتنی کتب دستیاب ہوسکی تھی دیکھا کہ عربی زبان میں ''احکام کی آیات'' پر بڑی تعداد میں امت کے مفسرین اور محققین نے کام کیا لیکن اردو زبان میں یکجا مرتب احکام القرآن پر مجھ کو کتاب نہیں ملی، اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ قرآن کے مقاصد عالیہ میں سے اعلیٰ مقصد احکام کا بیان کرنا ہے، اور زبان اردو میں اس کے متعلق کوئی کتاب دستیاب نہیں اور یہ کتاب الٰہی عمل کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ اردو زبان میں ''احکام کی آیات کی تفسیر منظر عام پر آجائے تو ہمارے لئے اور اردو داں حضرات کے لئے عمل میں آسانی پیدا ہوجائے، اس لئے اس کتاب کی تالیف کا ارادہ کرلیا اللہ تعالی قبول فرمائے، اور سب سے پہلے مجھ کو پھر پوری امت کو اس پر عمل کی توفیق بخشے اور میرے لئے ذریعہ نجات اور اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعالیٰ کی رضاء اور تقرب کا وسیلہ بنائے ۔آمین،اور میری زلات کو معاف فرمائے اور ہدایت پر قائم ودائم رکھے اور اپنے محبوب نبی ﷺ کی سنتوں پر تا دم حیات عمل پیرا رکھے۔آمین

قرآن کریم اس جہاں میں وہ نعمت بے بہا ہے کہ سارا جہاں آسمان وزمین اوران میں پیدا ہونے والی مخلوقات اس کا بدل نہیں بن سکتی ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے ایک کتاب اللہ یعنی قرآن مجید دوسری چیز میری سنت یعنی میرا طریقہ۔اور زندگی کے آخری حجۃ الوداع کے خطبہ میں تو آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑی ہے اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ پوری امت بلکہ پوری انسانیت کے دنیاوآخرت کی کامیابی اور فلاح وبہبودی کے راز اور تمام مشکلات ومصائب ومسائل کا حل اسی کتاب یعنی قرآن مجید میں موجود ہے شیخ الہند رحمۃ اللہ عنہ نے مالٹا کی جیل سے واپسی کے بعد اسی بات کا اظہار فرمایا تھا کہ ہم نے مالٹا کی جیل کی تنہائیوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کی پستی اور خواری اور ذلتی پر غور کیا معلوم ہوا کہ اس کا سبب قرآن مجید کی طرف سے انتہائی بے توجہی اور بے التفاتی ہے

پھر آپ نے مسلمانوں کو دو کاموں کی طرف متوجہ فرمایا (۱) قرآن کے الفاظ کی حفاظت کے لئے مکاتب کے نظام کی طرف (۲) اور بڑی عمر کے لوگوں کے لئے قرآن کی تفسیر اور معنی اور مطلب سمجھنے کے لئے مساجد میں علماء کے ذریعہ تفسیر قرآن مجید کی مجالس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے انعقاد کی طرف۔

اس وقت ہم لوگوں کو اور پوری امت کو قرآن مجید کے معنی و مطلب سمجھنے اور سمجھانے اور عمل کرنے اور کرانے کی پہلے سے بہت زیادہ ضرورت ہے قرآن کریم میں احکام کو اولیت کا درجہ حاصل ہے اور اس کتاب میں احکام قرآن ہی کا ذکر ہے اس لئے اس کتاب کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین اسلام سے محبت اور نزدیکی کا سبب بنے گا ان شاء اللہ العزیز

ویسے ہمارے اسلاف نے تفسیر قرآن مجید پر اردو زبان میں بڑا زبردست کام کیا ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب تفسیر مظہری اردو زبان میں ترجمہ ((۱۲ ج) میں ہے اسی طرح حضرت تھانویؒ کی کتاب بیان القرآن کی متعدد جلدین ہیں انہی کے نہج پر چلتے ہوئے اور بیان القرآن کو اپنی کتاب کی زمین بنا کر حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن کی آٹھ جلدیں تصنیف فرمائی جو علوم و معارف کے بیش بہا ذخائر ہیں اس کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں کتب تفاسیر آپ کے مدنظر تھیں احقر کے سامنے اس کتاب کی تیاری کے وقت سب سے اول نمبر پر معارف القرآن اور بیان القرآن تفسیر مظہری اور عربی زبان مین احکام القرآن تھانوی اور احکام القرآن جصاص اور ملا جیونؒ کی تفسیرات احمدیہ اور تفسیر قرطبی تھیں، ممکن حد تک سعی کی گئی ہے کہ آیات احکام سے متعلق ہمارے اسلاف اور دیگر معتبر اہل حق مفسرین اور محققین و مجتہدین وفقہاء نے جو احکام و مسائل مستنبط کئے ہیں وہی پیش کئے جائیں پھر بھی انسان خطاء اور نسیان سے مرکب ہونے کی وجہ سے کہیں لغزش خطاء نظر آئے تو معتبر حوالے کے ساتھ مطلع فرمائیں تا کہ دوسرے اڈیشن میں اصلاح کر لی جائے آخر میں قارئین اور ناظرین سے درخواست ہے کہ ہم سب مل کر یہ دعاء کریں کہ اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعالیٰ ہم سب کو اور پوری امت کو مکمل احکام القرآن اور تعلیمات اسلام کا علم حاصل کر کے اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے، آمین وبجاہِ سید المرسلین ﷺ صلوٰۃً دائمۃً مقبولۃً الیٰ یوم الدین وتؤدی بھا عنا حقہٗ العظیم یا اللہ العالمین ویاارحم الراحمین

فقط: محمد اکرام الدین غفرلہٗ ولوالدیہ

مدرس دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات، الہند

۲۹/رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ مطابق ۵/جولائی ۲۰۱۶ء بروز منگل

وارد حال خانقاہ محمودیہ، دہلہ مسجد راندیر، سورت، گجرات الھند

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

از حضرت اقدس مولانا ابراہیم صاحب پانڈور دامت برکاتہم

خلیفہ شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ وخادم خاص حضرت اقدس
مولانا مفتی اعظم ہند مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن کریم ایسی کتاب ہدایت ہے جو انسانی نفوس کی اصلاح وتربیت کے لئے اتاری گئی ہے، یہ کتاب تمام شعبہائے زندگی عبادات، معاملات اور معاشرت یعنی تدبیر منزل وسیاستِ مدنیّہ سے متعلق انسان کی کامل رہبری کر کے انہیں ضروری ہدایات واحکام دیتا اور ان کے سامنے ایسا دستورِ حیات پیش کرتا ہے کہ اگر اس پر صحیح معنیٰ میں عمل ہوجائے تو دونوں جہاں کی فلاح وکامیابی ہماری قدم بوسی کرنے لگے، ان ہدایات پر مشتمل آیتوں کو ''آیاتِ احکام'' کہا جاتا ہے، جن کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے اور ان کی تفصیلات کا نام ''علم الاحکام'' ہے ۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''الفوز الکبیر'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں صراحتاً پانچ علوم کا بیان ہے جن میں ایک ''علم الاحکام'' بھی ہے ،اس علم پر مشتمل آیات کی تفہیم وتشریح اور ان سے نکلنے والے مسائل کا تفصیلی بیان فقہائے اسلام کی ذمہ داری ہے، (الفوز الکبیر جدید ص ۱۶، ۱۷) چنانچہ ہر زمانہ میں فقہاء کرام اپنی اس ذمہ داری کو انتہائی خوش اسلوبی اور محنت ولگن کے ساتھ ادا کرتے رہے ہیں، اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت الامام محمد ابن ادریس الشافعیؒ المتوفیٰ ۲۰۴ھ نے قلم اٹھایا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

''احکام القرآن'' کے نام سے مستقل کتاب تحریر فرمائی ان کے بعد یک بعد دیگر قاضی ابو اسحاق اسمٰعیل ابن اسحاق الازدی البصری المتوفی ۲۸۲ھ، شیخ ابوالحسن علی ابن موسیٰ بن یزداد القمی الحنفی المتوفیٰ ۳۰۵ھ، امام ابوجعفر احمد ابن محمد الطحاوی المتوفیٰ ۳۲۱ھ، شیخ ابومحمد القاسم بن اصبغ القرطبی النحوی المتوفیٰ ۳۴۰ھ، امام ابوبکر احمد بن علی المعروف بالجصاص الرازی الحنفی المتوفیٰ ۳۷۰ھ، شیخ ابوالحسن علی ابن محمد الکیا ہراسی الشافعی البغدادی المتوفیٰ ۵۰۴ھ، حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی (الاشبیلی) المتوفیٰ ۵۴۳ھ رحمہم اللہ وغیرہ علماء اعلام وفقہائے اسلام نے اپنے اپنے دور میں احکام القرآن کے نام سے وقیع کتب تصنیف فرمائی، جن میں سب سے زیادہ معروف نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل ابوبکر جصاص حنفی کی احکام القرآن ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے کشف الظنون ۲۰/۱) دوسرے ہزارے میں صاحب نور الانوار ملا جیونؒ نے بھی احکام قرآن پر مشتمل التفسیرت الاحمدیہ کے نام سے ایک اہم کتاب تصنیف فرمائی پھر آخر دور میں ماضی قریب کے ایک نہایت ہی معروف محدث ومفسر شیخ محمد علی الصابونی الحنفی سابق استاد جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں اس موضوع پر روائع البیان فی تفسیر ایات الاحکام کے نام سے دو جلدوں میں ایک عمدہ کتاب تصنیف فرمائی (فجزاہم اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء) اسی زریں اور مبارک سلسلہ کی ایک اہم کڑی محب مکرم مولانا مفتی محمد اکرام الدین صاحب پاتوڑوی زید مجدہم خلیفہ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ واستاذ حدیث جامعہ اشرفیہ راندیر، سورت کی زیر نظر تصنیف ''روح القرآن فی تفسیر آیات الاحکام جلد اول'' بھی ہے، جس میں موصوف نے ''سورۂ بقرہ'' کی ایات احکام کی تفسیر فن کی بڑی بڑی کتابوں سے خوشہ چینی کر کے نہایت ہی محنت جانکاہی اور عمدگی کے ساتھ جمع فرمایا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، بے حد مسرت کی بات ہیکہ موصوف تدریسی مشاغل کے باوجود مسلسل کئی سالوں سے تصنیف اور تالیف کے ذریعہ راہنمائی اور اصلاح وتربیت میں سرگرداں ہیں، (اللھم زد فزد) دل سے دعا گوہوں مولائے کریم آں محترم کی دیگر تصانیف کی طرح اس کتاب کو بھی اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر شکر گزاری اور مزید علمی اور دینی خدمات کی توفیق بخشے اور صحت اور عافیت کے ساتھ آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

فقط والسلام

ابراہیم پانڈور عفی عنہ

وارد حال گجرات انڈیا

۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۶/ اگست ۲۰۱۵ء، بدھ

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

از: شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ محبوب العلماء والصلحاء فقیہ العصر جامع الشریعت والطریقت قطبِ وقت یادگارِ سلف مفکر ملت عارف باللہ مفتی اعظم گجرات استاذی حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث وسابق صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک وخلیفہ اجل مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم!

قرآن کریم قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اور قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے، بہ شرطیکہ قرآن کریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان وتشریح کی روشنی میں دیکھا جائے اور پڑھا جائے؛ اسی لئے ہر زمانے کے علمائے تفسیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں ان جدید مسائل اور مباحث پر زیادہ زور دیا ہے جو ان کے زمانے میں پیدا ہوئے اکابر واسلاف کے اسی طریقے پر چلتے ہوئے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے جدید مسائل وحلِ قرآن کے لئے ''معارف القرآن'' نامی تفسیر تالیف فرمائی، زیر نظر رسالہ 'روح القرآن'' میں مفتی محمد اکرام الدین پاتورڈوی صاحب زید مجدہم (استاذ الحدیث دار العلوم اشرفیہ راندیر) نے متعدد تفاسیر سے چند احکام جمع کئے ہیں، اس کا زیادہ تر حصہ ''معارف القرآن'' جلد اول سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

چونکہ اس رسالے میں مسائل بھی مذکور ہیں، ماشاء اللہ موصوف خود مفتی ہے؛ اس لئے مسائل تحقیق کے بعد ہی لکھے ہوں گے، احقر کو مطالعہ کا موقع میسر نہ ہوا، عوام الناس کو اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرح کے مضامین میں بعض مرتبہ مشکلیں پیش آتی ہے کہ لوگ کسی ماہر عالم کے مدد کے بغیر قرآن کریم سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ فہمِ قرآن کے اصول ومبادی سے ناواقفیت کے سبب بہت سی جگہوں میں غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں؛ لہٰذا اس رسالے کا کوئی مضمون سمجھ میں نہ آئے تو اہل علم کی طرف رجوع کیا جائے، رائے زنی وغلط فہمی سے بچنا ضروری ہے۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کے ذریعے مضامینِ قرآن کا فہم وشوق بڑھائے اور لوگوں کو سلامتِ فکر کے ساتھ استفادہ کی توفیق بخشے اور عند اللہ وعند الناس مقبول بنائے آمین بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

املاہ؛ احقر احمد خانپوری عفی عنہ

۲۴؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

☆☆☆☆☆

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

از: شیخ الحدیث والتفسیر دار العلوم اشرفیہ راندیر و خلیفہء اجل حضرت اقدس مولانا اسماعیل صاحب واڈی والاؒ لندن، وجانشینِ شیخ اجمیری صاحبؒ استادی حضرت اقدس مولانا الحافظ القاری رشید احمد صاحب اجمیری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن پاک اللہ کی کتاب بھی ہے اور کلام بھی ہے علوم کا گنجینہ ہے اس میں دو قسم کی آیات ہیں، ایک وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں اور سبق آموز واقعات و عبرت و موعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں اس قسم کی آیات بلاشبہ آسان و سہل ہیں اور جو شخص بھی عربی سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، ایسی ہی آیات کے بارے میں فرمایا گیا ''ولقد یسرنا القرآن للذکر'' خود اس آیت میں لفظ ''ذکر'' اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو احکام و قوانین عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، ایسی آیات کا سمجھنا اور کما حقہ سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں جب تک کہ اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی لیکن آپ ﷺ سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے علامہ سیوطیؒ نے امام عبد الرحمن سلمی سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے آپ ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے مثلاً حضرت عثمان ابن عفانؓ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور ابن مسعودؓ وغیرہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ دس آتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی و عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں۔(الاتقان)

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے آیات قرآنیہ کو جن پانچ علوم میں گھیرا ہے، اس میں ''علم الاحکام'' بھی نہایت اہم ہے جس پر حضرت نے تفصیل سے قلم اٹھایا جو حضرت کے علوم پر دست رس کا غماض ہے۔

متعدد مفسرین اور فقہاء نے بھی آیات کے ماتحت فوائد علمیہ اور احکام دینیہ مستنبط فرمائے اور امت کے علم میں افزائش کا ذریعہ ووسیلہ بنے جن میں زیادہ تر تحریریں عربی ہیں اور مصنفین نے بھی اردو تفاسیر میں اس لائن کا اچھا خاصہ مواد فراہم کیا ہے۔

لیکن احکام کی آیات کو نکال کر چھان پھٹک کر محتاط انداز میں جمع کرنا اپنی نوعیت کا منفرد کام ہے جس کا بیڑا تدریسی و تصوفی مشاغل کے ساتھ حضرت مفتی محمد اکرام الدین صاحب نے کرنا شروع کیا ہے اس تالیف سے پہلے امت کی خدمت متعدد تصنیفات پیش فرما چکے ہیں۔

یہ کام اگرچہ محنت طلب اور یکسوئی کا طالب ہے تاہم حضرت کی اس سعی کو مبارک باد کے لائق اور تحسین کا مستحق ماننا پڑیگا کہ یہ طویل علمی سفر کا بیڑا اٹھا کر مستند ذخیرہ امت کے خواص وعوام کے سامنے پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے اللہ تعالیٰ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

احقر کو حکم تھا کہ چند کلمات لکھے جائیں علمی بے بضاعتی اور سستی اور کاہلی قلم پکڑنے سے مانع تھی لیکن اصرار پیہم سے مجبور ہو کر یہ چند سطریں حاضر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اب تک کی اور آئندہ مجلدات اور طویل کوشش کو بار آور فرمائے مکمل فرمائے اور ہر خاص و عام کے حق میں نافع اور مفید بنائے۔(آمین) اور دارین میں بہترین جزاء عطا فرمائے اور اپنی رضاء اور قبولیت سے نوازے۔آمین

از: احقر رشید احمد اجمیری

خادم دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت گجرات

۲۲/ذی قعدہ بروز جمعہ ۱۴۳۷ھ

۲۶/اگست ۲۰۱۶ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

از: صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک وشیخ الحدیث والتفسیر مدرسہ جامع القرأت کفلیتہ حضرت اقدس الحافظ مولانا مفتی عباس داؤد بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم

باسمہ تعالیٰ

علم عمل کے پیکر حضرت مولانا ومفتی محمد کرام الدین صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ بخیر وعافیت ہوں گے! حضرت والا کے آہوئے قلم سے نکلی ہوئی کتاب بنام ''روح القرآن فی تفسیر آیات الاحکام'' کے اکثر حصہ کا مطالعہ کیا ماشاء اللہ بہت عمدہ مضامین کو جمع فرمایا ہے جو علماء وطلباء کے لئے سرمۂ بصیرت بنے گی جس کی اس زمانے میں خاص ضرورت ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی تصنیف سے وقت کی ضرورت کی تکمیل ہوئی اللہ تبارک وتعالیٰ اس مبارک خدمت کو قبول فرماتے ہوئے مزید تصنیف وتالیف کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دعا گوہوں کہ باری تعالیٰ آنحضرت کی جملہ خدمات کو قبول فرمائیں اور آپ کو صحت وعافیت نصیب فرمائے نیز میرے لئے بھی دعا کی درخواست ہے۔فقط والسلام

عباس داؤد بسم اللہ

۲۸/ذی القعدہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۱/ستمبر ۲۰۱۶ء

☆☆☆☆☆

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

از: امیر شریعت ومفتیٔ اعظم مہاراشٹر ومفتیٔ مرکزی دارالافتاء امارت شرعیہ مرہٹواڑہ اورنگ آباد ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم اورنگ آباد، مہاراشٹر حضرت اقدس مولانا مفتی محمد معزالدین قاسمی دامت برکاتہم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یاایھا الناس قدجاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لمافی الصدور وھدی ورحمة للمؤمنین (یونس:۵۷)

اس آیت میں قرآن پاک کے چار اوصاف بیان کئے گئے ہیں سب سے پہلا وصف یہ ہے قرآن دل میں اتر جانے والی دلیلوں، دل نشین اسلوبوں اور روح کو متأثر کرنے والے طریقوں سے اپنی بات پیش کرتا ہے، وہ ایسا وعظ ونصیحت ہے جس سے انسان کا دل نرم ہوجاتا ہے اور اللہ پاک کی طرف جھک جاتا ہے غفلت کا پردہ چاک ہوجاتا ہے اور انسان میں آخرت کی فکر پیدا ہوجاتی ہے۔

دوسرا وصف قرآن پاک کا یہ ہے کہ وہ دل کی بیماریوں کی دواء یعنی ایک نسخۂ شفاء ہے جو بھی اس نسخۂ الٰہی پر عمل کرے گا اس کا دل ہر قسم کی گندگیوں اور خرابیوں سے پاک اور صاف ہوجائے گا، دل کی بیماریاں کیا ہیں، شرک، کفر، شک، نفاق، کینہ، حسد، ظلم وعدوان سے محبت کرنا، شر وباطل کی طرف رغبت، اور بھلائیوں سے نفرت، انسان کی فکری اور اخلاقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیماریاں ہیں، اور قرآن پاک ان کے لئے اکسیر ہدایت ونسخہ شفاء ہے۔

تیسرا وصف قرآن پاک کا رہنما ہونے کا ہے قرآن پاک پوری انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے یعنی لوگوں کو اللہ پاک تک پہونچنے کا اور ان کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

چوتھا وصف قرآن کریم کا پیام رحمت ہونا ہے، قرآن اس کی تلاوت کرنے والوں اس کے معانی ومطالب سمجھنے، سمجھانے والوں اس کے احکام پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہونچانے والوں کے لئے سراپا رحمت ہے۔

مذکورہ چار اوصاف اور اسی طرح کے دیگر اور مقاصد کے حصول کے پیش نظر علماء ربانیین کا ہمیشہ سے یہ شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے اپنی علمی لیاقت اور خدا داد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر تفاسیر کے مشہور ومعتبر ذخیروں سے علوم ربانی ومعارف یزدانی کے بیش بہا موتی چن چن کر اکھٹا کرتے رہے ہیں، اور اس کام میں ذاتی قابلیت سے زیادہ منجانب اللہ قبولیت کو دخل رہا ہے۔

الحمدللہ ہمارے مولانا مفتی محمد اکرام الدین صاحب کو اللہ رب العزت نے قلب وقالب اور حال وقال کی صلاح وفلاح سے ہمکنار فرمایا ہے، وہ علوم ظاہرہ وباطنہ دونوں میں یدطولیٰ رکھتے ہیں، یہ کام وہی عالم کرسکتا ہے جو من جانب اللہ مؤفق ہو، اور علوم وفنون میں غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہو۔

تصنیف وتالیف کا آپ اچھا تجربہ رکھتے ہیں، اس سے قبل بھی آپ کی تصنیفات امت میں شوق ذوق کے ہاتھوں لی گئیں، عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھی گئیں، اور علم وعمل کے ارادے سے پڑھی گئیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں نے ''روح القرآن اول'' یعنی احکام قرآن کو چیدہ چیدہ دیکھا ہے، الحمد للہ مؤلف موصوف نے بڑا محتاط طریقہ اختیار کیا ہے، جو بھی چیز بیان کی ان کی سند معتبر و مستند تفاسیر سے پیش کردی، دوسرے معنی میں مستند و معتبر تفاسیر کے جابجا ترجمانی کی خدمت انجام دی گئی ہے، اللہ اس کو قبول فرمائے۔ (آمین)

چونکہ قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح کا مسئلہ بڑا نازک اور اہم ہے، اس راہ میں اچھے اچھے صلاحیت رکھنے والے کسی اللہ والے سے اصلاحی تعلق نہ ہونے کی وجہ سے اپنے قلم اور زبان کو قران کی تفہیم وتشریح میں لغزش سے بچا نہیں سکے، کبھی ان کی قرآنی تفہیمات کو معتبر علماء حق نے ''تعبیر کی غلطی'' سے یاد کیا، تو کبھی ''فکر کی غلطی'' کا لیبل ان کی قرآن فہمی پر لگا، اور علمائے اہل حق کی نگاہ میں ان کی کاوشیں اعتماد واعتبار کی نگاہ سے دیکھی نہیں گئیں، اور آج بھی وہ قدآور شخصیتیں اور ان کی مشہور اور معروف تصنیفات اور تالیفات آزاد خیال سہولت پسند نوجوان طبقہ میں مختلف قسم کی علمی وعملی بے راہ رویوں کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں، اور ان کا مطالعہ فقہاء ومحدثین سے عقیدت ومحبت اور اعتبار واعتماد کا ذریعہ بننے کے بجائے ان سے نفرت وحقارت اور تذلیل وتوہین کی فضاء عام طور پر مشاہدہ میں ہے، رجال اللہ نے کتاب اللہ کی تشریح وتوضیح کا فریضہ ہر دور میں ادا کیا ہے۔

علمائے اہل حق کی اس قسم کی تحقیقی مستند تحریریں یقینا ملت کے اس طبقہ کے لئے آب حیات ثابت ہوں گی، جو تحقیقی مزاج رکھتے ہیں، اور جو قرآنی نکات نادر تعبیرات کے متلاشی رہتے ہیں اور مرضیات خداوندی کی طلب اور اعمال صالحہ کی انجام دہی کا جذبہ انہیں ہر وقت بے چین کئے رہتا ہے

ویسے مولانا موصوف کو اللہ رب العزت نے عمومی نفع سے متعارف تینوں طریقوں سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

وابستگی عطا فرمائی ہے، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، اور اصلاح وتزکیہ یہ اللہ کے طرف سے انتخاب ہے، جس پر جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے ''**ذلک فضل اللہ یعطیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**''

احقر بصدق دل دعا گو ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا مفتی محمد اکرام الدین صاحب کو صحت وعافیت سے ہم کنار فرمائے اور ان کی تمام قلمی کاوشوں کو قبولیت سے نوازے اور امت کی دینی اور علمی ضرورتوں کے پورا کرنے کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

اور ہم جیسے تہی دامن کو بھی کچھ حصہ عطا فرمائے'' وللارض من کأس الکرام نصیب، وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب''

فقط احقر العباد

(حضرت اقدس مولانا مفتی) محمد معز الدین قاسمی

امیر شریعت ومفتی مرکزی دارالافتاء امارت شرعیہ مرہٹواڑہ، اورنگ آباد

ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم اورنگ آباد، مہاراشٹر، انڈیا

۹ رشعبان المعظم ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقریظ

از: قومی صدر کل ہند آل انڈیا میو جمعیۃ علماء الہند و خادم جامعہ اسلامیہ تحفیظ القرآن

حضرت مولانا الحاج مفتی محمد امجد قاسمی مدظلہ العالی

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی نبی محمد رسول اللہ و علی الہ و اصحابہ الکرام اما بعد

الحمد للہ روح القران کی فہرست اور کچھ مضامین کو دیکھنے کا موقع ملا دیکھنے سے اندازا ہوا کہ روح القرآن ایک ایسی وقیع جامع کتاب ہے جس کی ہندوستان میں بے حد ضرورت تھی جس کو اللہ تعالی نے حضرت مفتی محمد اکرام الدین صاحب کے ذریعہ پورا فرمایا میں اپنی طرف سے اور پوری ملت کی طرف سے دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ ایک ایسے کام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمد اکرام الدین صاحب مدظلہ العالی کے ذریعہ پورا فرمایا جس کو ہندوستان اور ایشیاء میں بہت پہلے منظر عام پہ آنا چاہئے تھا لیکن ہمارے ملک کے اہل علم اور علماء کرام کی اس طرف نظر نہ جانے کی وجہ سے ابھی تک یہ کام باقی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی محمد اکرام الدین صاحب مدفیوضہ کے ذریعہ پورا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کتاب ہذا کو اہل علم اور عوام اور خواص اور پوری امت کیلئے نافع بنائے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو اس سے فائدہ اٹھانے والا بنائے اور اس کتاب کو مقبول عالم بنائے اور محترم مئولف کو دارین میں اجر جزیل عطاء کرے اور مکارہ سے حفاظت فرمائے اور دنیا اور آخرت کی ترقیات سے نوازے۔

آمین یارب العالمین۔

احقر العبد الحاج مفتی محمد امجد قاسمی

قومی صدر کل ہند آل انڈیا میو جمعیۃ علماء الہند

وخادم جامعہ اسلامیہ تحفیظ القرآن لیلی نہ

۲۸/جون ۲۰۱۵ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۃ البقرہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۂ بقرہ کا مختصر تعارف وخلاصۂ سورت

یہ قرآن قریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی آیات ۶۷ تا ۷۳ میں اُس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم نبی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ بقرہ ہے، کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ سورت کا آغاز اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے ہوا ہے، اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں، یعنی مؤمن، کافر اور منافق بیان کی گئی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، تاکہ انسان کو اپنی پیدائش کا مقصد معلوم ہو۔ اس کے بعد آیات کے ایک طویل سلسلے میں بنیادی طور پر خطاب یہودیوں سے ہے جو بڑی تعداد میں مدینہ منوّرہ کے آس پاس آباد تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں نازل فرمائیں، اور جس طرح انہوں نے ناشکری اور نافرمانی سے کام لیا اس کا مفصل بیان ہے۔ پہلے پارے کے تقریباً آخر میں حضرت ابراہیم علیہا لسلام کا تذکرہ ہے، اس لئے کہ انہیں نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ عرب کے بت پرست بھی اپنا پیشوا مانتے تھے۔ ان سب کو یاد دِلایا گیا ہے کہ وہ خالص توحید کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی کسی قسم کے شرک کو گوارا نہیں کیا۔ اسی ضمن میں بیت اللہ کی تعمیر اور اسے قبلہ بنانے کا موضوع زیرِ بحث آیا ہے۔ دوسرے پارے کے شروع میں اس کے مفصل احکام بیان کرنے کے بعد اس سورت میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے گئے ہیں جن میں عبادت سے لے کر معاشرت، خاندانی امور اور حکمرانی سے متعلق بہت سے مسائل داخل ہیں۔ (توضیح القرآن ج ۱ ص ۴۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۃ البقرہ سے متعلق کچھ اہم معلومات۔

سورت کا نام: اس سورت کا نام سورت البقرہ ہے اسی نام سے حدیث اور آثار صحابہؓ میں اس کا ذکر موجود ہے اس کے علاوہ اس سورت کے دوسرے نام بھی روایات میں آئے ہیں۔(سنام القرآن) قرآن کی چوٹی (ذورۃ القرآن) قرآن کا بلند حصہ۔

(الاتقان فی علوم القرآن ص ۳۳۵،۳۳۶ ج ۲)

تعداد آیات ورکوع وتعداد کلمات وحروف:

اس سورت میں ۲۸۶ آیات ہیں۔ اور (۴۰) رکوع ہیں یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی۔ نازل ہونے کے اعتبار سے (۸۷) نمبر پر ہے۔ لیکن تلاوت کے اعتبار سے (۲) پر ہے۔ کلمات کی تعداد (۶۲۲۱) ہیں اور حروف (۲۵۵۰۰) ہیں۔

(ابن کثیر بحوالہ ریاض القرآن ص ۳)

سورۂ البقرہ قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے اور مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے اس کا نزول شروع ہوا اور مختلف زمانوں میں مختلف آیتیں نازل ہوتی رہیں یہاں تک کہ ربا یعنی سود کے متعلق جو آیات ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری عمر میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور اس کی ایک آیت (واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ) تو قرآن کی بالکل آخری آیت ہے۔ جو ۱۰ھ ہجری میں ۱۰ رذی الحجہ کو منی کے مقام نازل ہوئی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے فرائض ادا کرنے میں مشغول تھے۔ (قرطبی) اور اس کے ۹۰، نوے دن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اور وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

معارف القرآن ج ا ص ۱۰۳) ریاض القرآن ص ۸۵۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

(فضائل سورۂ البقرہ)

سورۂ البقرہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت ہے اور بہت سے احکام پر مشتمل ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے اور بدنصیبی ہے اور اہل باطل اس پر قابو نہیں پا سکتے۔ قرطبی نے حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ اہل باطل سے مراد جادوگر ہیں مراد یہ کہ اس سورت کے پڑھنے والے پر جادو نہ چلے گا۔ قرطبی از مسلم بروایت ابوامامہ باہلی

(معارف القرآن ج ا ص ۱۰۳)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں سورۂ البقرہ پڑھی جائے شیطان وہاں سے بھاگ جاتا ہے

(ابن کثیر از حاکم۔ الاتقان ج ۲ ص ۳۳۵)

نیز اس کی ہر آیت کے نزول کے وقت اسی ۸۰ فرشتے اس کے احترام میں نازل ہوئے (ابن کثیر) از مسند احمد) اور حضرت ابوھریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ اس سورت میں ایک ایسی آیت ہے جو تمام آیات قرآن میں اشرف و افضل ہے اور وہ آیت الکرسی ہے۔

(ابن کثیر از ترمذی، (الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۳۳۶)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ سورۂ البقرہ کی ۱۰، آیتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو رات میں پڑھ لے تو اس رات کو جن شیطان گھر میں داخل نہ ہوگا۔ اور اس کو اس کی اہل عیال کو اس رات میں کوئی آفت بیماری رنج وغم وغیرہ ناگوار چیز پیش نہ آئیگی اور اگر یہ آیتیں کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کو افاقہ ہو جائے گا۔ وہ دس آیتیں یہ ہیں۔ چار آیتیں شروع سورۂ بقرہ کی۔ پھر تین آتیں درمیاں یعنی آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیتیں پھر آخر سورہ بقرہ کی تین آیتیں۔

(معارف القرآن ج ا ص ۱۰۴)

مضامین ومسائل کے اعتبار سے بھی سورۂ البقرہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے علامہ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ سورۂ بقرہ میں ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی، اور ایک ہزار حکمتیں، اور ایک ہزار خبریں اور قصص ہیں۔ (احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۸) قرطبی ابن کثیر۔ الاتقان ج ۲ ص ۳۴۶) یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب سورۂ بقرہ کو تفسیر کے ساتھ پڑھا تو اس کی تعلیم میں بارہ سال خرچ ہوئے اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ سورت آٹھ سال میں پڑھی (معارف القرآن ج ا ص ۱۰۴ قرطبی۔ (احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۸)

(سورۂ البقرہ میں منسوخ آیات)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں چند آیات سورۂ البقرہ مین منسوخ بتلائی ہیں۔

(ا) فرمایا۔ سورہ البقرہ میں سے پہلی آیت اللہ تعالیٰ کا ارشاد (کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت۔ الخ) یہ منسوخ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت مواریث سے منسوخ ہے اور بعض علماء نے اس حدیث سے منسوخ مانا ہے۔ (الا لا وصیة لوارث) اور بعض علماء نے فرمایا کہ اجماع امت سے منسوخ ہے علامہ ابن عربی نے اسی طرح فرمایا ہے۔ (الفوز الکبیر ص ۲۰) الاتقان فی علوم القرآن ج ۲۔ ص ۴۸)

(تفسیرات احمدیہ ص ۴۴۔ اردو ادبی دنیا دہلی)

(۲) دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا ارشاد (وعلی الذین یطیقونہ فدیة) یہ آیت منسوخ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول (**فمن شهد منكم الشهر فليصمه**) سے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے۔

الفوز الکبیر ص ۲۰، تفسیرات احمدیہ ص ۴۵، (الاتقان ص ۴۸ ج ۲)

(۳) (**یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون**۔ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت کا ناسخ اللہ کا ارشاد (**أحل لکم لیلة الصیام الرفث۔ الخ**) علامہ ابن طبری نے اسی طرح فرمایا ہے۔ الاتقان فی علوم القرآن ص ۴۸ ج ۲ الفوز الکبیر ص ۲۰

وضاحت: صاحب تفسیرات احمدیہ فرماتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے فرمایا کہ اس آیت میں ہمارے روزوں کو اہل کتاب کے روزوں جیسا بتایا گیا ہے حالانکہ ہمارا اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے اور ان کا روزہ عشاء سے مغرب تک ہوتا تھا اس لئے یہ حکم اس آیت سے منسوخ (**أحل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم**) رمضان کی راتوں میں تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے ہم بستر ہونا حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت مذکورہ میں تشبیہ صرف روزہ کی فرضیت میں ہے یعنی ان کی طرح تم پر بھی فرض کئے گئے روزہ کے اوقات میں تشبیہ نہیں۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۴۵ اردو)

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۃ البقرہ

بِسمِ اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

حقوقِ شرعیہ ادا کرنا واجب ہے، اس کے خلاف کرنا گناہِ عظیم ہے

”اِنَّ اللہ لَا یَستَحیٖٓ اَن یَّضرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوضَۃً فَمَا فَوقَھَا فَاَمَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا فَیَعلَمُونَ اَنَّہُ الحَقُّ مِن رَّبِّھِم وَاَمَّا الَّذِینَ کَفَرُوا فَیَقُولُونَ مَاذَآ اَرَادَ اللہ بِھٰذَا مَثَلاً یُضِلُّ بِہٖ کَثِیرًا وَّیَھدِی بِہٖ کَثِیرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الفٰسِقِینَ (۲۶) الَّذِینَ یَنقُضُونَ عَھدَ اللہ مِن م بَعدِ مِیثَاقِہٖ وَیَقطَعُونَ مَآ اَمَرَ اللہ بِہٖٓ اَن یُّوصَلَ وَیُفسِدُونَ فِی الاَرضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الخٰسِرُونَ۔ (البقرہ:۲۷)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے جو لوگ مومن ہیں وہ یقینا جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے، اور جو لوگ کافر ہیں کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے، گمراہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہت سوں کو اور ہدایت کرتا ہے بہت سوں کو، اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدے کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملانے کو اور فساد کرتے ہیں ملک میں وہی ہیں بڑے ٹوٹے والے۔

(معارف القرآن ۱/۱۶۶، تفسیر مظہری جدید ۱/۶۹، تفسیر ابی السعود ۱/۶۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

”وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ“

سے معلوم ہوا کہ جن تعلقات کو قائم رکھنے کا شریعت اسلام نے حکم دیا ان کا قائم رکھنا ضروری اور قطع کرنا حرام ہے، غور کیا جائے تو دین ومذہب نام ہی ہے ان حدود وقیود کا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے مقرر کی گئی ہیں، اور اس عالم کا صلاح وفساد انہیں تعلقات کو درست رکھنے یا توڑنے پر موقوف ہے، اسی لئے ان تعلقات کے قطع کرنے کو یفسدون فی الارض کے الفاظ میں وجہِ فسادِ عالم بتلایا ہے۔

(معارف القرآن ا/ ۷۱، ۷۰، تفسیر ابن کثیر ا/ ۸۷)

”اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ“ میں خسارہ والا صرف اسی شخص کو قرار دیا ہے جو مذکورہ احکام کی خلاف ورزی کرے اس میں اشارہ ہے کہ اصل خسارہ اور نقصان آخرت ہی کا ہے دنیا کا خسارہ کوئی قابل توجہ چیز نہیں ہے۔

(معارف القرآن ا/ ۱۷۰) تفسیر ابن کثیر ج ا۔ ۷۸)

”ویقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل“ کی مزید تفسیر

مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے فرمایا ہے:

اس سے مراد رشتے داروں کے وہ حقوق پامال کرنا جنہیں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی تین صفات بیان فرمائی۔

(۱) ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں

(۲) دوسرے یہ کہ وہ رشتہ داروں کے حقوق (جو واجب ہیں) پامال کرتے ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) تیسرے یہ کہ زمین میں فساد مچاتے ہیں

ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے۔یعنی وہ نہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو رکھنا چاہئے۔اور نہ اس کی وہ عبادت کرتے ہیں جو ان پر فرض ہے۔دوسری اور تیسری چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے مختلف رشتوں کے جو حقوق (واجبہ) مقرر فرمائے ہے ان کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے ہی ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے اگر ان رشتوں کو کاٹ کر باپ، بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے حقوق (جو واجب ہیں اور ضروری ہیں) پامال کرنا شروع کردیں تو وہ خاندانی نظام تباہ ہو جاتا ہے۔جس پر ایک صحت مند تمدن کی بنیاد قائم ہوئی ہے۔لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد کی صورت میں نکلتا ہے۔اس لئے قرآن کریم نے رشتوں کو کاٹنے اور زمین میں فساد مچانے کو سورہ محمد میں بھی ایک ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے۔

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتُقَطِّعُوْا اَرْحَامکم۔ ۲۲:۴۷

(حاشیہ توضیح القرآن آسان ترجمہ القران، ص ۵۲ / ۵۳)

(مفتی تقی عثمانی، مکتبہ ادارئے صدیق ڈابھیل) مستفاد جلالین شریف ج ۱۔ص ۷

تمام اشیاء میں اصل اباحت کا حکم ہے

ملاجیونؒ نے سورۂ بقرہ میں تقریباً ۴۸ / آیاتِ احکام تحریر فرمائے ہیں۔

پہلی آیت: ”ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْض جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ فَسَوّٰئھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ“ (البقرہ: ۲۹)

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان، اور خدا تعالیٰ ہر چیز سے خبر دار ہے

(معارف القرآن ۱ / ۱۷۰)

ملا جیونؒ نے آیت مذکورہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔

”ففی الآیۃ دلیل علی کون الاباحۃ اصل فی الاشیاء، صرح بہ صاحب الکشاف حیث قال: قد استدل بقولہ تعالیٰ: خلق لکم، علی ان الاشیاء التی یصلح ان ینتفع بہا و لم یجر مجر المحظورات فی العقل خلقت فی الاصل مباحۃ مطلقا، لکل احد ان یتناولہا و ینتفع بہا و قد صرح بہ صاحب المدارک ایضاً۔“

(تفسیرات احمدیہ اشرفی دیوبند ۱۳، احکام القرآن لابن عربی ۱ / ۱۳)

”ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا“۔

اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے، سب کا سب۔

حضرت اقدس مفتی شفیع صاحب نے اس آیت کے ماتحت تسلی بخش تفسیر فرمائی جو مندرجۂ ذیل ہے:

اشیاء عالم میں اصل اباحت ہے یا حرمت؟

اس آیت سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء میں اصل یہ ہے کہ وہ انسان کے لئے حلال ومباح ہوں کیونکہ وہ اسی کے لئے پیدا کی گئی ہیں بجز ان چیزوں کے جن کو شریعت نے حرام قرار دے دیا اس لئے جب تک کسی چیز کی حرمت قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو اس کو حلال سمجھا جائے گا۔

اس کے بالمقابل بعض علماء نے یہ قرار دیا کہ انسان کے فائدے کے لئے کسی چیز کے پیدا ہونے سے اس کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے اصل اشیاء میں حرمت ہے جب

toobaa-elibrary.blogspot.com

تک قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے جواز ثابت نہ ہو ہر چیز حرام سمجھی جائے گی۔

بعض حضرات نے توقف فرمایا۔

تفسیر بحر محیط میں ابن حبان نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں اقوال مذکورہ میں سے کسی کے لئے حجت نہیں کیونکہ ''خلق لکم'' میں حرف ''لام سببیت'' بتلانے کے لئے آیا ہے کہ تمہارے سبب سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں، اس سے نہ صرف انسان کے لئے ان چیزوں کے حلال ہونے پر کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے نہ حرام ہونے پر؛ بلکہ حلال وحرام کے احکام جداگانہ قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں انہیں کا اتباع لازم ہے۔

(معارف القرآن ۱۔۱۷۴۔تفسیرات احمدیہ ص۔۱۴)

دستور مملکت کے چند دفعات کا ثبوت

واذقال ربک للملائکہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعلوا فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون (۳۰)

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کہ قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے تیری خوبیاں اور یاد کرتے رہتے ہیں تیری پاک ذات کو فرمایا بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے (۳۰)

(معارف القرآن ا ج۔ص ۱۷۵)

خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے جو ارشاد فرمایا کہ میں زمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں اپنا نائب بنانے والا ہوں اس سے دستور مملکت کی چند دفعات پر روشنی پڑھتی ہے (۱) اول یہ کہ آسمان اور زمین مین اقتدار اعلی اللہ جل مجدہ کا ہے (۲) دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ تعالی کے احکام کی تنفیذ کے لئے اس کا نائب وخلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح کیا کہ خلافت الٰہیہ کا سلسلہ جب آنحضرت ﷺ پر ختم ہو گیا تو اب خلافۃ رسول ﷺ کا سلسلۃ اس کے قائم مقام ہوا اور اس خلیفۃ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔

(معارف القرآن ج ۱۔۱۸۶) المستفاد من احکام القرآن قرطبی ج ۱۔ ۱۸۲)

خلافت ارض کا مسئلہ

"وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ"

(البقرہ:۳۰)

ترجمہ: اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خون ریزیاں کریں گے، اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔ (معارف القرآن ۱/۱۷۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

زمین کا انتظام اور اس میں خدا کا قانون نافذ کرنے کے لئے اس کی طرف سے کسی نائب کا مقرر ہونا جو ان آیات سے معلوم ہوا اس سے دستور مملکت کا اہم باب نکل آیا کہ اقتدارِ اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں۔

"ان الحکم الا للہ۔ و لہ ملک السمٰوٰت و الارض۔ اور الا لہ الخلق و الامر وغیرہ زمین کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نائب آتے ہیں، جو باذن خداوندی زمین پر سیاست وحکومت اور بندگانِ خدائے تعالی کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے اور احکامِ الٰہیہ کو نافذ کرتے ہیں اس خلیفہ و نائب کا تقرر بلا واسطہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں کسی کے کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں، اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں، جس کو کوئی اپنی سعی و عمل سے حاصل کر سکے؛ بلکہ حق تعالیٰ ہی خود اپنے علم وحکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کے لئے چُن لیتے ہیں، جن کو اپنا نبی و رسول یا خلیفہ و نائب قرار دیتے ہیں، قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"اللہ یصطفی من الملٰئکۃ رسلا و من الناس ان اللہ سمیع بصیر۔"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے اپنے رسول کو اور انسانوں میں سے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے: "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔"

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کس کو عطا فرماویں۔

یہ خلیفۃ اللہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں، یہ سلسلۂ خلافت و نیابتِ الٰہیہ کا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا، یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔

(معارف القرآن ا / ۱۸۳، احکام القرآن قرطبی ا / ۱۸۲ تفسیر مظہری جدید ا / ۶۷ تفسیر ابی السعود ا / ۶۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نظامِ خلافت

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ خلافت و نیابت تا قیامت ہے، اس لئے قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس زمین پر خلیفۃ اللہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نظام عالم کے لئے جو نائب ہوگا وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہوگا۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون"۔ (بخاری و مسلم)

نبی اسرائیل کی سیاست وحکومت ان کے انبیاء کرتے تھے ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا اور خبردار ہو کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں میرے خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

(معارف القرآن ا / ۱۸۵، حکام القرآن جصاص ا / ۳۶)((تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۹۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

واضعِ لغت خود حق تعالیٰ ہیں

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"۔(البقرہ: ۳۱)

ترجمہ: اور سکھلا دیئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتلاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو۔

تفسیر

اس قصہ آدم علیہ السلام اور تعلیمِ اسماء کے واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زبان اور لغت کے اصل واضع خود حق سبحانہ وتعالیٰ ہیں، پھر اس میں مخلوق کے استعمالات سے مختلف صورتیں اور مختلف زبانیں پیدا ہو گئیں، امام شعری نے اسی آیت سے استدلال کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو واضعِ لغت قرار دیا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۱۸۲) احکام القرآن جصاص ج ۱۔۳۶)

انسان کا ایمان وہی معتبر ہے جو آخر عمر اور اول منازل آخرت تک رہے

"وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ۔(البقرہ: ۳۴)

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں سے۔

(معارف القرآن ۱/ ۱۸۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

مفتی شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ روح المعانی میں اس سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ انسان کا ایمان وہی معتبر ہے جو آخر عمر اور اول منازلِ آخرت تک ساتھ رہے، موجودہ ایمان وعمل اور علم ومعرفت پر غرہ نہ ہونا چاہیئے۔

(روح المعانی۔ معارف القرآن ۱/ ۱۹۰۔ تفسیر ابن کثیر ص، ۱۰۰)

سجدۂ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا اسلام میں ممنوع ہے

”وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (البقرہ: ۳۴)

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں سے۔

(معارف القرآن ۱/ ۱۸۷)

تفسیر

اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے۔

”وخروا له سجدا“ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں ہوسکتا کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک وکفر ہے جس میں یہ احتمال ہی نہیں کہ کسی وقت کسی شریعت میں جائز ہوسکے اس کے سوا کوئی احتمال نہیں کہ قدیم انبیاء کے زمانے میں سجدے کا بھی وہی درجہ ہوگا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، معانقہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانے کا ہے۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں یہی فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا، شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گیا، اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی، رکوع، سجدہ اور ہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دے دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ۱/۷۷، معارف القرآن ۱/۱۸۸، احکام القرآن جصاص ۱/۳۷ مکتبہ شیخ الہند دیوبند)

خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ اور یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ جو قرآن میں مذکور ہے، یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو ان کی شریعت میں سلام، مصافحہ اور دست بوسی کا درجہ رکھتا تھا، اور جائز تھا شریعت محمدیہ کو کفر و شرک کے شائبہ سے بھی پاک رکھنا تھا، اس لئے اس شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔

(معارف القرآن ۱/۱۸۹، احکام القرآن قرطبی ۱/۲۰۱، المستفاد احکام القرآن تھانوی ۱/۲۱)

”وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ“۔ (البقرہ:۳۵)

ترجمہ: ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بی بی بہشت میں پھر کھاؤ دونوں اس سے بافراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں۔ (معارف القرآن ۱/۱۹۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

آیات مذکورہ سے متعلقہ مسائل واحکام شرعیہ

''اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَنَّةَ''۔میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام دونوں کے لئے جنت کو مسکن بنانے کا ارشاد ہے جس کو مختصر لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے'' اسکنا الجنۃ'' یعنی آپ دونوں جنت میں رہیں جیسا کہ اس کے بعد کُلا اور لا تقربا میں دونوں کو ایک ہی صیغہ میں جمع کیا گیا ہے؛ مگر یہاں اس کے خلاف ''انت وزوجک'' کے الفاظ اختیار کرنے میں مخاطب صرف حضرت آدم کو قرار دیا اور انہی سے فرمایا کہ آپ کی زوجہ بھی جنت میں رہے اس میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے

(۱) مسئلہ: اول یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے جس مکان میں شوہر رہے اس میں اس کو رہنا چاہئے۔(معارف القرآن ۱/ ۱۹۴)

مسئلہ سدِ ذرائع

جو حلال کام حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی ممنوع ہوتا ہے

''وَ لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ''(البقرۃ:۳۵)

یعنی اس درخت کے قریب بھی نہ جاؤ۔ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس درخت یا اس کے پھل کو نہ کھاؤ؛ مگر احتیاطی حکم یہ دیا گیا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ اس سے اصولِ فقہ کا مسئلہ سد ذرائع ثابت ہوا یعنی بعض چیزیں اپنی ذات میں ناجائز یا ممنوع نہیں ہوتیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن جب یہ خطرہ ہو کہ ان چیزوں کے اختیار کرنے سے کسی حرام ناجائز کام میں مبتلا ہوجائے گا تو اس جائز چیز کو بھی روک دیا جاتا ہے، جیسے درخت کے قریب جانا ذریعہ بن سکتا تھا اس کے پھل پھول کھانے کا اس ذریعہ کو بھی منع فرما دیا گیا اسی کا نام اصولِ فقہ کی اصطلاح میں سدِ ذرائع ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۱۹۵، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۴۰)

آسمانی ہدایت پر عمل کرنے والوں کے لئے دو انعام

"فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ"۔(البقرہ:۳۸)

اس آیت میں آسمانی ہدایات کی پیروی کرنے والوں کے لئے دو انعام مذکور ہیں:

(۱) ایک یہ کہ کوئی خوف نہ ہوگا۔

(۲) دوسرے وہ غمگین نہ ہوں گے۔(معارف القرآن ۱/ ۲۰۲)

اس آیت میں اللہ والوں سے خوف وغم کی نفی کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی کسی تکلیف یا کسی خواہش ومراد پر ان کو خوف وغم نہ ہوگا، آخرت کی فکر وغم اور اللہ جل شانہ کی ہیبت وجلال تو ان پر اور سب سے زیادہ ہوتی ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں یہ آیا ہے کہ آپ اکثر غمگین اور متفکر رہتے تھے۔

وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ فکر وغم کسی دنیوی نعمت کے فوت ہونے یا کسی مصیبت کے خطرہ سے نہیں؛ بلکہ اللہ جل شانہ کی ہیبت وجلال سے اور امت کے حالات کی وجہ سے تھا۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۰۲، ۲۰۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایفائے عہد واجب اور عہد شکنی حرام ہے

"یٰبَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِکُمۡ وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ"۔ (البقرہ: ۴۰)

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے عہد کو پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو اور صرف مجھ سے ہی ڈرو۔

(معارف القرآن ۱ / ۲۰۴)

تفسیر

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ عہد و معاہدے کو پورا کرنا ضروری ہے اور عہد شکنی حرام ہے سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ مضمون آیا ہے۔

"اوفوا بالعقود"۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عہد شکنی کرنے والوں کو جو سزا آخرت میں ملے گی اس سے پہلے ہی ایک سزا یہ دی جائے گی کہ محشر کے میدان میں جہاں تمام اولین و آخرین کا اجتماع ہوگا عہد شکنی کرنے والے پر ایک جھنڈا بطور علامت کے لگا دیا جائے گا اور جیسی بڑی عہد شکنی کی ہے اتنا ہی یہ جھنڈا بلند ہوگا اس طرح ان کو میدانِ حشر میں رسوا اور شرمندہ کیا جائے گا۔" صحیح مسلم و بخاری عن سعید"

(معارف القرآن ۱ / ۲۰۷) (تفسیر مظہری جلد ۱ ص ر ۹۰)

جو شخص کسی گناہ یا ثواب کا سبب بنتا ہے اس پر بھی کرنے والوں کا گناہ یا ثواب لکھا جاتا ہے

وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمۡ وَلَا تَکُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ کَافِرٍۭ بِهٖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا

toobaa-elibrary.blogspot.com

بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ"۔(البقرہ: ۴۱)

ترجمہ: اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے ایسی حالت میں کہ وہ سچ بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے اور مت بنو تم پہلے انکار کرنے والے اس قرآن کے اور مت لو بمقابلہ میرے احکام کے معاوضہ حقیر اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۰۴)

"اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ"۔ کافر ہونا خواہ سب سے پہلے ہو یا بعد میں بہرحال انتہائی ظلم اور جرم ہے مگر اس آیت میں یہ فرمایا کہ پہلے کافر نہ بنو، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص اول کفر اختیار کرے گا تو بعد میں اس کو دیکھ کر جو بھی کفر میں مبتلا ہوگا اس کا وبال جو اس شخص پر پڑے گا اس پہلے کافر پر بھی اس کا وبال آئے گا اس طرح یہ پہلا کافر اپنے کفر کے علاوہ بعد کے لوگوں کے کفر کا سبب بن کر ان سب کے وبال کفر کا بھی ذمہ دار ٹھہرے گا اور اس کا عذاب چند در چند ہو جائے گا۔

تفسیر

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دنیا میں دوسروں کے لئے کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے تو جتنے آدمی اس کے سبب سے مبتلائے گناہ ہوں گے ان سب کا گناہ ان لوگوں کو بھی ہوگا اور اس شخص کو بھی، اسی طرح جو شخص دوسروں کے لئے کسی نیکی کا سبب بن جائے تو جتنے آدمی اس کے سبب سے نیک عمل کریں گے اس کا ثواب جیسا ان لوگوں کو ملے گا ایسا ہی اس شخص کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث میں یہ مضمون بار بار آیا ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۰۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تلبیس حق بالباطل کا حکم

"وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا"۔(البقرہ:۴۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں قیمت لینے کی ممانعت کا مطلب وہی ہے جو آیت کے سباق وسیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی مرضی اوران کی اغراض کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطلب غلط بتلا کر یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لئے جائیں یہ فعل باجماع امت حرام ہے۔

(معارف القرآن ۱/۲۰۷،المستفادمن احکام القرآن قرطبی ۱/۲۲۹،تفسیرابی السعود ۱/۷۷)

تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے

رہا یہ معاملہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی آیات صحیح صحیح بتلا کر یا پڑھا کر اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟اس کا تعلق آیت مذکورہ سے نہیں،خود یہ مسئلہ اپنی جگہ قابلِ غوروبحث ہے کہ تعلیمِ قرآن پر اجرت ومعاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟فقہاءامت کا اس میں اختلاف ہے:

امام مالک،شافعی،احمد بن حنبل جائز قرار دیتے ہیں اورامام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ منع فرماتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ذریعہ کسب معاش کا بنانے سے منع فرمایا ہے۔

لیکن متأخرین حنفیہ نے بھی جب ان حالات کا مشاہدہ کیا کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گذارہ ملا کرتا تھا اب ہر جگہ اسلامی نظام میں فتور کے سبب ان معلمین کو عموماً کچھ نہیں ملتا یہ اگر اپنے معاش کے لئے کسی محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں تو بچوں کو تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہوجائے گا کیونکہ وہ دن بھر کا مشغلہ چاہتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اس لئے تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ آج کل اسی پر فتویٰ دینا چاہئے کہ تعلیم قرآن پر اجرت و تنخواہ لینا جائز ہے۔

صاحب ہدایہ کے بعد آنے والے دوسرے فقہاء نے بعض ایسے ہی دوسرے وظائف جن پر تعلیم قرآن کی طرح دین کی بقاء موقوف ہے مثلاً امامت واذان اور تعلیم حدیث وفقہ وغیرہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر کے ان کی بھی اجازت دی۔" درمختار، شامی"

(معارف القرآن ۱/ ۲۰۸)((تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۵)

ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن پر اجرت لینا بالاتفاق جائز نہیں

علامہ شامیؒ نے درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ" شفاء العلیل" میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کردی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے اس لئے اس کو ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے اس لئے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرنا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدار نہیں، اور اجرت لے کر پڑھنا حرام ہوا تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہگار ہوئے اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچے گا؟

علامہ شامیؒ نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات" تاج الشریعۃ"" عینی شرح ہدایہ حاشیہ خیر الدین"" بحر الرائق" وغیرہ سے نقل کی ہیں اور خیر الدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے قبر پر اذان پڑھنا یا اجرت دے کر ختم قرآن کرنا صحابہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرام رضی اللہ عنہم وتابعین اور اسلاف امت سے کہیں منقول نہیں اس لئے بدعت ہے۔

شامی ۱/ ۴۷۔(معارف القرآن ۱/ ۲۰۸)(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۶)

حق بات کو چھپانا اور اس میں خلط ملط کرنا حرام ہے

”وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“ (البقرہ: ۴۲)

ترجمہ: اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۰۳)

تفسیر

آیت ”وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ“ الخ سے ثابت ہوا کہ حق بات کو غلط باتوں کے ساتھ گڈ مڈ کر کے اس طرح پیش کرنا جس سے مخاطب مغالطہ میں پڑ جائے جائز نہیں، اس طرح کسی خوف یا طمع کی وجہ سے حق بات چھپانا بھی حرام ہے، مسئلہ واضح ہے اس میں کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں حق کو چھپانے سے پرہیز کرنے کا ایک واقعہ اور مفصل مکالمہ حضرت ابوحازم تابعی اور خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا نقل کیا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۰۸، تفسیر ابن کثیر اردو ۱/ ۱۰۶، توضیح القرآن ۱/ ۶۰)

بے عمل واعظ کی مذمت

”اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ“۔

(البقرہ: ۴۴)

کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۱۲)

اس آیت میں خطاب اگر چہ علمائے یہود سے ہے ان کو ملامت کی جارہی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ تلقین کرتے تھے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پیروی کرتے رہو، اور دین اسلام پر قائم رہو (جو علامت ہے اس بات کی کہ علمائے یہود دین اسلام کو یقینی طور پر حق سمجھتے تھے) مگر خود نفسانی خواہشات سے اتنے مغلوب تھے کہ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے لیکن معنی کے اعتبار سے یہ ہر اس شخص کی مذمت ہے جو دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے مگر خود عمل نہ کرے دوسروں کو خدا سے ڈرائے مگر خود نہ ڈرے ایسے شخص کے بارے میں احادیث میں بڑی ہولناک وعیدیں آئی ہیں حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میرا گذر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کترے جارہے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ آپ کی امت کے دنیادار واعظ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے تھے مگر اپنی خبر نہ لیتے تھے۔''ابن کثیر''۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۱۸، المستفاد من قرطبی ۱/ ۲۴۸)

کلام اللہ میں لفظی تغیر و تبدل کا حکم شرعی

''فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ''۔ (البقرہ: ۵۹)

ترجمہ: سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی اس پر ہم نے نازل کی ان ظالموں پر ایک سماوی آفت اس وجہ سے کہ وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عدول حکمی کرتے تھے۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۳۱)

تفسیر

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس شہر میں (حطۃ) یعنی توبہ توبہ کہتے ہوئے داخل ہوں، انہوں نے شرارت سے ان الفاظ کو بدل کر حنطۃ کہنا اختیار کیا، اس کی وجہ سے ان پر آسمانی عذاب نازل ہوا، یہ الفاظ کی تبدیلی ایسی تھی کہ جس میں صرف الفاظ ہی نہیں بدلے؛ بلکہ معنی بھی بالکل الٹ گئے، حطۃ کے معنی توبہ یعنی گناہوں کو نظر انداز کرنے کے تھے، اور حنطۃ کے معنی گندم کے ہیں، جس کا کلمہ مامور بہا سے کوئی تعلق نہیں، الفاظ کی ایسی تبدیلی خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں، یا اور کسی امر الٰہی میں بلا شبہ اور بالاتفاق حرام ہے؛ کیونکہ یہ ایک قسم کا استہزاء یا تحریف ہے، اسی پر یہ عذاب نازل ہوا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ معنی اور مقصود کو محفوظ رکھتے ہوئے صرف الفاظ کی تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا ہے کہ بعض کلمات اور اقوال میں معنی کی طرح الفاظ بھی مقصود اور اداءِ عبادت کے لئے ضروری ہوتے ہیں ایسے اقوال میں لفظی تبدیلی بھی جائز نہیں، جیسے اذان کے الفاظ مقررہ کے بجائے اسی معنی کے دوسرے الفاظ پڑھنا جائز نہیں اسی طرح نماز میں جو دعائیں مثلاً ''سبحانک اللھم'' التحیات، دعائے قنوت، یا تسبیحات رکوع وسجود، جن الفاظ سے منقول ہیں انہی الفاظ میں ادا کرنا ضروری ہے، دوسرے الفاظ میں اگرچہ معنی وہی محفوظ بھی رہیں مگر تبدیلی جائز نہیں۔

اسی طرح تمام قرآن کریم کے الفاظ کا یہی حکم ہے کہ تلاوت قرآن سے جو احکام متعلق

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں وہ صرف انہی الفاظ کے ساتھ ہیں جو قرآن کریم کے نازل ہوئے ہیں، اگر کوئی ان الفاظ کا ترجمہ دوسرے لفظوں میں کر کے پڑھے جس میں معنی بالکل محفوظ رہیں اس کو اصطلاح شریعت میں تلاوت قرآن نہ کہا جائے گا اور نہ اس پر وہ ثواب حاصل ہوگا جو قرآن پڑھنے پر مقرر ہے کہ ایک حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں کیونکہ قرآن صرف معنی کا نام نہیں بلکہ معنی اور الفاظ نازل شدہ کے مجموعہ کو قرآن کہا جاتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۳۲، المستفاد من احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۸، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۲۱، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۶، احکام القرآن قرطبی ۱/ ۲۸۲)

دینی معاملات میں کوئی ایسا حیلہ جس سے اصل حکم شرعی باطل ہوجائے حرام ہے

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (۶۵)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ" (البقرہ: ۶۶)

ترجمہ: اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے کہ ہوجاؤ بندر ذلیل، پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے ہے۔

تفسیر

اس آیت میں یہودیوں کے جس اعتداء یعنی حدود سے تجاوز کا ذکر کر کے اس کو سببِ عذاب بتلایا گیا ہے، روایات سے ثابت ہے کہ وہ صاف طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ تھی؛ بلکہ ایسے حیلے تھے جن سے حکم شرعی کا ابطال لازم آتا تھا، مثلاً ہفتہ کے دن مچھلی کی دم

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ایک ڈور کا پھندلگا کر دریا میں چھوڑ دیا، اور یہ ڈور زمین پر کسی چیز سے باندھ دی پھر اتوار کے دن اس کو پکڑ کر کھالیا، تو یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس میں حکم شرعی کا ابطال بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہے، اس لئے ایسا حیلہ کرنے والوں کو بڑا سرکش نافرمان قرار دے کر ان پر عذاب آیا۔

مگر اس سے ان فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن میں سے بعض خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائے ہیں مثلاً ایک سیر عمدہ کھجور کے بدلے میں دو سیر خراب کھجور خریدنا سود میں داخل ہے مگر اس سے بچنے کا ایک حیلہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتلایا کہ جنس کا تبادلہ جنس سے نہ کرو، قیمت کے ذریعہ خرید وفروخت کرلو، مثلاً دو سیر خراب کھجوریں دو درہم میں فروخت کر دیں، پھر ان دو درہموں میں سے ایک سیر عمدہ کھجور خرید لی، تو یہاں حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے ابطال نہ مقصود ہے، نہ واقع ہے، اسی طرح بعض دوسرے مسائل میں بھی فقہاء نے حرام سے بچنے کی بعض ایسی ہی تدبیریں بتلائیں، ان کو یہودیوں کے حیلوں کی طرح کہنا اور سمجھنا غلط ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۴۲، ۲۴۳، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۹، تفسیر ابن کثیر اردو ۱/ ۱۲۷)

جواز اجتہاد قرآن سے ثابت ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ" بقرہ: (٦٨)

ترجمہ: جواز اجتہاد پر دلالت کرتا ہے، احکام میں غالبِ ظن کا اعتبار کیا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جگہ جو حکم فرمایا لا فارض ولا بکر عوان بین ذٰلک کہ وہ گائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہ فارض ہو یعنی بہت بوڑھی اور نہ بکر ہو یعنی بالکل جوان، اور یہ بات اجتہاد ہی سے معلوم ہوسکتی ہے اس لئے یہ آیت جواز اجتہاد پر دلالت کرتی ہے۔

والسادس دلالة قوله " لَا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ "علق جواز الاجتهاد استعمال غالب الظن فى الاحكام اذ لا يعلم انها بين البكر والفارض إلا من طريق الاجتهاد۔ (احکام القرآن جصاص ۱/۴۱)

والدین اور دیگر اقرباء وغیرہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

" وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ "۔ (البقرہ: ۸۳)

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہی ہو پھرنے والے۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۵۳)

مسئلہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ احکام اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں، جن میں توحید، والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت، اور تمام انسانوں کے ساتھ گفتگو میں نرمی و خوش خلقی کرنا اور نماز اور زکوۃ سب داخل ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۵۳، تفسیر ابن کثیر اردو ۱/ ۱۳۷، ۱۳۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

بندہ کی اللہ تعالیٰ سے عداوت کی پہچان کا معیار

”قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۹۷) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰئلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ“۔(البقرہ:۹۸)

ترجمہ: تو کہہ دے جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اُتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتلانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے، اور راہ دکھاتا ہے اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو، جو کوئی ہوئے دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۶۷)

اللہ تعالیٰ کا قول:”من کان عدوا للہ“شرط، اور جواب شرط” فان اللہ عدو للکفرین“ ہے، اور یہ وعید ہے اور برائی ہے جبرئیل علیہ السلام کے دشمنوں کی، اور یہ اس بات کا اعلان ہے بعض لوگوں کا عداوت کرنا اللہ کی عداوت کا ذریعہ ہے، اور بندہ کی اللہ سے عداوت اللہ کی معصیت کرنا ہے اور اللہ کی اطاعت سے پرہیز کرنا اور دور رہنا ہے اور اللہ کے اولیاء سے دشمنی کرنا ہے، اور اللہ کی عداوت بندہ کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ اس کو عذاب میں رکھے اور عداوت کے اثر کو اس پر ظاہر کرے۔

(تفسیر قرطبی ۲/ ۲۶ دار الکتب العلمیہ بیروت، تفسیر ابن کثیر اردو ۱/ ۱۴۸، ۱۴۹)

کیا حقیقت میں جادو اور سحر کی کوئی حقیقت اور تاثیر ہے یا نہیں؟

”وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ ھَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ" فَلَا تَکْفُرْ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْھُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّھُمْ وَلَا یَنْفَعُھُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (آیت ۱۰۲) وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ"

(بقرہ:۱۰۳)

ترجمہ: اور یہ (بنی اسرائیل) ان (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، اور سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا تھا البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے، نیز (یہ بنی اسرائیل) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی، یہ دو فرشتے کسی کو اس وقت تک کوئی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیں کہ "ہم محض آزمائش کے لئے (بھیجے گئے) ہیں، لہٰذا تم (جادو کے پیچھے لگ کر) کفر اختیار نہ کرنا" پھر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیزیں سیکھتے تھے جس کے ذریعے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی کریں، (ویسے یہ واضح رہے کہ) وہ اس کے ذریعے کسی کو اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، (مگر) وہ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کے لئے نقصان دہ تھیں، اور فائدہ مند نہ تھیں، اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص ان چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بری تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں، کاش کہ ان کو (اس بات کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقیقی) علم ہوتا (۱۰۲) اور (اس کے برعکس) اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے ملنے والا ثواب یقیناً کہیں زیادہ بہتر ہوتا، کاش ان کو (اس بات کا بھی حقیقی) علم ہوتا۔ (توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن، بقرہ: ۱۰۳)

کیا واقع میں جادو کی کوئی حقیقت اور تاثیر ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں دو مذہب ہے۔

(۱) جمہور اہل سنت الجماعت کا مسلک یہ ہے کہ جادو کی حقیقت ہے اور اس کی تاثیر بھی ہے۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے، وہ محض دھوکہ اور نظر بندی اور شعبدہ ہے اور اس کی قسمیں ہیں۔

جمہور اہل سنت الجماعت کے دلائل

جمہور نے قرآن پاک کی متعدد آیات سے استدلال کیا ہے، وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) باری تعالیٰ کا قول: ”سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاؤا بسحر عظیم“

(۲) باری تعالیٰ کا قول: ”فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْھُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِہٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ“

(۳) باری تعالیٰ کا قول: ”وَمَا ھُمْ بِضَآرِّیْنَ بِہٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ“

(۴) باری تعالیٰ کا قول: ”وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ“

میں پہلی آیت ” فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْھُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِہٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِہٖ “ جادو کی حقیقت کو ثابت کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ باری تعالیٰ کا قول ”واَسترھبوھم وجاؤا بسحر عظیم“ کی دلیل سے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری آیت نے ثابت کر دیا کہ جادو وہ حقیقی تھا کہ جس کے ذریعہ وہ قادر ہوئے کہ عورت اور مرد کے درمیان تفریق ڈالیں اور زوجین کے درمیان بغض وعداوت پیدا کرے، پس یہ بات بھی جادو کے اثر اور اس کی حقیقت پر دلالت کرتی ہے۔

تیسری آیت نے جادو سے ضرر ہوتا ہے ثابت کیا ہے لیکن وہ ضرر بھی اللہ کی مشیت سے متعلق ہوتا ہے۔

اور چوتھی آیت دلالت کرتی ہے سحر کا اثر عظیم ہوتا ہے۔ ''**وجاؤا بسحر عظیم**'' اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''ہم کو حکم دیا کہ وہ جادوگر کے شر سے پناہ مانگنے وہ بھی جادوگر جو گرہوں میں پھونک مارتے ہیں۔

نیز جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جادو کی وجہ سے کئی دن بیمار رہے۔

پس کچھ دنوں کے بعد حضرت جبرئیلؑ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا کہ تم پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے، تمہارے بالوں میں گانٹھ اور گرہ باندھی اور فلاں کنواں میں رکھا ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو نکالنے کے لئے بھیجا، پس وہ بال نکال لئے اور گرہیں کھولی گئی، پس آپ صحت یاب ہو گئے۔

(روائع البیان ج۱ ص ۷۴، ۷۵)

ترجیح:

جمہور کے دلائل میں قوت ہے اور صحیح بھی ہے، کیونکہ جادو کی حقیقت ہے اور اس کی وجہ سے نفس میں تاثیر ہوتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پس زوجین میں بغض عداوت ڈالنا اور تفریق پیدا کرنا اس کو قرآن نے بتلا دیا ہے اور یہ جادو کا اثر ہے اور اگر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو قرآن میں معوذات نازل نہ ہوتی تھی جادو گروں سے تعوذ کا حکم نہ ہوتا۔

اور دوسری بات یہ کہ جادو یہ ارواح شیطانیہ کے استعانت کے ذریعہ کیا جاتا ہے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے لیکن اس کا اثر بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہوسکتا اور یہ بھی اسباب ظاہرہ میں سے ایک سبب ہے اور وہ بھی مسبب الاسباب کے مشیت پر موقوف ہے۔

(روائع البیان ج ا، ص ۷۵)(تفسیر ابن کثیر ج ا ر ص ۱۶۰)

جادو کبیرہ گناہ ہے

"اجتنبوا السبع الموبقات، قالوا ماھی یا رسول اللہ ﷺ، قال الشرک باللہ والسحر وقتل النفس انما حرم اللہ الا بالحق واکل الربو واکل مال الیتیم والفرار یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المؤمنات"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچو اور پرہیز کرو سات چیزوں سے جو ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں اور ان میں سے ایک جادو کا ذکر بھی فرمایا۔ روائع البیان ج ا۔ ۷۸)۔

کیا ساحر کو قتل کیا جائے گا؟

علامہ ابوبکر جصاص رحؒ نے فرمایا کہ سلف نے ساحر کے قتل کے وجوب کے بارے میں اتفاق کیا ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کی کہ

"من اتی کاھنا او عرافا او ساحر افصدّقہ بما یقول فقد کفر انزل علی محمد"

جو کاہن یا عراف یا ساحر کے پاس جاتا ہے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے پس

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس نے کفر کیا اس وحی سے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری۔

(احکام القرآن جصاص ج ا، ص ۵۹، ۶۰)

ائمہ کے درمیاں اس سلسلہ میں اختلاف ہے

(۱) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ساحر کو قتل کیا جائے گا جب یقیناً معلوم ہو جائے کہ وہ ساحر ہی ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اگر چہ وہ یہ کہے کہ میں نے جادو کو ترک کیا اور میں سحر سے توبہ کرتا ہوں، پس جب وہ یہ اقرار کرے کہ وہ جادوگر ہے تو اس کا خون حلال ہے۔

اسی طرح مسلمان غلام اور آزاد ذمی جب اقرار کرے کہ وہ ساحر ہے تو اس کا خون حلال ہے۔

(احکام القرآن جصاص ج ا، ص ۶۰)

(۲) امام مالکؒ نے فرمایا جب مسلمان جادو کا عمل کرے اور جادوگر بن جائے تو اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ جب مسلمان باطنی طور پر مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ اسلام کے ظاہر کرنے سے پہچانی نہیں جائے گی۔

ہاں اہل کتاب کے ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا امام مالکؒ کے نزدیک، ہاں اگر مسلمانوں کو نقصان پہونچاتا ہے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

(۳) امام شافعیؒ نے فرمایا ساحر کو سحر کی وجہ سے کافر نہیں کہا جائے گا، ہاں اگر اس نے اپنے سحر کے ذریعہ کسی کو قتل کیا اور اس نے کہا میرے سحر سے آدمی کو قتل کیا جا سکتا ہے اور اس نے سحر سے فلاں کو قتل کیا ہے تو اس ساحر کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا۔

اور اگر وہ کہے کہ اس سحر سے یقیناً قتل نہیں ہوتا ہے کبھی اس سے قتل ہوتا ہے اور کبھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

خطا بھی ہوتا ہے یعنی کبھی قتل نہیں بھی ہوتا ہے تو اس سحر کی وجہ سے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور اس میں دیت واجب ہوگی (احکام القران جصاص ج ا۔ ٦٦)

(۴) امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک سحر کی وجہ سے کافر کہا جائے گا چاہے اس نے سحر سے قتل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

توبہ کے بارے میں امام احمدؒ کے دو قول ہیں، توبہ قبول کی جائے گی، دوسرا قول توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اہل کتاب کا ساحر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا وہ اگر مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچائے اگر نقصان پہونچاتا ہے تو قتل کیا جائے گا۔

(روائع البیان ج ا، ص ۷۹، احکام القرآن جصاص ج ا، ص ٦۵) (تفسیر ابن کثیر ج ا ر ص ۱٦۰)

سحر سے متعلق تفصیلات

قرآن وسنت میں جس کو سحر کہا گیا ہے وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا، اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کچھ اقوال یا اعمال کفر وشرک کے اختیار کئے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر وشرک کے اقوال افعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر کفر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس سحر میں کوئی عمل کفر اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ واستمداد یا کواکب کی تاثیر کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت کا دعویٰ وغیرہ کرنا تو یہ سحر بالاجماع کفر ہے اور جس میں یہ افعال کفر نہ ہو مگر معاصی کا ارتکاب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(معارف القرآن ج ا، ص ۲۷۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

سحر سے متعلق چند ضروری اہم احکام

(۱) جب معلوم ہو گیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا، اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا، البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لئے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔

(شامی، عالمگیری)

(۲) تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات وشیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں، اور حرام ہیں، اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنیٰ معلوم نہ ہوں، اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

(معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۹، (۲۲۲)، بیان القرآن ج ۱ ص ۶۴ تھانوی دیوبند)

(۳) قرآن وسنت کی اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی اگر ان میں بھی کفر وشرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہیں۔

(۴) اور اگر خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہے تو اِس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

(۵) اگر قرآن و حدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں، مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے، اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیاتِ قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔

''فتاویٰ قاضی خان، شامی''۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۲۷۹، ۲۸۰،

مستفاد بیان القرآن ج ۱ ص ۶۴ تھانوی دیوبند)

toobaa-elibrary.blogspot.com

جو جائز فعل ناجائز فعل کا سبب بنے وہ جائز نہیں

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ"

(البقرہ: ۱۰۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو، اور کافروں کو عذاب ہے دردناک۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۸۰)

مسئلہ:

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا، جیسے اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا، بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۲۸۰، المستفاد من احکام القرآن تھانوی ۱/ ۵۴، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۴۰، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۳۲، احکام القرآن جصاص ۱/ ۷۰)

علامہ جصاص نے فرمایا:

فھذا یدل علی ان کل لفظ احتمل الخیر و الشر فغیر جائز اطلاقه حتی یقید بما یفید الخیر ویدل علی ان الھزل محظور فی الدین و کذلک اللفظ المحتمل له و لغیرہ ھو محظور و اللہ اعلم۔ بمعانی کتابه۔

(احکام القرآن جصاص ۱/ ۷۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن میں نسخ ہے یا نہیں؟

”مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ

(البقرہ:۱۰۶)

ترجمہ: ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں، کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن، بقرہ:۱۰۶)

نسخ کے بارے میں اختلاف

(۱) بعض متاخرین نے کہا ہے کہ نسخ جائز نہیں ہے، نسخ کے عدم جواز پر کوئی مضبوط دلیل موجود نہیں ہے۔

(۲) جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک نسخ جائز ہے، جواز نسخ پر بہت دلائل موجود ہے۔اس میں سے بعض دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

۱ باری تعالیٰ کا قول ”مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَا“ یہ آیت نسخ کے بارے میں صریح ہے۔

۲ باری تعالیٰ کا قول ”واذا بدلنا أیۃ مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر“ یہ آیت نسخ کے جواز کے بارے میں بہت ہی زیادہ واضح ہے۔

(روائع البیان ج۱ص ۹۴،معارف القرآن ج۱ص ۲۷۶)

۳ باری تعالیٰ کا قول ”سَيَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰٮهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِىۡ كَانُوۡا عَلَيۡهَا“

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا" قَدْنَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"

پس مسلمان نماز میں بیت المقدس کی طرف چہرہ کرتے تھے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مسجد حرام کی طرف نماز میں چہرہ کرنے کا حکم آ گیا۔

۴ پہلے اللہ تعالیٰ نے متوفی عنہا زوجہا کو ایک سال عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا قول" والذین یتوفون منکم ویزرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج"

پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور چار مہینہ دس دن عدت گزارنے کا حکم دیا گیا۔ باری تعالیٰ کا قول" والذین یتوفون منکم ویزرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر عشراً،

یہ حکم ناسخ ہے یہ آیات اور ان کے مانند کثیر آیات نسخ پر دلالت کرتی ہے پس وقوع نسخ سے انکار کی گنجائش بالکل نہیں ہے اس لئے تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نسخ کا حکم ثابت ہے، یہاں تک کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک واعظ سے انہوں نے پوچھا کہ کیا تو ناسخ اور منسوخ کو جانتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تو خود ہلاک ہو گیا اور تو نے لوگوں کو بھی ہلاک کیا۔

(روائع البیان ج ۱ص ۹۴، احکام القرآن جصاص ج ۱ص ۷۱)

نسخ کے حکم میں حکمت الٰہی

"ماننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر" (۱۰۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکمت نسخ پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی فوائد عثمانی میں تحریر

علامہ نے فرمایا۔ یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ ”تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔(فوائد عثمانی مع ترجمۂ شیخ الہندص ۲۰)

نسخ کی مزید وضاحت کامل برہان الٰہی سے

کامل برہانِ الٰہی میں تحریر ہے کہ نسخ کا حال طبیب کے حال جیسا ہے،اور نسخ کا معاملہ طبیب کے معاملہ کی طرح ہے،طبیب کے پیشِ نظر ہمیشہ لوگوں کے مزاج کے اعتدال کی حفاظت ہوتی ہے،مگر اشخاص واوقات سے طبیبی کی تجاویز مختلف ہوتی ہیں، جوان کے لئے الگ تجویز کرتا ہے اور بوڑھے کے لئے الگ وہ گرمیوں میں کھلی فضا میں سونے کی اجازت دیتا ہے کیونکہ اس وقت موسم میں اعتدال ہوتا ہے، نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے، نہ سردی، اور سردیوں میں وہ گھر کے اندر سونے کا مشورہ دیتا ہے، کیونکہ اس وقت باہر سخت سردی ہوتی ہے، جو صحت کے لئے مضر ہوتی ہے۔(کامل برہانِ الٰہی ج۱رص ۵۳۲، ۵۳۳) مکتبہ حجاز دیوبند ۔رحمۃ اللہ الواسعہ ج ۲رص۔۔[مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری] روح المعانی ج ۱رص، ۳۵۳)

مساجد کو منہدم کرنا اور مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام ہے

”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا

toobaa-elibrary.blogspot.com

اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔

(البقرۃ: ۱۱۴)

ملا جیون نے اس آیت سے مساجد کو منہدم کرنا اور مساجد میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام ثابت کیا ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ۲۶)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ماتحت فرمایا:

آیت سے متعلق چند ضروری مسائل واحکام

اس آیت سے جو چند ضروری مسائل واحکام نکلے، ان کی تفصیل یہ ہے:

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں، جیسے بیت المقدس، مسجد حرام یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی وعظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی و نیز بیت المقدس میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خاطر دور دراز ملکوں سے سفر کر کے پہنچنا موجبِ ثواب عظیم اور باعث برکات ہے برخلاف دوسری مساجد کے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کے لئے دور سے سفر کر کے آنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(معارف القرآن ۱/۲۹۹، احکام القرآن جصاص ۱/۷۴، احکام القرآن ابن عربی ۱/۳۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرا مسئلہ:

یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کر کے یا اس کے قرب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے، یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

اسی طرح اوقات نماز میں جبکہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں، مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے، تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے، اسی لئے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے، ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو، اس وقت ذکر یا تلاوت جہر کا مضائقہ نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔

تیسرا مسئلہ:

یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے، جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے، اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لئے لوگ نہ آئیں، یا کم ہو جائیں کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی دراصل در و دیوار یا ان کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نقش ونگار سے نہیں؛ بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔

اسی لئے قرآن شریف میں ایک جگہ ارشاد ہے:

"انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ و الیوم الاٰخر و اقام الصلوٰۃ و اٰتی الزکوٰۃ ولم یخش الا اللہ"

یعنی اصل میں مسجد کی آبادی ان لوگوں سے ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور روز قیامت پر اور نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔

اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قربِ قیامت میں مسلمانوں کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین وخوب صورت ہوں گی مگر حقیقتاً ویران ہوں گی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہوجائیں گے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شرافت وانسانیت کے چھ کام ہیں: تین حضر کے اور تین سفر کے، حضر کے تین کام یہ ہیں: تلاوت قرآن کرنا مسجدوں کو آباد کرنا، ایسے دوستوں کی جمعیت بنانا جو اللہ تعالیٰ اور دین کے کاموں میں امداد کریں۔ اور سفر کے تین کام یہ ہیں: اپنے توشہ سے غریب ساتھیوں پر خرچ کرنا، حسن خلق سے پیش آنا، اور رفقاء سفر کے ساتھ ہنسی خوشی، تفریح وخوش طبعی کا طرز عمل رکھنا بشرطیکہ یہ خوش طبعی گناہ کی حد میں داخل نہ ہوجائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں مسجدوں کے آباد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہاں خشوع وخضوع کے ساتھ حاضر بھی ہوں، اور وہاں حاضر ہوکر ذکر وتلاوت میں مشغول رہیں، اب اس کے مقابلہ میں مسجد کی ویرانی یہ ہوگی کہ وہاں نمازی نہ رہیں یا کم ہوجائیں، یا ایسے اسباب جمع ہوں جن سے خشوع وخضوع میں خلل آئے۔ (معارف القرآن ۱/ ۳۰۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اگر کوئی اپنے لڑکے کو غلام ہونے کی وجہ سے خریدے تو وہ لڑکا خریدتے ہی آزاد ہو جائے گا

”وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبۡحٰنَہٗ بَلۡ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوۡنَ“

(البقرہ:۱۱۶)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رکھتا ہے اولاد وہ تو سب باتوں سے پاک ہے، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اسی کے تابع ہے۔

ملا جیون نے قاضی بیضاوی کے حوالہ سے اس آیت سے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر والد اپنے لڑکے کو غلام ہونے کی وجہ سے خریدے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

”ان الولد یعتق علی الوالد، قال القاضی: واحتج بھا الفقھاء علی ان من ملک ولدہ عتق علیہ لانہ تعالیٰ نفی الولد باثبات الملک وذالک یقتضی تنافیھما ھذا لفظہ المشھور فی ذالک بین الفقھاء، قولہ علیہ السلام: من ملک ذارحم محرم عتق علیہ‘۔

(تفسیراتِ احمدیہ دیوبندیہ ۳۰، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۶۳)

عصمت انبیاء قرآن سے ثابت ہے

”قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ“۔

(البقرہ:۱۲۴)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ انبیاء بعثت سے پہلے بھی کبائر گناہ سے محفوظ اور معصوم رہتے ہیں؛ کیونکہ ہر گناہ ظلم ہے اور حد سے تجاوز کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے گناہوں کو ظلم

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا، اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتے ہیں اس کو ہر گناہ سے پہلے ہی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

احکام القرآن تھانوی میں ہے:

”دليل عصمة الانبياء عن الكبائر قبل النبوة وفيه دلالة على عصمة الانبياء عن الكبائر قبل البعثة لأن كل ذنب ظلم لأنه تجاوز عن الحق وتعد عليه و كثير من الذنوب يسمى ظلما فى الشرع نزلت الآية ان نيل النبوة لا يجامع الظلم السابق فاذا تحقق النيل كما فى الانبياء علم عدم اتصافهم حال النيل بالظلم السابق“۔

(احکام القرآن تھانوی ۱/ ۶۷،تفسیراتِ احمدیہ ص ۳۱)

طواف کے بعد کی دورکعت واجب ہے

”وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ‘

(البقرہ:۱۲۵)

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانۂ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطہ اور جگہ امن کی، اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔ (معارف القرآن ۱/ ۳۱۶)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں واجب ہیں۔

(جصاص و مناسک ملا علی قاری)

toobaa-elibrary.blogspot.com

البتہ ان دو رکعتوں کا خاص مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا سنت ہے اور حرم میں کسی دوسری جگہ بھی ادا کرے تو کافی ہوگا۔

(معارف القرآن ۱/۳۲۳، تفسیرات احمدیہ ۳۴، احکام القرآن تھانوی ۱/۷۰،۷۱)

”وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ“۔ (البقرہ:۱۲۵)

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانۂ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطہ اور جگہ امن کی، اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔

(معارف القرآن ۱/۳۱۶)

آیت سے متعلق چند احکام وفوائد

آیت کے ان کلمات سے چند احکام وفوائد حاصل ہوتے ہیں:

اول یہ کہ بناء بیت اللہ کا مقصد طواف، اعتکاف اور نماز ہے۔

دوسرے یہ کہ طواف نماز سے مقدم ہے۔ (کما روی عن ابن عباس)

تیسرے یہ کہ اطراف عالم سے جانے والے حجاج کے لئے طواب نسبت نماز کے افضل ہے۔

احکام القرآن قرطبی ۲/۷۷۔

چوتھے یہ کہ بیت اللہ کے اندر نماز علی الاطلاق جائز ہے فرض ہو یا نفل۔ جصاص۔

(معارف القرآن ۱/۳۲۴، احکام القرآن قرطبی ۲/۷۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حرم مکہ قیامت تک حرام ہے کسی کے لئے حلال نہیں ہوگا

”وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى“ الخ۔

آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے حرم مکہ کو جائے امن بنادیا ہے اور جائے امن بنادینے سے مراد لوگوں کو یہ حکم دینا ہے کہ حرم محترم کو عام قتل وقتال اور انتقام سے بالاتر رکھیں۔

(ابن عربی)

چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاتھ میں ملت ابراہیمی کو جو کچھ آثار باقی رہ گئے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ حرم میں اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی کسی کو ملتا تو انتقام نہیں لیتے تھے، اور عام جنگ وقتال کو بھی حرم میں حرام سمجھتے تھے، شریعت اسلام میں بھی یہ حکم اسی طرح باقی رکھا گیا، فتح مکہ کے وقت صرف چند گھنٹوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ارض حرم میں قتال کو جائز کیا گیا تھا مگر اسی وقت پھر ہمیشہ کے لئے حرام کردیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں اس کا اعلان فرمادیا۔

”صحیح بخاری“ (معارف القرآن ۱/ ۳۲۱)

اب رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص حرم کے اندر ہی کوئی ایسا جرم کرے جس پر حدود وقصاص اسلامی شریعت کی رو سے عائد ہوتا ہے تو حرم اس کو امن نہیں دے گا بلکہ اس پر باجماع امت حدود وقصاص جاری کئے جائیں گے۔

(احکام القرآن جصاص وقرطبی)

کیونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ”فان قتلو کم فاقتلوھم“۔

یعنی اگر تم سے لوگ حرم میں قتال کرنے لگیں تو تم بھی وہیں ان کو قتل کردو۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۲۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

البتہ یہاں ایک مسئلہ ائمۂ مجتہدین میں مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ کوئی شخص باہر سے جرم کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اس میں بعض ائمہ اس پر بھی حرم میں حدود وقصاص کی سزائیں جاری کرنے کا حکم دیتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو سزا سے چھوڑنا تو نہیں؛ کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو جرائم کرکے سزا سے بچنے کا راستہ کھل جائے گا اور عالم میں فساد برپا ہو جائے گا اور حرم مجرموں کا ٹھکانا بن جائے گا لیکن احترام حرم کے سبب حرم کے اندر سزا دی جائے گی بلکہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکلے وہاں سے نکلنے کے بعد سزا جاری کی جائے گی۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۲۲،مستفاد احکام القرآن تھانوی ۱/ ۶۸، ۶۹)

”وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ“۔

(البقرہ:۱۲۵)

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانۂ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطہ اور جگہ امن کی، اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔

اس میں بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم ہے، جس میں ظاہری نجاسات وگندگی سے طہارت بھی داخل ہے، اور باطنی نجاسات کفر، شرک اور اخلاق رزیلہ: بغض وحسد، حرص وہوا، تکبر وغرور، ریاء ونام ونمود سے پاکی بھی شامل ہے، اور اس حکم طہارت کے لئے لفظ بیتی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مساجد کے لئے عام ہے؛ کیونکہ ساری

toobaa-elibrary.blogspot.com

مساجد بیوت اللہ ہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ''فی بیوت اذن اللہ ان ترفع''۔

(معارف القرآن ا / ۳۲۳، المستفاد من احکام القرآن قرطبی ۲ / ۷۸)

اولاد کا حق ہے کہ ان کی صلاح وفلاح کی فکر کی جائے

''اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْم بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۱۳۳) تِلْكَ اُمَّةٌ'' قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(البقرہ: ۱۳۴)

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کروگے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیری رب کی اور تیرے باپ داداؤں کے رب کی کہ جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ہوگی ان کے کاموں کی۔

(معارف القرآن ا / ۳۴۸)

انبیاء علیہم السلام کے اس طرز عمل سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ والدین کا فرض اور اولاد کا حق ہے کہ سب سے پہلے ان کی صلاح وفلاح کی فکر کی جائے ان کے بعد دوسروں کی طرف توجہ کی جائے جس میں دو حکمتیں ہیں:

اول یہ کہ طبعی اور جسمی تعلق کی بناء پر وہ نصیحت کا اثر زیادہ جلد اور آسانی سے قبول

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرسکیں گے اور پھر وہ ان کی تحریک اور اصلاحی کوشش میں ان کے دست و بازو بن کر اشاعت حق میں ان کے معین ہوں گے۔

دوسرے اشاعت حق کا اس سے زیادہ سہل اور مفید راستہ کوئی نہیں کہ ہر گھر کا ذمہ دار آدمی اپنے اہل وعیال کو حق بات سکھانے اور اس پر عمل کرانے کی سعی میں دل وجان سے لگ جائے کہ اس طرح تبلیغ وتعلیم اور اصلاح وتربیت کا دائرہ عمل سمٹ کر صرف گھروں کے ذمہ داروں تک آجاتا ہے ان کو سکھانا پوری قوم کو سکھانے کے ہم معنی ہوجاتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۵۰)

ایک تیسری حکمت یہ بھی ہے کہ جب تک کسی شخص کے اہل وعیال اور قریبی خاندان اس کے نظریاتی اور عملی پروگرام میں اس کا ساتھی اور ہم آہنگ نہیں ہوتا تو اس کی تعلیم وتبلیغ دوسروں پر اتنی مؤثر نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ کے جواب میں ابتداءِ اسلام کے وقت عام لوگوں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ پہلے اپنے خاندان قریش کو تو آپ درست کرلیں، پھر ہماری خبر لیں، اور جب خاندان میں اسلام پھیل گیا اور فتح مکہ کے وقت اس کی تکمیل ہوئی تو اس کا نتیجہ قرآن کے الفاظ میں ظاہر ہوا ہے کہ:

”یدخلون فی دین اللہ افواجا“۔

یعنی لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج ہوکر داخل ہوں گے۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۵۱)

میراث میں دادا کا وہی حکم ہے جو باپ کا ہے

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ م بَعْدِیْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ"(البقرۃ:۱۳۳)

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیری رب کی اور تیرے باپ داداؤں کے رب کی کہ جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے فرماں بردار ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۴۸)

اس آیت میں حضرت یعقوب کی اولاد کی طرف سے جو جواب نقل کیا گیا ہے اس میں "اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ" فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ دادا بھی باپ ہی کہلاتا ہے اور باپ ہی کے حکم میں ہے، اس لئے حضرت عبداللہ بن عباس نے اس آیت سے استدلال کر کے فرمایا کہ میراث میں دادا کا بھی وہی حکم ہے جو باپ کا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۵۱،احکام القرآن جصاص ۱/ ۹۹)

آباءواجداد کے اعمال کی جزاءوسزا اولاد پر نہیں ہوگی

'تِلْكَ اُمَّةٌ" قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"۔ (البقرہ:۱۳۴)

ترجمہ: اور وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ہوگی ان کے کاموں کی۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۴۸)

"لها ما کسبت" الآیۃ اس آیت سے معلوم ہوا کہ باپ دادا کے نیک اعمال اولاد

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے کافی نہیں ہوں گے جب تک وہ خود اپنے اعمال درست نہ کرلیں، اسی طرح باپ دادا کے برے اعمال کا عذاب بھی اولاد پر نہ پڑے گا جب کہ یہ اعمال صالحہ کے پابند ہوں، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مشرکین کی اولاد جو بلوغ سے پہلے مرجائے ان کو اپنے ماں باپ کے کفر وشرک کی وجہ سے عذاب نہیں ہوگا، اوراس سے یہود کے اس عقیدے کی بھی تردید ہوگئی کہ ہم جو چاہیں عمل کریں ہماری مغفرت تو ہمارے آباء واجداد کے اعمال سے ہوجائے گی، اسی طرح آج کل کے بعض سید خاندان کے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم اولاد رسول ہیں ہم جو چاہیں گناہ کرتے رہیں ہماری مغفرت ہی ہوگی۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۵۲،احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۰۲)

اجماع کا حجت ہونا قرآن سے ثابت ہے

”وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا“ (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: اوراسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ تم ہو گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اجماع امت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالمقابل ان کی بات کو حجت بنادیا تو ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے اور عمل اس پر واجب ہے، اس طرح صحابہ کا اجماع تابعین پر اور تابعین کا تبع تابعین پر حجت ہے۔

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس امت کے جو افعال واعمال

toobaa-elibrary.blogspot.com

متفق علیہ ہیں وہ سب محمود ومقبول ہیں کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی خطا پر تسلیم کیا جائے تو پھر یہ کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ امت وسط اور عدل ہے۔

اور امام جصاص نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، اجماع کا حجت ہونا صرف قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے اور امت رسول اللہ ﷺ کی صرف وہ نہ تھے جو اس زمانہ میں موجود تھے بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہو گئے جن کا قول حجت ہے، وہ سب کسی خطا اور غلط پر متفق نہیں ہو سکتے۔

(معارف القرآن ۱/ ۲/ ۳، ۳۷۳، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۰۷)

کبھی سنت کو قرآن کے ذریعہ بھی منسوخ کیا جاتا ہے

”وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۳۷۳)

علامہ جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ قرآن کریم میں کہیں اس کی تصریح نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبل از ہجرت یا بعد ہجرت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تھا بلکہ اس کا ثبوت صرف احادیث اور سنت نبویہ ہی سے ہے تو جو چیز سنت کے ذریعہ ثابت ہوئی تھی اس آیت قرآنی نے اس کو منسوخ کر کے آپ کا قبلہ بیت اللہ کو بنا دیا۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حدیث رسول بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی ہے اور یہ کہ کچھ احکام وہ بھی ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں، صرف حدیث سے ثابت ہیں، اور قرآن ان کی شرعی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ اسی آیت کے اخیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو نمازیں بامر رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں وہ بھی معتبر اور مقبول عنداللہ ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۳۷۵، ۳۷۶، تفسیرات احمدیہ اشرفی بکڈپو ا/ ۳۷، احکام القرآن جصاص ا/ ۱۰۴)

آلۂ مکبر الصوت کی آواز پر نماز میں نقل حرکت کے مفسد نماز نہ ہونے پر استدلال

"وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَاِنْ کَانَتْ لَکَبِیْرَةً اِلَّا عَلَی الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ (البقرہ:۱۴۳)

ترجمہ: اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔ (معارف القرآن ا/ ۳۷۳)

صحیح بخاری "باب ماجاء فی القبلۃ" میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں جو قباء میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحویل قبلہ کا حکم پہنچنے اور ان لوگوں کے بحالتِ نماز بیت اللہ کی طرف پھر جانے کا واقعہ ذکر کیا، اس پر علامہ عینی حنفی نے تحریر فرمایا ہے:

"فیه جواز تعلیم من لیس فی الصلوۃ من هو فیها۔

(عمدۃ القاری ۴/۱۴۸)

یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص نماز میں شریک نہیں وہ کسی نماز پڑھنے والے کو تعلیم و تلقین کر سکتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/۳۷۷)

قبلہ کی طرف نماز میں رخ کرنا فرض ہے

ملا جیون نے فرمایا کہ نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی فرضیت اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَهٗ" الآیة۔ (البقرہ: ۱۴۴)

والآیة الثابتة فی بیان ان التوجه إلی الکعبة فرض

وهی قوله تعالیٰ: قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضها الخ۔

(تفسیراتِ احمدیہ ص ۳۶)

"التوجه الی الکعبة فرض فی الصلوٰة"

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (آیت ۱۴۴) وَلَئِنْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اَتَیۡتَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَۃٍ مَّا تَبِعُوۡا قِبۡلَتَکَ وَمَاۤ اَنۡتَ بِتَابِعٍ قِبۡلَتَہُمۡ وَمَا بَعۡضُہُمۡ بِتَابِعٍ قِبۡلَۃَ بَعۡضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَہۡوَآءَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ اِنَّکَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ "(البقرہ:۱۴۵)

ترجمہ: (اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، چنانچہ ہم تمہارا رخ اس قبلے کی طرف پھر دینگے جو تمہیں پسند ہے، لو اب اپنا رُخ مسجد حرام کی سمت کرلو، اور (آئندہ) جہاں کہیں تم ہو اپنے چہروں کا رُخ (نماز پڑھتے ہوئے) اسی کی طرف رکھا کرو، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی بات حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے، اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ (۱۴۴) اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے، اور نہ تم ان کے قبلے پر عمل کرنیوالے ہو، نہ یہ ایک دوسرے کے قبلے پر عمل کرنے والے ہیں۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن، بقرہ:۱۴۵)

اس آیت کی تفسیر اور تحقیق:

اس آیت سے بیت المقدس کا منسوخ کرنا اور کعبہ کو مقرر کرنا منظور ہے اور باوجودیکہ یہ حکم اس میں موجود بھی ہے پھر بھی اس کے جزء اول میں وعدہ فرمایا گیا ہے تاکہ وعدہ سن کر اول وعدہ کی خوشی ہو اور بعد انتظار کے ساتھ ساتھ ایفاء ہونے سے پھر دوسری خوشی ہو تو دوگانہ مسرت ہوئے اور یہ طرز مسرت انگیز اس مقام کے کہ اس میں ایک حکم کی بناء آپ کی رضا پر بیان کی گئی ہے زیادہ مناسب ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حاصل اس حکمت کا یہ ہوا کہ ہم کو آپ کی خوشی منظور تھی اور آپ کی خوشی کعبہ کے قبلہ مقرر ہونے میں دیکھی اس لئے اسی کو قبلہ مقرر کر دیا رہا یہ کہ آپ کی خوشی اس میں کیوں تھی وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی علامات نبوت میں سے ایک علامت یہ بھی تھی کہ آپ کے قبلہ کی یہ جہت ہوگی اللہ تعالیٰ نے آپ کے نورانی قلب میں اس کے موافق خواہش پیدا کردی

(بیان القرآن ج ا، ص ۹۲)

صفا مروہ کے درمیان سعی کا حکم

”اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ“۔(البقرہ:۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں اسکو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان سب کچھ جاننے والا۔ (معارف القرآن ۱/۳۹۹)

تفسیر

حج اور عمرہ اور سعی کا طریقہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے اور سعی امام احمد کے نزدیک سنتِ مستحبہ ہے اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک فرض اور رکن ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے کہ ترک کرنے یا ہونے سے ایک بکری ذبح کرنا پڑے گی۔

(معارف القرآن ۱/۴۰۰،تفسیرات احمدیہ اشرفی بکڈپو ۱/۳۹،۴۰، احکام القرآن جصاص ۱/۱۱۶)

آیت مذکورہ کے الفاظ ”لا جناح“ سے یہ شبہ نہ کرنا چاہئے کہ اس آیت میں تو صفا و مروہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے درمیان سعی کرنے کے متعلق صرف اتنا فرمایا گیا ہے کہ وہ گناہ نہیں، اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ سعی مباحات میں سے ایک مباح ہے، وجہ یہ ہے کہ اس جگہ عنوان لاجناح کا سوال مناسبت سے رکھا گیا ہے، سوال اسی کا تھا کہ صفا ومروہ پر بتوں کی مورتیاں رکھی تھیں اور اہل جاہلیت انہی کی پوجا پاٹ کے لئے صفا ومروہ کے درمیان سعی کرتے تھے، اس لئے یہ عمل حرام ہونا چاہئے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں چونکہ یہ دراصل سنتِ ابراہیمی ہے کسی کے جاہلانہ عمل سے کوئی گناہ نہیں ہوجاتا، یہ فرمانا اس کے واجب ہونے کے منافی نہیں۔

(معارف القرآن ۱/۴۰۱، تفسیرات احمدیہ اشرفی بکڈپو/۳۹، احکام القرآن جصاص ۱/۱۱۶)

علم دین کا اظہار اور پھیلانا واجب اور اس کا چھپانا سخت حرام ہے

''اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ''۔(البقرۃ:۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔ (معارف القرآن ۱/۴۰۱)

آیتِ مذکورہ سے چند احکام حاصل ہوتے ہیں

آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات بینات نازل کی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا اتنا بڑا جرم عظیم ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتے ہیں اور تمام مخلوق لعنت بھیجتی ہے، اس سے چند احکام حاصل ہوئے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

اول یہ کہ جس علم کے اظہار اور پھیلانے کی ضرورت ہے اس کا چھپانا حرام ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من سئل عن علم یعلمه فکتمه الجمه اللہ یوم القیامة بلجام من النار۔ رواہ ابو ھریرۃ وعمر بن العاص اخرجه ابن ماجة" (از قرطبی)

یعنی جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہے اور اس سے وہ حکم دریافت کیا جائے اگر وہ اس کو چھپائے گا تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی مسئلہ بیان کرنے والا وہاں موجود نہ ہو اور اگر دوسرے علماء بھی موجود ہوں تو گنجائش ہے کہ یہ کہہ دے کہ دوسرے علماء سے دریافت کرلو۔ (قرطبی، جصاص)

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ جس کو خود صحیح علم حاصل نہیں اس کو مسائل واحکام بتانے کی جرأت نہیں کرنا چاہیے۔

تیسرا مسئلہ

یہ معلوم ہوا کہ علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انہیں علوم ومسائل کے متعلق ہے جو قرآن وسنت میں واضح بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں گے تو ایسے مسائل واحکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے آیت مذکورہ میں لفظ "من البینات والھدیٰ" سے اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ایسے ہی مسائل کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ تم اگر عوام کو ایسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیثیں سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح سمجھ نہ سکیں تو ان کو فتنہ میں مبتلا کرو گے۔(قرطبی)

(معارف القرآن ۱/ ۴۰۳، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۲۱، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۲۴)

علم حق کی تبلیغ عالم پر واجب ہے

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْھُدٰی مِنْ م بَعْدِ مَا بَیَّنّٰہُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتٰبِ اُولٰٓئِکَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰہُ وَ یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ"۔(البقرۃ:۱۵۹)

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر قرآن کی یہ آیت نازل نہ ہوتی تو میں حدیث بیان نہ کرتا اس سے علماء نے استدلال کیا کہ علم حق کی تبلیغ عالم پر واجب ہے اور علم کا مکمل بیان کرنا واجب ہے اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ جو کام واجب ہو اس کو کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے جیسا کہ اسلام پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

"الثانیۃ ھذہ الآیۃ ھی التی اراد ابو ھریرۃ فی قولہ لو لا آیۃ فی کتاب اللہ تعالی ما حدثتکم حدیثا وبھا استدل العلماء علی وجوب تبلیغ العلم الحق وتبیان العلم علی الجملۃ دون اخذ الأجرۃ علیہ إذ لا یستحق الاجرۃ علی ما علیہ فعلہ کما لا یستحق الاجرۃ علی الاسلام وقد مضی القول فی ھذا"۔

(قرطبی ۲/ ۱۲۴، تفسیر خازن ۱/ ۱۰۱، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۹۵، ۹۶، ۹۷، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۴۸، ۴۹)

کسی معین شخص پر لعنت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"۔ (البقرہ:۱۶۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں کی سب کی۔

تفسیر

”وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ“ کے لفظ سے جصاص اور قرطبی وغیرہ نے یہ استنباط کیا ہے کہ جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی ذریعہ نہیں اس لئے کسی کافر کے نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور رسول اللہ نے جن کافروں پر نام لے کر لعنت کی ہے آپ کو ان کی موت کا منجانب اللہ علم ہو گیا تھا البتہ عام کافروں ظالموں پر بغیر تعیین کے لعنت کرنا درست ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب لعنت کا معاملہ اتنا شدید ہے کہ کسی کافر پر بھی اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اس کی موت کفر ہی پر ہوگی تو کسی مسلمان پر یا کسی جانور پر لعنت کیسے جائز ہو سکتی ہے اور عوام اس سے بالکل غفلت میں ہیں خصوصاً عورتیں کہ بات بات پر لعنت کے الفاظ اپنے متعلقین کے متعلق استعمال کرتی رہتی ہیں اور لعنت صرف لفظ لعنت ہی کے کہنے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے ہم معنی جو الفاظ ہیں وہ بھی لعنت ہی کے حکم میں ہیں، لعنت کے اصلی معنی خدا تعالی کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں اس لئے کسی کو مردود، راندۂ درگاہ اللہ مارا وغیرہ کے الفاظ کہنا بھی لعنت ہی کے حکم میں ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۰۵، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۲۶، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۵۰)

احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۱۲۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

لعنت کن لوگوں پر جائز ہے اور کن لوگوں پر جائز نہیں ہے

"اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَا تُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (البقرہ:۱)

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں کی، سب کی ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا ان پر سے عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔

تفسیر

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ علامہ ابن عربی نے فرمایا میرے بہت سے مشائخ نے فرمایا کہ معین کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مرنے کے وقت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کفر پر ہی مرے گا ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مرے، اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لعنت کے لئے شرط لگائی کہ وہ کفر پر مرے۔

"وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ"۔

اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں میں سے بعض لوگوں پر لعنت کی ہے وہ اس لئے کہ آپ علیہ السلام کو ان کے کفر پر موت کا علم ہو چکا تھا، لیکن علامہ ابن عربی نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ متعین کافر پر لعنت جائز ہے اس کے ظاہری حال کی وجہ سے اور اس کے ساتھ قتل وقتال کے جائز ہونے کی وجہ سے۔

(احکام القرآن قرطبی ۲/۱۲۶، تفسیر خازن ۱/۱۰۱)

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ تمام کفار پر بغیر تعیین کے لعنت کرنا جائز ہے اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں کسی کا اختلاف نہیں اس لئے کہ امام مالکؒ نے داؤد ابن الحصین سے روایت کیا انہوں نے اعرج سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ماہِ رمضان المبارک میں مسلمانوں کو کفار پر لعنت کرتے ہوئے پایا، ہمارے علماء نے فرمایا کہ وہ کفار دار الحرب میں رہتے ہو یا دار الاسلام میں رہتے ہو اور وہ ذمی ہوں لیکن یاد رہے کہ یہ لعنت علی الکفار واجب نہیں ہے بلکہ صرف مباح ہے اس کے لئے جو کرے، ان کفار کے حق کے انکار کرنے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے۔

اور اسی طرح حکم ہے ان لوگوں پر لعنت کا جو علی الاعلان معاصی اور گناہوں کا ارتکاب کرے جیسے شراب پینے والے اور سود کھانے والے اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والیاں ہیں اور وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہوں اور اس کے علاوہ اور دوسرے بہت سے لوگ جن کے بارے میں احادیث صحیحہ میں لعنت کا ذکر آیا ہے۔

(احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۲۷، تفسیر خازن ۱/ ۱۰۱)

”قلت: اما لعن الکفار جملة من غیر تعیین فلا خلاف فی ذلک لما رواہ مالک عن داؤد بن الحصین انه سمع الاعرج یقول ما ادرکت الناس وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان قال علمائنا و سواء کانت علیھم ذمة ام لم تکن و لیس ذالک بواجب و لکنه مباح لمن فعله لجحدھم الحق و عداوتھم للدین و اھله و کذلک کل من جاھر بالمعاصی کشُرّاب الخمر و اکلة الرباء و من تشبه من النساء بالرجال و من الرجال بالنساء إلی غیر ذلک مما ورد فی الاحادیث لعنة۔

(احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۲۷)

علامہ ابن عربی نے ذکر فرمایا معین معاصی گنہگار پر بالاتفاق لعنت جائز نہیں ہے کیونکہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ ا کے پاس ایک شراب کے عادی آدمی کو بار بار لا یا گیا حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو کہ بار بار شراب پینے کی وجہ سے لا یا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کہو اور اس پر لعنت مت کرو کہ تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کی مدد کر رہے ہو بلکہ اس کے لئے دعاء کرو کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما۔ (ابوداؤد)

یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفقت کو واجب کرتا ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔

(احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۲۷، تفسیر خازن ا/ ۱۰۱)

علامہ ابن عربی نے فرمایا کہ مطلق عاصی گنہگار پر بالا جماع لعنت جائز ہے نام ذکر کئے بغیر اشارہ کنایہ کئے بغیر اس لئے کہ آپ ا سے مروی ہے آپ نے چور پر لعنت کی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال: لعن اللہ السارق یسرق البیضۃ فتقطع یدہ۔

(احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۲۷، احکام القرآن تھانوی ا/ ۱۰۰، ۱۰۱ احکام القرآن ابن عربی ا/ ۵۰)

جاہلانہ تقلید اور ائمۂ مجتہدین کی تقلید میں فرق

”وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۷۰)

ترجمہ: اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔

(معارف القرآن ا/ ۴۱۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمۂ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیات پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔

امام قرطبی نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس سے مراد باطل عقائد واعمال میں آباء واجداد کی تقلید کرنا ہے عقائد صحیحہ واعمال صحیحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورۂ یوسف میں اس طرح آئی ہے:

"اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّۃَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ (۳۷) وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَاءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ (یوسف:۳۸)

میں نے ان لوگوں کی ملت ومذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو آخرت کے منکر ہیں، اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کا۔

اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۱۴، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۴۲ بیروت)

امام قرطبی نے اسی آیت کے ذیل میں ائمۂ مجتہدین کی تقلید کے متعلق بھی مسائل واحکام بیان کئے ہیں اور فرمایا ہے:

تعلق قوم بھذہ الاٰیۃ فی ذم التقلید (الی) وھذا فی الباطل صحیح اما التقلید فی الحق فاصل من اصول الدین وعصمۃ من عصم المسلمن یلجاء الیھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

الجاھل المقصر عن درک النظر۔ (قرطبی ۱۹۴/۲ بحوالۂ معارف القرآن)

کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ سے تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۱۴، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۴۲ بیروت لبنان)

بعض حرام چیزوں کا بیان

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ (۱۷۲)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" (البقرہ: ۱۷۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کے بندے ہو۔ (۱۷۲)

اس نے تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور اور لہو اور گوشت سوّر کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا، پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۱۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

اس آیت میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱) میتۃ (مردار) (۲) خون (۳) لحم خنزیر (۴) وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

میتۃ:

جس کو اردو میں مردار کہتے ہیں اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے ازروئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری چوٹ مار کر مار دیا جائے تو وہ مردار اور حرام ہے۔

لیکن خود قرآن کریم کی دوسری آیت **احل لکم صید البحر** سے معلوم ہوا کہ دریائی جانور کے لئے ذبح کرنا شرط نہیں وہ بلا ذبح بھی جائز ہے اس بناء پر احادیث صحیحہ میں مچھلی اور ٹڈی کو میتۃ سے مستثنیٰ قرار دے کر حلال کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لئے دو مردار حلال کر دیئے گئے ایک مچھلی دوسرے ٹڈی اور دو خون حلال کر دیئے گئے جگر اور طحال۔ ''ابن کثیر از احمد، ابن ماجہ، دار قطنی''

(جگر کلیجی کو کہتے ہیں، طحال تلّی کو کہتے ہیں)

(معارف القرآن ۱/۴۱۷، مستفاد من تفسیر خازن ۱/۱۰۶، احکام القرآن جصاص ۱/۱۳۰، ۱/۱۳۲)

دوسری چیز خون

دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے لفظ دم بمعنی خون اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے مگر سورہ انعام کی آیت میں اس کے ساتھ مسفوح یعنی بہنے والا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کی شرط ہے ”او دما مسفوحا“ اس لئے باتفاق فقہاء خون منجمد جیسے گردہ، تلی وغیرہ وہ حلال اور پاک ہیں۔

مسئلہ:

جبکہ حرام صرف بہنے والا خون ہے تو جو خون ذبح کے بعد گوشت میں لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے فقہاء وصحابہ وتابعین اور امت کا اس پر اتفاق ہے، اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون بھی ناپاک نہیں؛ لیکن زیادہ ہوجائے تو اس کو بھی دھونا چاہیئے۔

(معارف القرآن ۱/۴۱۹، تفسیر خازن ۱/۱۰۶، احکام القرآن جصاص ۱/۱۵۰، احکام القرآن قرطبی ۲/۱۴۹،
تفسیرات احمدیہ ۴۰، ۴۱، احکام القرآن لابن عربی ۱/۵۱، ۵۲، ۵۳)

تحریم خنزیر

تیسری چیز جو اس آیت میں حرام کی گئی ہے وہ لحم خنزیر ہے، آیت میں حرمت خنزیر کے ساتھ لحم کی قید مذکور ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی کھال بال پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہیں لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں اگرچہ کھانا حرام ہی رہے کیونکہ خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (جصاص، قرطبی)

(معارف القرآن ۱/۴۲۱، تفسیر خازن ۱/۱۰۶، احکام القرآن جصاص ۱/۱۵۱، احکام القرآن
قرطبی ۲/۱۵۰، تفسیرات احمدیہ ۴۱، احکام القرآن لابن عربی ۱/۵۴)

”وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ“

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوتھی چیز جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ جانور ہے جو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو جس کی تین صورتیں متعارف ہیں:

اول یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے یہ صورت باتفاق و باجماع امت حرام ہے اور یہ جانور میتۃ ہے اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں؛ کیونکہ یہ صورت آیت ما اھل بہ لغیر اللہ کا مدلول صریح ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو لیکن وقت ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں یہ صورت بھی باتفاقِ فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۲۱، تفسیر خازن ۱/۱۰۶، احکام القرآن جصاص ۱/۱۵۳، احکام القرآن قرطبی ۲/۱۵۰)

اضطرار اور مجبوری کے احکام

”فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“

آیت مذکورہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے۔

”فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“

اس حکم میں اتنی آسانی کردی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بہت ہی بے تاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ قدرِ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

حالت میں ان حرام چیزوں کو کھا لینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوتا، بے شک اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور ورحیم۔

اس میں مضطر کے لئے جان بچانے کے واسطے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کے کھا لینے سے بھی گناہ اٹھا دیا گیا ہے۔

مضطر

شرعی اصطلاح میں ؛اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو، معمولی تکلیف یا معمولی ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا تو جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لئے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھا لینے کی گنجائش دی گئی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۲۵، تفسیرات احمدیہ ۴۲، تفسیر خازن ۱/ ۱۰۶، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۵۴، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۵۴، ۱/ ۱۵۷، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۱۲۵)

حالتِ اضطرار میں دواء کے طور پر حرام چیزوں کے استعمال کا حکم

آیت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جس شخص کی جان خطرہ میں ہو وہ جان بچانے کے لئے بطور دوا کے حرام چیز کو استعمال کر سکتا ہے مگر آیتِ مذکورہ ہی کے اشارہ سے اس میں چند شرطیں معلوم ہوتی ہیں:

اول یہ کہ حالت اضطرار کی ہو خطرہ جان جانے کا ہو، معمولی تکلیف و بیماری کا یہ حکم نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرے یہ کہ بجز حرام چیز کے اور کوئی چیز علاج ودواء کے لئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو جیسے شدید بھوک کی حالت میں استثناء اسی وقت ہے جب کہ کوئی دوسری حلال غذا موجود ومقدور نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ اس حرام کے استعمال کرنے سے جان بچ جانا یقینی ہو جیسے بھوک سے مضطر کے لئے ایک دو لقمہ حرام گوشت کا کھالینا عادۃً اس کی جان بچانے کا یقینی سامان ہے۔

اگر کوئی دوا ایسی ہے کہ اس کا استعمال مفید تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے شفاء یقینی نہیں تو اس دوا حرام کا استعمال آیت مذکورہ کے استثنائی حکم میں داخل ہو کر جائز نہیں ہوگا اس کے ساتھ مزید دو شرطیں آیت قرآنی میں منصوص ہیں کہ

(۱) اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

(۲) اور قدرِ ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے۔

آیت مذکورہ کی تصریح اور اشارات سے جو قیود وشرائط حاصل ہوئے ان شرائط کے ساتھ ہر حرام وناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں باتفاق فقہاء امت جائز ہے، ان شرائط کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں:

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔

(۲) دوسری کوئی حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔

(۳) اس دواء سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔

(۴) اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

(۵) قدر ضرورت سے زائد اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۲۶، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۵۸، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۵۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

غیر اضطراری حالت میں عام علاج ودواء کے لئے حرام چیز کا استعمال

اضطراری حالت کا مسئلہ تو شرائطِ مذکورہ کے ساتھ نص قرآن سے ثابت اور اجماعی حکم ہے لیکن عام بیماریوں میں بھی کسی ناپاک یا حرام دواء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے اوپر مذکور ہوئیں حرام دوا کا استعمال جائز نہیں؛ کیونکہ حدیث میں رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے حرام میں شفاء نہیں رکھی۔ (بخاری شریف)

بعض دوسرے فقہاء نے ایک خاص واقعۂ حدیث سے استدلال کر کے جائز قرار دیا وہ واقعہ عرینیین کا ہے جو تمام کتب حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ گاؤں والے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اونٹ کا دودھ اور پیشاب استعمال کرنے کی اجازت دی جس سے ان کو شفاء ہوگئی۔

مگر اس واقعہ میں متعدد احتمالات ہیں جن سے حرام چیز کا استعمال مشکوک ہوجاتا ہے اس لئے اصل حکم تو یہی ہے کہ عام بیماریوں میں جب تک شرائط اضطرار موجود نہ ہوں حرام دوا کا استعمال جائز نہیں۔

لیکن فقہاء متاخرین نے موجودہ زمانے میں حرام وناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاء عام اور عوام کے ضعف پر نظر کر کے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ کوئی دوسری حلال اور پاک دواء اس مرض کے لئے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔

”کما فی الدر المختار قبیل فصل البیر اختلف فی التداوی بالمحرم وظاهر المذهب المنع کما فی رضاع البحر ولکن نقل المصنف ثمّ وهھنا عن

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحاوی قیل یرخص اذا علم فیہ الشفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص فی الخمر للعطشان وعلیہ الفتویٰ ومثلہ فی العالمگیریۃ"۔ (۵/۳۵۵)

(معارف القرآن ا/۴۲۶،۴۲۷)

مسئلہ:

تفصیل مذکور سے ان تمام انگریزی دواؤں کا حکم معلوم ہو گیا جو یورپ وغیرہ سے آتی ہیں جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا معلوم ویقینی ہو۔

اور جن دواؤں میں حرام ونجس اجزاء کا وجود مشکوک ہے ان کے استعمال میں اور زیادہ گنجائش ہے اور احتیاط بہر حال احتیاط ہے خصوصا جبکہ کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(معارف القرآن ا/۴۲۷، احکام القرآن جصاص ا/۱۵۹)

دین فروشی کی سزاء

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلاً اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ وَلَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (آیت:۱۷۴) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْہُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ فَمَآ اَصْبَرَہُمْ عَلَی النَّارِ (سورہ بقرہ:۱۷۵)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔، ۱۷۴ سورۂ بقرہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب کی خریداری کر لی ہے۔ چنانچہ (اندازہ کرو کہ) یہ دوزخ کی آگ سہنے کے لئے کتنے تیار ہیں!

سورۂ بقرہ۔۱۷۵

وضاحت وتشریح: آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مال کی لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے وہ جو یہ مال کھاتا ہے گویا اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھر رہا ہے۔ کیونکہ اس عمل کا انجام یہی ہے۔ اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے۔ اگرچہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہیں ہوگا مگر مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آجائے گا۔ (معارف القران ج۱ ص ۴۲۸/۴۲۹)

مسلمانوں کے مالوں میں زکوۃ کے علاوہ بھی دیگر فرائض ہیں

’لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَلٰـكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِۙ وَالسَّآئِلِيۡنَ وَفِى الرِّقَابِۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّکٰوةَ ۚ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَالصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ“۔ (البقرۃ:۱۷۷)

ترجمہ: نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا مشرق کی طرف یا مغرب کی، لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوۃ، اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں، اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیز گار۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۲۹)

تفسیر

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ”وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ“ زکوۃ کا ذکر صلوۃ کے ساتھ فرمایا، یہ ذکر فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا قول ”وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ“ اس سے مراد زکوۃ مفروضہ مشہورہ نہیں ہے کیونکہ اگر اس سے وہی زکوۃ مفروضہ مراد لیں گے تو کلام الہی میں تکرار ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر اداء زکوۃ کے بعد مسلمانوں کو کوئی اجتماعی حاجت پیش آجائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے اموال اس میں خرچ کرے اور اس ضرورت کو پوری کرے۔

امام مالک نے فرمایا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمان قیدیوں کو کافروں کی قید سے چھڑائے ان کو قید سے آزاد کرنے اور چھڑانے کے لئے اپنے اموال کو صرف کرے اگرچہ ان کے سب اموال ان کی رہائی میں ختم ہو جائے اور یہ مسئلہ بالاجماع ثابت ہے۔

”وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ“ فذکر الزکوۃ مع الصلوۃ و ذلک دلیل ان المراد بقولہ ”وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ“ لیس الزکوۃ المفروضۃ فان ذلک کان یکون تکرارا و اللہ اعلم۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

واتفق العلماء على انه إذا نزلت بالمسلمين حاجة بعد اداء الزكوة فانه يجب صرف المال اليها قال مالك علیہ الرحمۃ: يجب على الناس فداء اسراهم ان استغرق ذالک اموالهم وهذا اجماع ايضاً وهو يقوى مااخترناه والموفق الله"۔

(احکام القرآن قرطبی ۲ / ۱۶۲، معارف القرآن ۱ / ۴۳۲، احکام القرآن جصاص ۱ / ۱۶۰)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اسی آیت کی تفسیر میں معارف القرآن میں فرمایا:

اسی سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مالی فرض صرف زکوۃ سے پورا نہیں ہوتا زکوۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ پر مال خرچ کرنا فرض وواجب ہوتا ہے۔(جصاص،قرطبی)

جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کمانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوۃ ادا کر چکے ہیں مگر اس وقت اپنا مال خرچ کر کے اس کی جان بچانا فرض ہے۔

اسی طرح ضرورت کی جگہ مسجد بنانا، دینی تعلیم کے لئے مدارس ومکاتیب بنانا یہ سب فرائض مالی میں داخل ہیں۔

فرق اتنا ہے کہ زکوۃ کا ایک خاص قانون ہے اس کے مطابق ہر حال میں زکوۃ کا ادا کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرے مصارف ضرورت وحاجت پر موقوف ہیں جہاں ضرورت ہو خرچ کرنا فرض ہوجائے گا جہاں نہ ہو فرض نہیں ہوگا۔(معارف القرآن ۱ / ۴۳۲، ۴۳۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

قصاص کا حق بادشاہ کو ہے

”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ: ۱۷۹)

”الثانية اتفق ائمة الفتوى على انه لا يجوز لاحد ان يقتص فى أحد حقه دون السلطان وليس للناس ان يقتص بعضهم فى بعض وانما ذلک لسلطان او من نصبه السلطان لذلک ولهذا جعل الله السلطان ليقبض ايدى الناس بعضهم عن بعض“۔ (قرطبی ۲/۱۷۲)

حکم اول قصاص

”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ م بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ“ (البقرہ: ۱۷۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص کا حکم فرض کر دیا گیا ہے، آزاد کے بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام، عورت کے بدلہ عورت (ہی کو قتل کیا جائے) پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے تو معروف طریقہ کے مطابق (خون بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے اور اس کو خوش اسلوبی سے ادا کرنا (قاتل) کا فرض ہے یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔ (۱۷۸) اور اے عقل

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھنے والوں تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کا سامان ہے) امید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔(۱۷۹)

(توضیح القرآن آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۱۸)

تفسیر

قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید کی آیت میں عنقریب اسی سورت میں اس کی وضاحت اس طرح آئی ہے: ''فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم'' اور سورۂ نحل کی آخری آیات میں: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به اسی مضمون کے لئے آیا ہے۔

اسی لئے اصطلاح شرع میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزاء کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۳۵، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۶۴، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۶۲)

مسئلہ

قتل عمد وہ کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قتل کیا جائے۔

قصاص یعنی جان کے بدلہ جان لینا ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسئلہ:

ایسے قتل میں جیسے آزاد آدمی آزاد کے عوض میں قتل کیا جاتا ہے ایسے ہی غلام کے عوض

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں بھی غلام اور جس طرح عورت کے عوض میں عورت ماری جاتی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۳۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا عورت ہو یا غلام قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں۔

آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

قرآن مجید کی اسی آیت کے شروع میں ''القصاص فی القتلیٰ'' اس عموم کی واضح دلیل ہے اور دوسری آیات میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ہے مثلاً ''النفس بالنفس'' وغیرہ۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۳۶، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۶۴، ۱۶۵، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۶۵)

اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دے دی جاوے مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورتِ مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا دوسرے نے معاف نہیں کیا تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت (خون بہا) دلایا جاوے گا، اور دیت یعنی خوں بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں اور درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے ۸/ ماشے چاندی ہو گی یعنی ۳۶/ سیر ۳۶/ تولے ۸/ ماشے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۳۶، ۴۳۷، احکام القرآن جصاص ۱/ ۱۸۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہوجاتا ہے اسی طرح اگر باہم کسی قدر مال پر مصالحت ہوجائے تب بھی قصاص ساقط ہوکر مال واجب ہوجاتا ہے لیکن اس میں کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔(معارف القرآن ۱/ ۴۳۷)

وصیت کا شرعی حکم

"كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ. فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَمَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۱۸۱) فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ: ۱۸۲)

ترجمہ: پھر جو شخص اس وصیت کو سننے کے بعد میں کوئی تبدیلی کرے گا تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے، یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔(۱۸۱) ہاں اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی وصیت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے اور وہ متعلقہ آدمیوں کے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔(۱۸۲)

(توضیح القرآن آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۲۱)

تفسیر

وصیت ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا بعد الموت لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم بعد الموت ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۳۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت میں مقرر نہ ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کردے اتنا تو ان لوگوں کو حق تھا باقی جو کچھ رہتا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا۔

(معارف القرآن ۱/۴۳۸)

یہ حکم اِس وقت باجماع امت منسوخ ہے اور ناسخ اس کا وہ حدیث متواتر ہے جس کا اعلان رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کے سامنے فرمایا:

"ان اللہ اعطی لکل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث"

اسی حدیث میں بروایت ابن عباس یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"لا وصیۃ لوارث الا ان تجیزہ الورثۃ۔ جصاص"

اس لئے حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے خود مقرر فرما دیئے ہیں اس لئے اسے وصیت کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ وارث کے حق میں وصیت کرنے کی اجازت بھی نہیں ہاں اگر دوسرے ورثہ اس وصیت کی اجازت دیدیں تو جائز ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۴۰، احکام القرآن جصاص ۱/۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۴، احکام القرآن قرطبی ۲/۱۷۶)

تیسرا حکم وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں

یہ حکم باتفاق امت اب بھی باقی ہے، ہاں وارثوں کی اجازت سے ایک تہائی سے زائد بلکہ پورے مال کی بھی وصیت جائز اور قابل قبول ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۴۰)

امام جصاص نے فرمایا کہ ورثہ نے اگر مورث کی زندگی میں اجازت دی تو اس اجازت کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ مورث کے مرنے کے بعد اجازت دی ہو اور رضامندی ظاہر کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتو وہ معتبر ہے۔ (احکام القرآن جصاص ۱/ ۲۰۵)

اس آیت میں ذکر ایک خاص وصیت کا تھا جو مرنے والا اپنے متروکہ مال کے متعلق کرتا تھا جو منسوخ ہوگیا لیکن جس شخص کے ذمے دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لئے وصیت واجب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کچھ لوگوں کے حقوق ہوں اس پر تین راتیں ایسی نہ گذرنی چاہئیں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو۔

آدمی کو جو ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کا حق دیا گیا ہے اپنی زندگی میں اس کو یہ بھی حق رہتا ہے کہ اس وصیت میں کچھ تبدیلی کردے یا بالکل ختم کردے۔" جصاص"

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۱، جصاص ۱/ ۲۰۸، ۲۰۹، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۷۷، بیان القرآن ۱/ ۱۱۵)

روزے کی فرضیت کا حکم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۱۸۳) اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ: ۱۸۴)

اے ایمان والوں تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے تھے تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ (۱۸۳) گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے، اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزہ کا فدیہ ادا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریں، اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہو تو روزہ رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔ (۱۸۴) (آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۲۰، ۱۲۱)

علامہ جصاص نے فرمایا کہ:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ"

اس آیت سے ہم پر روزہ فرض فرمایا کیونکہ کتب کے معنی فرض کے ہے۔

جیسے "کتب علیکم القتال فهو کره لکم"۔ (البقرہ ۲۱۶)

"ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا"۔ (النساء ۱۰۳)

(جصاص ۱/ ۲۱۱)

پچھلی امتوں میں روزہ کا حکم

روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ روزہ کی فرضیت کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے اس سے روزہ کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوئی اور مسلمانوں کی دلجوئی کا بھی انتظام کیا گیا کہ روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے مگر یہ مشقت تم سے پہلے بھی سب لوگ اٹھاتے آئے ہیں طبعی بات ہے کہ مشقت میں بہت سے لوگ مبتلا ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ "روح المعانی"

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۳، جصاص ۱/ ۲۱۲، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۱۸۵، بیان القرآن ۱/ ۱۱۵، ۱۱۶)

مریض کا روزہ

"فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا"۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مریض سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے نا قابل برداشت تکلیف پہنچے یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو۔

بعد کی آیت ولا یرید بکم العسر میں اس طرف اشارہ موجود ہے جمہور فقہاء امت کا یہی مسلک ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۴۳)

"فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ"۔

اس میں مریض اور مسافر کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ اس وقت روزہ نہ رکھیں تندرستی ہونے پر اور سفر کے ختم ہونے پر اتنے دنوں کی قضاء کرلیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۵۰، احکام القرآن جصاص ۱/ ۲۱۲، ۲۱۳،
تفسیر خازن ۱/ ۱۱۴، تفسیرات احمدیہ ۵۲، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۱۸۵)

مسافر کا روزہ اور اس کے احکام

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ "لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (البقرہ: ۱۸۴)

گنتی کے چند دن روزے رکھنے ہیں پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے، اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزہ کا فدیہ ادا کریں، اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہو تو روزہ رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔ (۱۸۴)

(آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۲۰، ۱۲۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

''او علی سفر'' یہاں لفظ مسافر کے بجائے علی سفر کا لفظ اختیار فرما کر کئی اہم مسائل کی طرف اشارہ فرما دیا۔

روزے کے چند اہم مسائل

(۱) اول یہ کہ مطلقاً لغوی سفر یعنی اپنے گھر اور وطن سے باہر نکل جانا روزہ میں رخصت سفر کے لئے کافی نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہئے کیونکہ لفظ علی سفر کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سفر پر سوار ہو جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گھر سے دس میل چلے جانا مراد نہیں مگر یہ تحدید کہ سفر کتنا طویل ہو قرآن کے الفاظ میں مذکور نہیں رسول کریم ا کے بیان اور صحابہ کے تعامل سے امام اعظم ابو حنیفہ اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا بآسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے اور بعد کے فقہاء نے میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔

(معارف القرآن ا / ۴۴۴، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۱۸۶، ۱۸۸، احکام القرآن جصاص ا / ۲۱۳، احکام القرآن تھانوی ا / ۱۸۷، تفسیر خازن ا / ۱۱۵، تفسیراتِ احمدیہ ۵۲)

دوسرا مسئلہ

اسی لفظ علی سفر سے یہ نکلا کہ وطن سے نکل جانے والا مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے اور یہ ظاہر ہے کہ آرام کرنے یا کچھ کام کرنے کے لئے کسی جگہ ٹھہر جانا مطلقاً اس کے سلسلۂ سفر کو ختم نہیں کر دیتا جب تک کوئی معتدبہ مقدار قیام نہ ہو اور اسی معتدبہ قیام کی مدت نبی کریم ا کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے تو وہ علی سفر نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہلاتا اس لئے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں۔

اس سے یہ بھی مسئلہ نکل آیا کہ کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق شہروں اور بستیوں میں کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصتِ سفر کا مستحق رہے گا کیونکہ وہ علی سفر کی حالت میں ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۴ تفسیرات احمدیہ ۵۲)

روزہ کی قضاء کب کی جائے

''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ''

یعنی مریض اور مسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے اس میں بتلانا تو یہ منظور تھا کہ مرض یا سفر کی مجبوری سے جو روزے چھوڑے گئے ہیں ان کی قضاء ان لوگوں پر واجب ہے جس کے لئے فعلیہ القضاء کا مختصر جملہ بھی کافی تھا مگر اس کے بجائے فعدۃ من ایام اخر فرما کر اشارہ کر دیا گیا کہ مریض ومسافر پر فوت شدہ روزوں کی قضاء صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جنہیں قضاء کر سکے تو اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضاء یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۴)

قضاء کا طریقہ کیا ہوگا

''فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ'' میں چونکہ اس کی کوئی قید نہیں کہ ترتیب وار رکھے یا غیر مسلسل رکھے بلکہ عام اختیار ہے اس لئے اگر کوئی شخص جس کے رمضان کے ابتدائی دس روزے قضا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو گئے ہوں وہ دسویں یا نویں روزے کی قضاء پہلے کرے اور ابتدائی روزہ کی قضاء بعد میں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، اسی طرح متفرق کر کے قضا روزے رکھے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ عدۃ من ایام اخر میں اس کی گنجائش ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۴، تفسیر خازن ۱/ ۱۱۵)

جو لوگ روزہ نہ رکھ سکے ان کے لئے روزہ کا فدیہ کیا ہوگا؟

"وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ" (البقرہ: ۱۸۴)

اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر روزہ کا فدیہ ادا کریں، اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہو تو روزہ رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے۔ (۱۸۴)۔

(آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۲۱)

اس آیت کے بے تکلف معنی وہی ہیں جو خلاصۂ تفسیر میں بتلائے گئے ہیں کہ جو لوگ مریض یا مسافر کی طرح روزہ رکھنے سے مجبور نہیں بلکہ روز کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ وہ روزے کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کر دیں اس کے ساتھ اتنا فرما دیا و ان تصوموا خیر لکم یعنی تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ روزہ ہی رکھو۔ (جصاص ۱/ ۲۱۹، معارف القرآن ۱/ ۴۴۵)

یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب لوگوں کو روزے کا خوگر کرنا مقصود تھا اس کے بعد جو آیت آنے والی ہے "من شھد منکم الشھر فلیصمہ" اس سے یہ حکم عام لوگوں کے حق میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

منسوخ کر دیا گیا صرف ایسے لوگوں کے حق میں اب بھی باجماع امت باقی رہ گیا جو بہت بوڑھے ہوں۔ (جصاص) یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہیں رہی جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔

(جصاص، مظہری) (معارف القرآن ۱/ ۴۴۵، احکام القرآن جصاص ج ۱/ ۲۱۷ تا ۲۲۱)

صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد، نسائی، ترمذی، طبرانی وغیرہ تمام ائمۂ حدیث نے حضرت سلمہ بن اکوع سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت "وعلى الذين يطيقونه" نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دے دیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی چاہے ہر روزے کا فدیہ دے دے پھر جب دوسری آیت "من شهد منكم الشهر فليصمه" نازل فرمادی اس آیت نے تندرست قوی کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کر دیا مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو فدیہ ادا کر دے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۵، جصاص ۱/ ۲۲۱، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۱۸۶، تفسیرات احمدیہ ۵۳، جصاص ۱/ ۲۲۳)

روزے کی فدیہ کی مقدار کتنی ہے؟

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے، نصف صاع ہمارے مروجہ سیر اَسّی تولہ کے حساب سے تقریباً پونے دوسیر ہوتے ہیں اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی غریب مسکین کو مالکانہ طور پر دے دینا ایک روزہ کا فدیہ ہے بشرطیکہ کسی مدرسہ مسجد کی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۴۶، جصاص ۱/ ۲۱۸، تفسیرات احمدیہ ۵۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

رمضان کا روزہ کن لوگوں پر فرض ہے؟

”شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ وَمَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ“۔ (البقرہ: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو سراپا ہدایت اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے اور اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پورے کر لے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تاکہ (تم روزے کی) گنتی پوری کر لو اور اللہ نے تمہیں جو راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو اور تاکہ تم شکر گذار بنو۔ (۱۸۵)

(توضیح القران آسان ترجمۂ قرآن ۱/۱۲۱)

”فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ“

اس ایک جملہ میں روزے کے متعلق بہت سے احکام و مسائل کی طرف اشارات ہیں لفظ ”شہد“ ”شھود“ سے بنا ہے جس کے معنی حضور یعنی حاضر و موجود ہونے کے ہیں اور الشھر عربی لغت میں مہینہ کے معنی میں آتا ہے مراد اس سے مہینہ رمضان کا ہے جس کا ذکر اوپر آیا اس لئے معنی اس جملے کے یہ ہو گئے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں حاضر یعنی موجود ہو اس پر لازم ہے کہ پورے مہینہ کے روزے رکھے روزے کے بجائے فدیہ دینے

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا عام اختیار جو اس سے پہلی آیت میں مذکور ہے اس جملے نے منسوخ کر کے روزہ ہی رکھنا لازم کر دیا ماہ رمضان میں حاضر و موجود ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ وہ ماہ رمضان کو ایسی حالت میں پائے کہ اس میں روزہ رکھنے کی صلاحیت موجود ہو یعنی مسلمان عاقل بالغ مقیم حیض و نفاس سے پاک ہو۔

(معارف القرآن ا / ۴۴۸، ۴۴۹، جصاص ا / ۲۳۱، احکام القرآن تھانوی ا / ۱۹۳)

رمضان کا روزہ کب فرض ہوگا؟

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزہ فرض ہونے کے لئے ماہِ رمضان کا بحالت صلاحیت پالینا شرط ہے، اس لئے جس نے پورا رمضان پالیا اس پر پورے رمضان کے روزے فرض ہو گئے جس نے کچھ کم پایا اس پر اتنے ہی دن کے روزہ فرض ہوئے جتنے دن رمضان کے پائے اس لئے وسط رمضان میں جو کافر مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا اس پر صرف آئندہ کے روزے لازم ہوں گے گذشتہ ایام رمضان کی قضاء لازم نہ ہوگی البتہ مجنون مسلمان اور بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے وہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں ہوش میں آجائے تو گذشتہ ایام کی قضاء بھی اس پر لازم ہوگی اسی طرح حیض و نفاس والی عورت وسط رمضان میں پاک ہوجائے یا مریض تندرست ہوجائے یا مسافر مقیم ہوجائے تو گذشتہ ایام کی قضاء لازم ہوگی۔

(معارف القرآن ا / ۴۴۹، احکام القرآن جصاص ا / ۲۲۷، تفسیراتِ احمدیہ ۵۵، احکام القرآن تھانوی ا / ۲۱۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ماہِ رمضان میں راتوں کے احکام

”اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَاتَقْرَبُوْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ“۔ (البقرہ:۱۸۷)

ترجمہ: تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے کہ روزہ کی حالت میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی چنانچہ اب تم ان سے صحبت کرلیا کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اس کو طلب کرو اور اسی وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہو کر واضح نہ ہوجائے اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو اور ان بیویوں سے اس حالت میں مباشرت نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں لہذا ان سے تجاوز نہ کرنا اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ (۱۸۷)

(آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۲۲، ۱۲۳)

تفسیر

”احل لکم“ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے پہلے حرام تھی صحیح بخاری وغیرہ میں بروایت براء ابن عازب مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیوی کے ساتھ اختلاط کی صرف اس وقت تک اجازت تھی جب تک سونہ جائے سوجانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، بعض صحابہ کرام کو اس میں مشکلات پیش آئیں، قیس بن صرمہ انصاری دن بھر مزدوری کر کے افطار کے وقت گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا بیوی نے کہا میں کہیں سے کچھ انتظام کر کے لاتی ہوں جب وہ واپس آ گئی تو دن بھر کی تھکان کی وجہ سے ان کی آنکھ لگ گئی اب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا اگلے دن اسی طرح روزہ رکھا دوپہر کو ضعف کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے۔''ابن کثیر''

اسی طرح بعض صحابہ کرام سونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہو کر پریشان ہوئے ان واقعات کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں پہلا حکم منسوخ کر کے غروب آفتاب کے بعد سے طلوع صبح صادق تک پوری رات میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت دے دی گئی اگرچہ سوکر اٹھنے کے بعد ہو بلکہ سوکر اٹھنے کے بعد آخر شب میں سحری کھانا سنت قرار دیا گیا جس کا ذکر روایات حدیث میں واضح ہے اس آیت میں اسی حکم کا بیان کیا گیا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۵۴، احکام القرآن جصاص ۱/ ۲۷۴، ۲۷۵، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۱۰، تفسیرات احمدیہ ۵۸، ۵۹، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۴۰، بیان القرآن ۱/ ۱۱۹، ۱۲۰)

سحری کھانے کا وقت آخر

''حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ''

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت میں رات کی تاریکی کو سیاہ خط اور صبح کی روشنی کو سفید خط کی مثال سے بتلا کر روزہ شروع ہونے اور کھانا پینا حرام ہوجانے کا صحیح وقت متعین فرمادیا اور اس میں افراط وتفریط کے احتمالات کو ختم کرنے کے لئے ”حتی یتبین“ کا لفظ بڑھا دیا جس میں یہ بتلایا گیا کہ نہ تو وہمی مزاج لوگوں کی طرح صبح صادق سے کچھ پہلے ہی کھانے پینے وغیرہ کو حرام سمجھو اور نہ ایسی بے فکری اختیار کرو کہ صبح کی روشنی کا یقین ہوجانے کے باوجود کھاتے پیتے رہو بلکہ کھانے پینے اور روزہ کے درمیان حد فاصل صبح صادق کا تیقن ہے اس تیقن سے پہلے کھانے پینے کو حرام سمجھنا درست نہیں اور تیقن کے بعد کھانے پینے میں مشغول رہنا بھی حرام اور روزہ کے لئے مفسد ہے اگرچہ ایک ہی منٹ کے لئے ہو سحری کھانے میں وسعت اور گنجائش صرف اسی وقت ہے جب تک صبح صادق کا یقین نہ ہو بعض صحابۂ کرام کے ایسے واقعات کو بعض کہنے والوں نے اس طرح بیان کیا کہ سحری کھاتے ہوئے صبح ہوگئی اور وہ بے پرواہی میں کھاتے رہے یہ اسی پر مبنی ہے کہ صبح کا یقین نہیں ہوا تھا اس لئے کہنے والوں کی جلد بازی سے متأثر نہیں ہوئے۔

(معارف القرآن ۱ / ۴۵۴، احکام القرآن جصاص ۱ / ۲۷۷، احکام القرآن قرطبی ۱ / ۲۱۲، احکام القرآن تھانوی ۱ / ۲۴۱)

اعتکاف کے احکام

”وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ“(البقرہ:۱۸۷)

ترجمہ: اور ان بیویوں سے اپنا بدن بھی شہوت کے ساتھ مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم اعتکاف والے ہو مسجدوں میں یہ خداوندی ضابطہ ہے سو ان سے نکلنے کے نزدیک بھی مت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ پرہیز رکھیں۔(معارف القرآن ا / ۴۵۳)

اعتکاف کس کو کہتے ہیں؟

اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں۔

اور اصطلاح قرآن وسنت میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور اہتمام کرنے کا نام اعتکاف ہے، لفظ ''فی المساجد'' کے عموم سے ثابت ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہوسکتا ہے حضرات فقہاء نے یہ جو شرط بیان کی ہے کہ اعتکاف صرف اس مسجد میں ہوسکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہو غیر آباد مسجد جہاں جماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف درست نہیں یہ شرط درحقیقت مسجد کے مفہوم ہی سے مستفاد ہے کیونکہ مساجد کے بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ دوکان مکان وغیرہ میں ہوسکتی ہے۔

(معارف القرآن ا / ۴۵۶، احکام القرآن جصاص ا / ۲۹۴، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۲۲۲، تفسیر خازن ا / ۱۱۹، تفسیرات احمدیہ ۶۱، احکام القرآن تھانوی ا / ۲۶۳، بیان القرآن ا / ۱۲۰)

روزے کی رات میں کھانا پینا بی بی سے مباشرت سب کام حلال ہونا اوپر بیان ہوا۔

حالت اعتکاف میں کھانے پینے کا تو وہی حکم ہے جو سب کے لئے ہے مگر مباشرت نساء کے معاملہ میں الگ ہے کہ وہ رات میں بھی جائز نہیں اس لئے اس آیت میں اسی کا حکم بتایا گیا ہے۔

اعتکاف کے دوسرے مسائل کہ اس کے ساتھ روزہ شرط ہے اور یہ کہ اعتکاف میں مسجد سے نکلنا بغیر حاجت طبعی یا شرعی کے جائز نہیں کچھ اسی لفظ اعتکاف سے مستفاد ہے کچھ رسول

toobaa-elibrary.blogspot.com

کریم ا کے قول وفعل سے۔(معارف القرآن ا/۴۵۶، احکام القرآن جصاص ا/۳۰۰)

روزے کے معاملے میں احتیاط کا حکم

آخر آیت میں ''تِلْکَ حُدُوْدُ اللہ فَلاَ تَقْرَبُوْھَا'' فرما کر اشارہ کر دیا کہ روزے میں کھانے پینے اور مباشرت کی جو ممانعت ہے یہ اللہ کے حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ قریب جانے سے حد شکنی کا احتمال ہے اسی لئے روزہ کی حالت میں کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے جس سے پانی اندر جانے کا خطرہ ہے منہ کے اندر کوئی دوا استعمال کرنا مکروہ ہے بی بی سے بوس وکنار مکروہ ہے اسی طرح سحری کھانے میں احتیاطاً وقت ختم ہونے سے دو چار منٹ پہلے ختم کرنا اور افطار میں دو تین منٹ مؤخر کرنا بہتر ہے۔اس میں بے پرواہی اور سہل انگاری اس ارشادِ خداوندی کے خلاف ہے۔

(معارف القرآن ا/۴۵۶، بیان القرآن ا/۱۲۰)

ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ

''وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ''۔(البقرہ:۱۸۸)

ترجمہ:اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔(۱۸۸)

(آسان ترجمۂ قرآن ا/۱۲۳)

اس آیت میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی ممانعت ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس طرح اس سے پہلے اسی سورۂ بقرہ کی آیت نمبر (۱۶۸) میں حلال طریقہ پر حاصل کرنے اوراستعمال کرنے کی اجازت کا بیان گذر چکا ہے،جس میں ارشاد ہے:

”یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین“

ترجمہ: اے لوگوں کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو چیزیں حلال اور سُتھری ہیں اور شیطان کے قدم پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اور سورۂ نحل میں ہے:

”فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہ حَلٰلاً طَیِّبًا وَّ اشْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ“(نحل: ۱۱۴)

ترجمہ: کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۵۸،احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۰۷،بیان القرآن ۱/ ۱۲۲)

حصول مال کے باطل طریقے

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اس ارشاد خداوندی کے الفاظ عام ہیں کہ باطل اور ناجائز طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ اس میں کسی کا مال غصب کر لینا بھی داخل ہے چوری اور ڈاکہ بھی جس میں دوسرے پر ظلم کر کے مال چھین لیا جاتا ہے اور سود قمار رشوت اور تمام بیوع فاسدہ اور معاملات فاسدہ بھی جواز روئے شرع جائز نہیں اگرچہ فریقین کی رضامندی بھی متحقق ہو۔

جھوٹ بول کر یا جھوٹی قسم کھا کر کوئی مال حاصل کر لینا یا ایسی کمائی جس کو شریعت اسلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے ممنوع قرار دیا ہے اگر چہ اپنی جان کی محنت ہی سے حاصل کی گئی ہو وہ سب حرام اور باطل ہیں اور قرآن کے الفاظ میں اگر چہ صراحۃً کھانے کی ممانعت مذکور ہے لیکن مراد اس جگہ صرف کھانا ہی نہیں بلکہ مطلقاً استعمال کرنا ہے خواہ کھا پی کر یا پہن کر یا دوسرے طریقہ کے استعمال سے مگر محاورات میں ان سب قسم کے استعمال کو کھالینا ہی بولا جاتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں کا مال کھا گیا اگر چہ وہ مال کھانے پینے کے لائق نہ ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۶۰، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۰۴، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۲۵ تفسیرات احمد ۶۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۷۴)

آیت مذکورہ کا شان نزول

یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے:

واقعہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام میں سے دو صحابیوں کا آپس میں ایک زمین پر جھگڑا ہوا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا مدعی کے پاس گواہ نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرعی ضابطہ کے مطابق مدعی علیہ کو حلف کرنے کا حکم دیا وہ حلف پر آمادہ ہو گیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور نصیحت ان کو یہ آیت سنائی:

”ان الذین یشترون بعهد اللہ و ایمانم ثمنا قلیلا۔“

جس میں قسم کھا کر مال حاصل کرنے پر وعید مذکور ہے صحابی نے جب یہ آیت سنی تو قسم کھانے کو ترک کر دیا اور زمین مدعی کے حوالہ کر دی۔ (روح المعانی)

اس واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں ناجائز طریقہ پر کسی کا مال کھانے یا حاصل کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے آخر میں خاص طور پر جھوٹا مقدمہ بنانے اور جھوٹی قسم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کھانے اور جھوٹی شہادت دینے اور دلوانے کی سخت ممانعت اور اس پر وعید آئی ہے۔

ارشاد ہے:

"وتدلو بھا الی الحکام لتا کلو افریقا من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون"

یعنی نہ لے جاؤ اموال کے مقدمات حکام تک تاکہ ان کے ذریعہ تم لوگوں کے اموال کا کوئی حصہ کھا جاؤ بطریق گناہ جب کہ تم جانتے بھی ہو کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں، تم جھوٹا مقدمہ بنا رہے ہو و انتم تعلمون سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی مغالطہ کی بناء پر اس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے وہ اگر عدالت میں دعویٰ دائر کر کے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۶۰، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۰۴)

اسلامی اعتبار سے قمری حساب کو اختیار کرنا چاہیے

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ"۔ (البقرہ: ۱۸۹)

ترجمہ: پوچھتے ہیں تجھ سے حال نئے چاند کا، کہہ دے کہ وہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے اور یہ نیکی نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہونچو۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۶۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

قمری اور شمسی حساب کی شرعی حیثیت

اس آیت سے تو اتنا معلوم ہوا کہ چاند کے ذریعہ تمہیں تاریخوں اور مہینوں کا حساب معلوم ہو جائے گا جس پر تمہارے معاملات اور عبادات حج وغیرہ کی بنیاد ہے۔

اس مضمون کو سورۂ یونس کی آیت میں اس عنوان سے بیان فرمایا ہے:

"وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابِ" (یونس)

جس سے معلوم ہوا چاند کو مختلف منزلوں اور مختلف حالات سے گذارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سال اور مہینوں اور تاریخوں کا حساب معلوم ہو سکے مگر سورۂ بنی اسرائیل میں اس حساب کا تعلق آفتاب سے بھی بتلایا گیا ہے وہ یہ ہے:

"فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ"۔ (سورۂ بنی اسرائیل ع ۲)

ترجمہ: پھر مٹایا رات کا نمونہ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب۔

اس تیسری آیت سے اگرچہ یہ ثابت ہوا کہ سال اور مہینوں وغیرہ کا حساب آفتاب سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ (کماذکرہ فی روح المعانی)

لیکن چاند کے معاملہ میں جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ان سے واضح اشارہ اس طرف نکلتا ہے کہ شریعت اسلام میں حساب چاند ہی کا متعین ہے خصوصاً ان عبادات میں جن کا تعلق کسی خاص مہینہ اور اس کی تاریخوں سے ہے جیسے روزۂ رمضان حج کے مہینے حج کے ایام محرم شب برأۃ وغیرہ سے جو احکام متعلق ہیں وہ سب رویت ہلال سے متعلق کئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

گئے ہیں کیونکہ اس آیت میں ھی مواقیت للناس والحج فرما کر بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حساب چاند ہی کا معتبر ہے اگر چہ یہ حساب آفتاب سے بھی معلوم ہوسکتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۶۸، تفسیرات احمدیہ ۶۴، بیان القرآن ۱/ ۱۲۲، ۱۲۳، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۹۹)

قمری حساب کو اختیار کرنے کی وجہ

شریعت اسلام نے چاند کے حساب کو اسی لئے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے عالم جاہل دیہاتی جزیروں میں پہاڑوں کے رہنے والے جنگل سب کو اس کا علم آسان ہے بخلاف شمسی حساب کے کہ وہ آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اس کو پسند کیا جو عبادات اسلام کا ذریعہ ہے اور ایک طرح اسلامی شعار ہے، اگر چہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا، شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہوجائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات روزہ وحج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے جیسا اس زمانہ میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے، یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرت قومی وملی کا بھی دیوالیہ پن ہے اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں باقی نجی خط وکتابت اور روزہ مرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہوگا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۶۸ بیان القرآن ۱/ ۱۲۲، ۱۲۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

علامہ ظفر احمد تھانوی نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر (۱۸۹) کی تفسیر اور احکام شریعت کے بیان میں احکام القرآن میں تحریر فرمایا:

حساب شمسی مکاتبات اور مخاطبات اور معاملات میں جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ اور خلاف سنت رسول اور صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے اور فرمایا کہ جب احکام شرعیہ کا مدار عبادات دینیہ کا مدار حساب قمری پر ہے تو اس کی حفاظت اور اس کا ضبط کرنا اور اس کا خیال رکھنا فرض کفایہ ہے اس کے حفظ وضبط کا احسن طریقہ یہ ہے کہ روزہ مرہ کے مکاتبات اور معاملات اور مخاطبات میں استعمال کیا جائے یہ بھی عبادت ہے پس حساب قمری کا استعمال مطلوب شرعی ہوا پس ایک مسلمان سے بعید ہے کہ وہ مطلوب شرعی کو ترک کرے اور حساب شمسی کو اختیار کرے جو مطلوب شرعی کی ضد ہے۔

(احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۷۹، بیان القرآن ۱/ ۱۲۳)

شریعت میں جو چیزیں ضروری نہیں ان کو ضروری سمجھنا جائز نہیں

”وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ“۔(البقرہ: ۱۸۹)

ترجمہ: اور یہ نیکی نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت سے اور لیکن نیکی یہ کہ جو کوئی ڈرے اللہ سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہونچو۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۶۴)

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکل آیا کہ جس چیز کو شریعت اسلام نے ضروری یا عبادت نہ سمجھا ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری اور عبادت سمجھنا جائز نہیں اسی طرح جو چیز شرعاً جائز

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے ان لوگوں نے ایسا ہی کر رکھا تھا کہ گھر کے دروازوں سے داخل ہونا جو شرعاً جائز تھا اس کو گناہ قرار دیا اور مکان کی پشت سے دیوار توڑ کر آنا جو شرعاً ضروری نہیں تھا اس کو ضروری سمجھا اسی پر ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو فرض وواجب کی طرح ضروری سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام وناجائز قرار دے دیا جاتا ہے اس آیت سے ایسا کرنے کی ممانعت واضح طور پر ثابت ہوگئی جس سے ہزاروں اعمال کا حکم معلوم ہوگیا۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۶۹، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۱۰، ۳۱۱، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۳۱،
تفسیرات احمدیہ ۶۴، ۶۵، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۸۱، بیان القرآن ۱/ ۱۲۳)

جہاد فی سبیل اللہ کا حکم

”وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۱۹۰)
وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ“ (البقرہ: ۱۹۱)

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور کسی پر زیادتی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنے والوں کو، اور مار ڈالو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور دین سے بچلانا (یعنی شرارت کرنا) مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے، اور نہ لڑو ان سے مسجدِ حرام کے پاس جب تک کہ وہ نہ لڑے تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑے تو ان کو مارو یہی ہے سزاء کافروں کی۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۶۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ ہجرت مدینہ سے پہلے کفار کے ساتھ جہاد وقتال ممنوع تھا، اس کی تمام آیات قرآنی میں مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور عفو و درگذر ہی تلقین تھی ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے اس آیت میں قتالِ کفار کا حکم آیا (قالہ الربیع ابن انس وغیرہ) اور صدیق اکبر سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قتال کفار سے متعلق پہلی آیت یہ ہے:

"**اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا**" مگر اکثر صحابہ کرام تابعین کے نزدیک پہلی آیت سورہ بقرہ کی آیت مذکورہ ہی ہے اور صدیق اکبر نے جس کو پہلی فرمایا ہے وہ بھی ابتدائی آیتوں میں ہونے کے سبب پہلی کہی جاسکتی ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۶۹، احکام القرآن ۱/ ۳۱۱، بیان القرآن ۱/ ۱۲۳، ۱۲۴، تفسیرات احمدیہ ۶۵، ۶۶)

اس آیت میں حکم یہ ہے کہ مسلمان صرف ان کافروں سے قتال کریں جو ان کے مقابلہ پر قتال کے لئے آئیں اس سے مراد یہ ہے کہ عورتیں بچے بہت بوڑھے اور اپنے مذہبی شغل میں دنیا سے یکسو ہوکر لگے ہوئے عبادت گذار راہب پادری وغیرہ اور ایسے ہی اپاہج معذور لوگ یا وہ لوگ جو کافروں کے یہاں محنت مزدوری کا کام کرتے ہیں ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ آیت کا حکم صرف ان لوگوں سے قتال کرنے کا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں قتال کریں اور مذکورہ قسم کے سب افراد قتال کرنے والے نہیں اسی لئے فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت یا بوڑھا یا مذہبی آدمی وغیرہ کفار کی طرف سے قتال میں شریک ہوں یا مسلمانوں کے مقابل جنگ میں ان کی مدد کسی طرح سے کررہے ہوں ان کا قتل جائز ہے کیونکہ وہ الذین یقاتلونکم میں داخل ہیں۔ (مظہری، قرطبی، جصاص) (معارف القرآن ۱/ ۴۶۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسول اللہ ﷺ کی ہدایات جو مجاہدینِ اسلام کو بوقت جہاد دی جاتی تھیں ان میں اس حکم کی واضح تشریحات مذکور ہیں۔

صحیح بخاری مسلم میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر ایک حدیث میں ہے: "نھی رسول اللہ عن قتل النساء و الصبیان"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل سے منع فرمایا۔ (معارف القرآن ۱/۴۷۰)

اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتداء جہاد کی ممانعت صرف مسجد حرام کے آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے اسی طرح ابتدائی جہاد وقتال بھی درست ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۷۱، احکام القرآن جصاص ۱/۳۱۲، ۳۱۳، بیان القرآن ۱/۱۲۵)

جہاد کے لئے مال خرچ کرنے کا حکم

"وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَ اَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ"۔ (البقرہ:۱۹۵)

ترجمہ: اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور نیکی کرو، بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔ (معارف القرآن ۱/۴۷۱)

"وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ"

اس میں مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ جہاد کے لئے بقدر ضرورت اپنے اموال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریں، اس سے فقہاء نے یہ بھی حکم نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوۃ فرض کے علاوہ بھی دوسرے حقوق فرض ہیں مگر وہ نہ دائمی ہیں اور نہ ان کے لئے کوئی نصاب اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدار متعین ہے بلکہ جب اور جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے اور ضرورت نہ ہو تو کچھ فرض نہیں جہاد کا خرچ بھی اسی میں داخل ہے۔

(معارف القرآن ۱ / ۴۷۴، احکام القرآن لابن عربی ۱ / ۱۱۵، بیان القرآن ۱ / ۱۲۵)

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" کے لفظی معنی تو ظاہر ہیں کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت بیان فرمائی ہے اب یہ بات کہ ہلاکت میں ڈالنے سے اس جگہ کیا مراد ہے۔

اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، امام جصاص رازیؒ نے فرمایا ہے کہ ان سب اقوال میں کوئی تضاد نہیں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے ہم اس کی تفسیر بخوبی جانتے ہیں بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطاء فرمادیا تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال وجائیداد کی خبر گیری کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے یہ بتلادیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ ترک جہاد مسلمانوں کی ہلاکت وبربادی کا سبب ہے اسی لئے حضرت ابوایوب انصاری نے عمر جہاد میں صرف کردی یہاں تک کہ اخیر میں قسطنطنیہ میں شہید ہو کر وہیں مدفون ہوئے۔

(معارف القرآن ۱ / ۴۷۴، احکام القرآن تھانوی ۱ / ۲۸۹، احکام القرآن جصاص ۱ / ۳۱۸، احکام القرآن لابن عربی ۱ / ۱۱۵، ۱۱۶)

حضرت ابن عباس حذیفہ قتادہ مجاہد ضحاک ائمہ تفسیر سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت براء بن عازب نے فرمایا کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت ومغفرت سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مایوس ہوجانا اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنا ہے، اسی لئے مغفرت سے مایوس ہونا حرام ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہوجائیں یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے ایسا اسراف جائز نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ایسی صورت میں قتال کے لئے اقدام کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جبکہ اندازہ ظاہر ہے کہ دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے خود ہلاک ہوجائیں گے ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر ناجائز ہے، اور جصاصؒ کے فرمانے کے مطابق یہ سب ہی احکام اس آیت سے مستفاد ہوتے ہیں۔

"وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ"

اس جملہ میں ہر کام کو اچھی طرح کرنے کی ترغیب ہے اور کام کو اچھی طرح کرنا جس کو قرآن میں احسان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے دو طرح کا ہے ایک عبادت میں دوسرے آپس میں معاملات ومعاشرت میں عبادت میں احسان کی تفسیر حدیث جبرئیل میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسی عبادت کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد تو لازم ہی ہے کہ خدا تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

اور معاملات ومعاشرت میں احسان کی تفسیر مسند احمد میں بروایت حضرت معاذ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمائی کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے بُرا سمجھتے ہو وہ دوسروں کے لئے بھی بُرا سمجھو۔ (مظہری)

(معارف القرآن ۱/ ۴۷۵، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۱۶، ۱۱۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام حج وعمرہ

”وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ“۔ (البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم لوگ روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب تک نہ پہنچ چکے قربانی اپنے ٹھکانہ پر پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزہ رکھے تین حج کے دنوں میں سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے، یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ ہو مسجدِ حرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔(معارف القرآن ۱/ ۴۷۵)

حج باجماع امت اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن اور فرائض اسلام میں سے ایک اہم فرض ہے جس کی تاکید واہمیت قرآن کریم کی بہت سی آیات اور بے شمار احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۸۰، بیان القرآن ۱/ ۱۲۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی آیت میں فرضیت حج کے شرائط کا بیان اور باوجود قدرت ہونے کے حج نہ کرنے پر سخت وعید مذکور ہے۔

مذکورۃ الصدر آٹھ آیتوں میں سے پہلی آیت ’’وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ‘‘ باتفاق مفسرین قصہ حدیبیہ میں نازل ہوئی جو ۶ ھ میں واقع ہوا ہے اسی سے یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج کی فرضیت بتلانا نہیں وہ پہلے بتلائی جا چکی ہے بلکہ اس جگہ حج وعمرہ کے کچھ احکام بتلانا مقصود ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۸۰)

حج اور عمرہ شروع کرنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے

اور چونکہ سورۂ آل عمران جس میں حج کا فرض ہونا مذکور ہے اس میں صرف حج ہی کا ذکر ہے عمرہ کا نہیں اور یہ آیت جس میں عمرہ کا ذکر ہے اس میں اصل وجوب وفرضیت کا بیان نہیں بلکہ اس کا ذکر ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کو بذریعۂ احرام شروع کردے تو اس کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے جیسا عام نفلی نماز اور روزہ کا بھی حکم یہی ہے کہ شروع کرنے سے واجب ہوجاتے ہیں اس لئے اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا کہ عمرہ واجب ہے یا نہیں ہے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شروع کردے تو اس کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے ابن کثیر نے بحوالۂ ترمذی احمد بیہقی حضرت جابر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ سے سوال کیا کہ عمرہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا واجب تو نہیں لیکن کرلو تو بہتر وافضل ہے۔ (قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح) اس وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں سنت ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۸۰، ۴۸۱، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۲۰، تفسیرات احمدیہ ۶۹، ۷۰، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۹۲، بیان القرآن ۱/ ۱۲۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

احرام کے بعد کوئی مجبوری پیش آجائے حج وعمرہ نہ کرسکیں تو کیا کریں؟

”وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ“۔

(البقرہ:۱۹٦)

ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے پھر اگر تم لوگ روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب تک نہ پہنچ چکے قربانی اپنے ٹھکانہ پر پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزہ رکھے تین حج کے دنوں میں سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے، یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ ہو مسجدِ حرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۷۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ آیت چونکہ واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا کفار مکہ نے مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ احرام کا فدیہ ایک قربانی دینا ہے بکری گائے اونٹ وغیرہ کی جو آسان ہو قربانی دے کر احرام کھول دیں مگر ساتھ ہی اگلے جملے ”وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ“ میں یہ بھی بتلا دیا کہ احرام کھولنا جس کی شرعی صورت سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا ہے اس وقت جائز نہیں جب تک مُحرِم کی قربانی اپنے موقع پر پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے۔

موقع پر پہونچنے سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ حدود حرم میں پہنچ کر ذبح کی جائے خود نہ کرے کر سکیں تو کسی دوسرے سے کرا دیں۔

اس آیت میں مجبوری کی یہ صورت کہ کوئی دشمن حائل ہو جائے صراحۃً مذکور ہے امام اعظم ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ نے بیماری وغیرہ کی مجبوری کو بھی اس میں باشتراک علت داخل قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے عملی بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ مجبوری کی حالت میں قربانی دے کر احرام کھول دینا جائز ہے مگر بعد میں قضاء کرنا واجب ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ نے اگلے سال عمرہ کی قضاء کی ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۱، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۲۵، احکام القرآن ۱/ ۲۹۵، بیان القرآن ۱/ ۱۲۷)

حالت احرام میں بال منڈوانے پر کوئی مجبور ہو جائے تو کیا کرے؟

” فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

لَّمۡ یَکُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِی الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ‘‘

(البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا خیرات یا قربانی پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزہ رکھے تین حج کے دنوں میں سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے، یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ ہو مسجدِ حرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔(معارف القرآن ا/ ۴۷۵)

تفسیر

اس میں ارشاد فرمایا کہ اگر کسی بیماری کے سبب سر یا بدن کے کسی دوسرے حصہ کے بال منڈانے کی مجبوری ہو یا سر میں جوئیں پیدا ہو کر تکلیف دے رہی ہوں تو ایسی صورت میں بال منڈانا بقدر ضرورت جائز ہے مگر اس کا فدیہ اور بدلہ یہ ہے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے قربانی کے لئے تو حدود حرم کی جگہ متعین ہے روزے اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہر جگہ ادا ہو سکتا ہے قرآن کے الفاظ میں صیام کا کوئی عدد اور صدقہ کی کوئی مقدار مذکور نہیں ہے مگر حدیث میں رسول اللہ ا نے حضرت کعب بن عجرہ صحابی کی ایسی ہی حالت میں یہ فرمایا کہ تین روزے رکھیں یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم بطور صدقہ دے دیں۔(صحیح بخاری)

آدھا صاع ہمارے اسّی تولہ کے سیر کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر گندم ہوتے ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کی قیمت صدقہ کردینا بھی کافی ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۸۱، ۴۸۲، احکام القرآن جصاص ۱/۳۲۷، احکام القرآن قرطبی ۲/۲۵۶،
احکام القرآن تھانوی ۱/۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۶، بیان القرآن ۱/۱۲۷)

حج کے مہینہ میں حج وعمرہ کو جمع کرنے کے احکام

”فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ“۔

(البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ ملا کر حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو میسر ہو قربانی سے پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزہ رکھے تین حج کے دنوں میں سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے پورے، یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ ہو مسجدِ حرام کے پاس اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(معارف القرآن ۱/۴۷۵)

تفسیر

اسلام سے پہلے عرب اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی ماہ شوال شروع ہو جائے تو ان ایام مین حج وعمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے اس آیت کے آخری حصہ میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کردی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج وعمرہ دونوں کو اشہر حج میں جمع کرنا ممنوع رکھا گیا کیونکہ ان کو اشہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

حج کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے جمع کرنا جائز قرار دیا کہ دور دراز سے عمرہ کے لئے مستقل سفر کرنا ان کے لئے آسان نہیں۔

(معارف القرآن ۱ / ۴۸۲، احکام القرآن جصاص ۱ / ۳۴۳، بیان القرآن ۱ / ۱۲۷)

میقات کس کو کہتے ہیں؟

میقات وہ معین مقامات ہیں جو اطراف عالم سے مکہ آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب بقصد مکہ آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام کے یہاں سے آگے بڑھنا جرم و گناہ ہے۔

”لمن لم یکن اهله حاضری المسجد الحرام“ کا یہی مفہوم ہے کہ جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے قرب وجوار یعنی حدودِ میقات کے اندر نہیں رہتے مقصد یہ ہے کہ اس کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں ہے اس کے لئے حج وعمرہ کو اشہر حج میں جمع کرنا جائز ہے۔

البتہ جو لوگ حج وعمرہ کو اشہر حج میں جمع کریں ان پر واجب ہے کہ دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کا شکرانہ ادا کریں وہ یہ ہے کہ جس کی قربانی دینے کی قدرت ہو وہ ایک قربانی دے دے بکرے گائے اونٹ جو اس کے لئے آسان ہو لیکن جس شخص کی مالی حیثیت قربانی ادا کرنے کے قابل نہیں اس پر دس روزے اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو ایام حج کے اندر ہی رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے وہیں مکہ مکرمہ میں رہ کر پورے کرے یا گھر واپس آ کر اختیار ہے اگر کوئی شخص تین روزے ایام حج میں نہ رکھ سکا تو پھر امام ابوحنیفہ اور اکابر

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحابہ کے نزدیک اس کے لئے قربانی کرنا ہی متعین ہے جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرا دے۔

(جصاص)(معارف القرآن ۱/ ۴۸۲، احکام القرآن ۱/ ۳۵۹، بیان القرآن ۱/ ۱۲۷)

احکام حج وعمرہ میں خلاف ورزی اور کوتاہی موجب عذاب ہے

”وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ“۔(البقرہ:۱۹۶)

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۷۵)

تفسیر

آخر آیت میں اول تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرنے اور بچنے کے۔

اس کے بعد فرمایا ”وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ“ یعنی جو شخص جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے آج کل حج وعمرہ کو جانے والے بکثرت اس سے غافل ہیں اول تو حج وعمرہ کے احکام معلوم کرنے کی ہی پوری کوشش نہیں کرتے پھر معلوم بھی ہو تو بکثرت ان کے مطابق عمل نہیں کرتے غلط کار معلموں اور ساتھیوں کی بے پرواہی سے بہت سے واجبات تک چھوٹ جاتے ہیں۔ اور آداب وسنن کا تو کہنا کیا اللہ تعالیٰ سب کو اصلاح عمل کی توفیق عطاء فرماویں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۳، بیان القرآن ۱/ ۱۲۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام حج کی آٹھ آیتوں میں سے دوسری آیت

اور اس سے ثابت شدہ احکام

"اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ"۔(البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں معلوم پھر جس شخص نے لازم کرلیا ان میں سے حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا، اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زادِراہ لے لیا کرو بے شک بہتر فائدہ زادِراہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندوں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۷۶)

تفسیر

"اشھر""شھر" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مہینہ پچھلی آیت میں یہ بتلایا گیا تھا کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھے تو اس پر لازم آتا ہے کہ اس کے احکام پورے ادا کرے ان دونوں میں عمرہ کے لئے تو کوئی تاریخ اور مہینہ مقرر نہیں سال بھر میں جب چاہیں کر سکتے ہیں لیکن حج کے لئے مہینے اور اس کے افعال واعمال کے لئے خاص تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں اس لئے اس آیت کے شروع میں یہ بتلایا کہ حج کا معاملہ عمرہ کی طرح نہیں اس کے لئے کچھ مہینے مقرر ہیں جو معروف ومشہور ہیں جاہلیت عرب سے لے کر زمانۂ اسلام تک

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہی مہینے حج کے مقرر رہے ہیں وہ مہینے شوال ذی قعدہ اور دس روز ذی الحجہ کے ہیں جیسا کہ حدیث میں بروایت ابوامامہ ابن عمر منقول ہے۔(مظہری)

شوال سے حج کے مہینے شروع ہونے کا حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں بعض ائمہ کے نزدیک تو قبل شوال کے احرام سے حج کی ادائیگی ہی نہیں ہوسکتی امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس احرام سے حج تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہوگا۔(مظہری)

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۳، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۶۹،تفسیرات احمدیہ ۷۳)

حج کے کچھ منفی آداب واحکام

"اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ"۔(البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ: حج کے چند مہینے ہیں معلوم پھر جس شخص نے لازم کر لیا ان میں سے حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا، اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زادِراہ لے لیا کرو بے شک بہتر فائدہ زادِراہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندوں۔(معارف القرآن ۱/ ۴۷۶)

"فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ"۔
(البقرہ:۱۹۷)

اس میں حج کا احرام باندھنے والے کے لئے کچھ منفی آداب واحکام کا بیان ہے جس سے حالتِ احرام میں پرہیز کرنا لازم وواجب ہے وہ تین چیزیں ہیں:

toobaa-elibrary.blogspot.com

[۱] رفث [۲] فسوق [۳] جدال

رفث ایک لفظ جامع ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ ان کی کھلی گفتگو بھی داخل ہے۔

محرم کو حالت احرام میں یہ سب چیزیں حرام ہیں تعریض و کنایہ کا مضائقہ نہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۴، تفسیرات احمدیہ ۷۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۴۱، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۳۳، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۷۲، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۴۷۰، ۲۷۱)

فسوق کا مصداق اور اس کی وضاحت

فسوق کے لفظی معنی خروج کے ہیں اصطلاح قرآن میں عدول حکمی اور نافرمانی کو فسوق کہا جاتا ہے جو اپنے عام معنی کے اعتبار سے سب گناہوں کو شامل ہے اسی لئے بعض حضرات نے اس جگہ عام معنی ہی مراد لئے ہیں مگر حضرت عبداللہ ابن عمر نے اس جگہ فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے یعنی وہ کام جو حالت احرام میں ممنوع و ناجائز ہیں اور ظاہر ہے کہ اس مقام کے مناسب یہی تفسیر ہے کیونکہ عام گناہوں کی ممانعت احرام کے ساتھ خاص نہیں ہر حال میں حرام ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۴، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۷۳)

وہ چیزیں جو اصل کے اعتبار سے گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں

وہ چھ چیزیں ہیں:

(۱) اول عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی۔

(۲) برّی جانوروں کا شکار خود کرنا یا شکاری کو بتلانا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) بال یا ناخن کٹوانا۔

(۴) خوشبو کا استعمال۔

یہ چار چیزیں تو مرد و عورت دونوں کے لئے حالتِ احرام میں ناجائز ہیں، باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں۔

(۵) یعنی سلے ہوئے کپڑے پہننا۔

(٦) سر اور چہرے کو ڈھانپنا۔

امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک کے نزدیک چہرہ کو ڈھانپنا حالتِ احرام میں عورت کے لئے بھی ناجائز ہے اس لئے یہ بھی مشترک محظوراتِ احرام میں شامل ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۴، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۷۱، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۴۲، ۳۴۳، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۳۴)

جدال کا مصداق اور اس کی وضاحت

"فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ"۔ (البقرہ:۱۹۷)

"جدال کے معنی ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کے ہیں، اس لئے سخت قسم کے جھگڑے کو جدال کہا جاتا ہے یہ لفظ بھی بہت عام ہے اور بعض حضرات مفسرین نے عام ہی معنی مراد لئے ہیں، اور بعض حضرات نے مقام حج و احرام کی مناسبت سے اس جگہ جدال کے معنی یہ لئے ہیں کہ جاہلیتِ عرب کے لوگ مقام وقوف میں اختلاف رکھتے تھے کچھ لوگ عرفات میں وقوف کرنا ضروری سمجھتے تھے جیسا کہ حقیقت ہے اور کچھ لوگ مزدلفہ میں وقوف ضروری کہتے تھے عرفات میں جانے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اسی کو موقف ابراہیم قرار

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیتے تھے اسی طرح اوقات حج کے معاملہ میں بھی اختلاف تھا کچھ لوگ ذی الحجہ میں حج کرتے تھے اور کچھ لوگ ذی قعدہ میں بھی کر لیتے تھے اور پھر ان معاملات میں باہمی نزاعات اور جھگڑے ہوتے تھے ایک دوسرے کو گمراہ کہتا تھا قرآن کریم نے لا جدال فرما کر ان جھگڑوں کا خاتمہ فرما دیا اور جو بات حق تھی کہ وقوف فرض عرفات میں اور پھر وقوف واجب مزدلفہ میں کیا جائے اور حج صرف ذی الحجہ کے ایام میں کیا جائے اس کا اعلان کر کے اس کے خلاف جھگڑا کرنے کو ممنوع کر دیا۔(معارف القرآن ا / ۴۸۴،۴۸۵،احکام القرآن جصاص ا / ۳۷۳،احکام القرآن قرطبی ۲ /۲۷۱،احکام القرآن تھانوی ا / ۳۴۷،احکام القرآن لابن عربی ا / ۱۳۵)

محظورات سے بچنے کے بعد ذکر اللہ عبادت اور نیک کام میں مشغول رہنے کا حکم

”فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَ اتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ“۔

(البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ: پھر جس شخص نے لازم کر لیا ان میں سے حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا، اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے اور زادِراہ لے لیا کرو بے شک بہتر فائدہ زادِراہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندوں۔

(معارف القرآن ا /۴۷۶)

محظورات وممنوعات احرام بیان فرمانے کے بعد آخر میں اس جملے میں یہ ہدایت دی گئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ حج کے مبارک ایام اور مقدس مقامات میں تو صرف یہی نہیں کہ محظورات اور گناہوں سے بچو بلکہ غنیمت جان کر عبادت وذکر اللہ اور نیک کاموں میں لگ رہو تم جو بھی نیک کام کروگے وہ اللہ کے علم میں ہے اور تمہیں اس پر بڑے انعامات ملیں گے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۸۶، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۷۴، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۷۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۴۸)

حجاج کی ایک غلطی کی اصلاح

”وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی وَاتَّقُوۡنِ یٰاُولِی الۡاَلۡبَابِ“۔(البقرہ:۱۹۷)

ترجمہ: اور زادِراہ لے لیا کرو بے شک بہتر فائدہ زادِراہ کا بچنا ہے سوال سے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندوں۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۷۶)

اس میں ان لوگوں کی اصلاح ہے جو حج وعمرہ کے لئے بے سروسامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں پھر راستہ میں بھیک مانگنی پڑتی ہے یا خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں ان کی ہدایت کے لئے حکم ہوا سفر حج کے لئے ضروریات سفر ساتھ لینا چاہئے یہ توکل کے منافی نہیں بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب ووسائل کو اپنے مقدور کے مطابق حاصل اور جمع کرے پھر اللہ پر توکل کرے رسول کریم اسے توکل کی یہی تفسیر منقول ہے بالکل ترکِ اسباب کا نام توکل رکھنا جہالت ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۶، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۷۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۴۹، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۳۵)

سفر حج میں تجارت یا مزدوری کرنا کیسا ہے؟

”لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ"(البقرہ:۱۹۸)

ترجمہ: کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعرِ الحرام کے اور اس کو یاد کروں جس طرح تم کو سکھلایا اور بے شک تم تھے اس سے پہلے ناواقف۔ (معارف القرآن ا/۴۷۶)

یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سفرِ حج میں تجارت یا مزدوری کے ذریعہ کچھ روزی کما لو اور اللہ کا دیا ہوا رزق حاصل کرو۔

واقعہ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نے جس طرح تمام عبادات و معاملات کو فسخ کر کے طرح طرح کی بے ہودہ رسمیں ان میں شامل کر دی تھیں اور عبادات کو بھی کھیل تماشہ بنا دیا تھا اسی طرح افعال حج میں بھی طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے منی کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے نمائش ہوتی تھی تجارتوں کے فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا تو ان تمام بے ہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا صحابۂ کرام جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے اب ان کو یہ خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کما لینا یہ جاہلیت کی پیداوار ہے شاید اسلام میں اس کی مطلقا حرمت و ممانعت ہو جائے یہاں تک کہ ایک صاحب حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور یہ سوال کیا کہ ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں اور حج کرتے ہیں کیا ہمارا حج نہیں ہوگا حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

"لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ"

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ ہاں تمہارا حج صحیح ہے۔

الغرض اس آیت نے یہ واضح کر دیا اگر کوئی شخص دوران حج میں کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے ہاں کفار عرب نے جو حج کو تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنالیا تھا اس کی اصلاح قرآن کے دو لفظوں سے کر دی گئی:

(۱) ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ کا فضل اور عطاء سمجھ کر حاصل کریں شکر گزار ہوں محض سرمایہ سمجھنا مقصد نہ ہو، **فضلامن ربکم** میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) دوسرے **لا جناح علیکم** کے لفظ نے یہ بتلا دیا کہ اس کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں، جس میں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے اور حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اس کا مدار اصل نیت پر ہے اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا مزدوری ہے اور حتمی طور پر حج کا بھی قصد کر لیا یا نفع تجارت اور مقصد حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تب تو یہ اخلاص کے خلاف ہے حج کا ثواب اس سے کم ہو جائے گا اور برکات حج جیسی حاصل ہونی چاہئے وہ حاصل نہ ہوں گی اور اگر اصل نیت حج کی ہے اسی کے شوق میں نکلا ہے لیکن مصارفِ حج میں یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے کوئی معمولی تجارت یا مزدوری کر لی یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ ایام میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت ومزدوری کا نہ رکھے بلکہ ان ایام کو خالص عبادت وذکر میں گذارے اسی وجہ سے بعض علماء نے خاص ان ایام میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

تجارت ومزدوری کوممنوع بھی فرمایا ہے۔

(معارف القرآن ا / ۴۸۶، ۴۸۷، احکام القرآن جصاص ا / ۳۷۴، ۳۷۵، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۲۷۴،
احکام القرآن تھانوی ا / ۳۵۰، ۳۵۲، احکام القرآن لابن عربی ا / ۱۳۵، ۱۳۶، بیان القرآن ا / ۱۲۹، ۱۳۰)

عرفات اور مزدلفہ میں وقوف اور ان کے احکام

"فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّآلِّينَ" (البقرہ:۱۹۸)

ترجمہ: کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا پھر جب طواف کے لئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعرِ الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بے شک تم تھے اس سے پہلے ناواقف۔ (معارف القرآن ا / ۴۷۶)

"فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ" الخ۔

پھر جب تم عرفات سے آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو بتلا رکھا ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے تم محض ہی ناواقف تھے۔

اس میں بتلایا گیا ہے کہ عرفات سے واپسی میں رات کو مزدلفہ میں قیام اور اس کا خاص ذکر واجب ہے۔

(معارف القرآن ا / ۴۸۷، ۴۸۸، احکام القرآن جصاص ا / ۳۷۶، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۲۷۹،
احکام القرآن لابن عربی ا / ۱۳۷، ۱۳۸، بیان القرآن ا / ۱۲۹، ۱۳۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حج کے درمیان ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں

"وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ"

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد اور ذکر کے لئے جو طریقہ بتلایا ہے اسی طرح اس کو یاد کرو اپنی رائے اور قیاس کو اس میں دخل نہ دو کیونکہ رائے اور قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ مغرب کی نماز مغرب کے وقت میں پڑھی جاتی عشاء کی عشاء کے وقت میں لیکن اس روز اس مقام پر حق تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ مغرب کی نماز مؤخر کی جائے اس کو عشاء کے ساتھ پڑھا جائے۔

ارشاد قرآنی: وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰكُمْ"(البقرہ:۱۹۸) سے ایک اور اصولی مسئلہ نکل آیا۔

اصولی مسئلہ

وہ یہ ہے کہ ذکر اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں ان کے موافق کرنا ہی عبادت ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اس میں کمی بیشی یا مقدم ومؤخر کرنا خواہ اس میں ذکر اللہ کی زیادتی بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں نفلی عبادات اور صدقہ وخیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیل شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافہ کر لیتے ہیں اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطاوار سمجھتے ہیں اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا کہ وہ اہل جاہلیت کی سی عبادت ہے کہ اپنی رائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی تھیں اور چند رسموں کا نام عبادت رکھ لیا تھا۔
(معارف القرآن ۱/ ۴۸۹، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۸۲)

انسانی مساوات کا زریں سبق اور اس کی بہترین عملی صورت

”ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔
(البقرہ:۱۹۹)

ترجمہ: پھر طواف کے لئے پھر و جہاں سے سب لوگ پھرے اور مغفرت چاہو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۷۶)

تفسیر

اس جملے کا شانِ نزول یہ ہے کہ قریشِ عرب جو بیت اللہ کے محافظ و مجاور تھے اور سارے عرب میں ان کا اقتدار تھا اور ان کی ممتاز حیثیت تھی زمانۂ جاہلیت میں وہ اپنی امتیازی شان بنانے کے لئے یہ حرکت کرتے تھے اور سب لوگ تو عرفات کو جاتے تھے اور وہاں وقوف کر کے واپس آتے تھے یہ لوگ راستہ میں مزدلفہ کے اندر ہی ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم چونکہ بیت اللہ اور حرم کے مجاور ہین اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں ہے مزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے اور عرفات اس سے خارج ہے یہ بہانہ کر کے مزدلفہ میں قیام کر لیتے اور وہیں سے واپس آ جایا کرتے تھے اور در حقیقت وجہ اس حیلہ بہانہ کی اپنا فخر و غرور اور عام لوگوں سے ممتاز رہنا تھا حق تعالیٰ کے اس فرمان نے ان کی غلط کاری واضح فرما دی اور ان کو حکم دیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہ تم بھی وہیں جاؤ جہاں سب لوگ جاتے ہیں یعنی عرفات میں اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۹، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۲۸۳)

اول تو عام انسانوں سے اپنے آپ کو ممتاز کر کے رکھنا خود ایک متکبرانہ فعل ہے جس سے ہمیشہ ہی پرہیز لازم خصوصاً حج کے ایام میں جہاں لباس احرام اور پھر قیام ومقام کی یکسانیت کے ذریعہ اسی کا سبق دینا ہے کہ انسان سب برابر ہیں امیر وغریب یا عالم وجاہل یا بڑے چھوٹے کا یہاں کوئی امتیاز نہیں حالت احرام میں یہ امتیازی شان بنانا اور بھی زیادہ جرم ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۸۹)

اصول معاشرت کا ایک اہم باب

اس ارشادِ قرآنی سے اصولِ معاشرت کا ایک اہم باب یہ معلوم ہوا کہ رہن سہن قیام ونظام میں بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں سے الگ ممتاز ہو کر نہ رہیں بلکہ مل جل کر رہیں کہ اس میں باہمی اخوت وہمدردی اور محبت وتعلق پیدا ہوتا ہے اور امیر وغریب کی تفریق مٹتی ہے مزدور وسرمایہ دار کی جنگ ختم ہوتی ہے رسول اللہ نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اس کو خوب واضح کر کے ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں فضلیت کا مدار تقویٰ اور اطاعت خداوندی پر ہے اس لئے جو لوگ ان کے خلاف مزدلفہ میں قیام کر کے اپنی ممتاز حیثیت بنانا چاہتے تھے ان کے اس فعل کو گناہ قرار دے کر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ استغفار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمادیں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

رحمت فرماویں۔ (معارف القرآن ۱/۴۹۰)

ایک اور رسمِ جاہلیت کی اصلاح

اور دین و دنیا کی طلب میں اسلامی اعتدال

”فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (۲۰۰)
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(البقرہ: ۲۰۱)

ترجمہ: پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ (۲۰۰) اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ (۲۰۱)

(معارف القرآن ۱/۲۷۶)

تفسیر

جس طرح جاہلیت کی یہ رسم بیہودہ تھی کہ ان مبارک ایام کو اپنے باپ داداؤں کے تذکروں اور مشاعروں میں گذاریں، اسی طرح کچھ لوگوں کی یہ عادت تھی کہ اگرچہ ایام حج میں شغل تو ذکر اللہ اور دعاؤں ہی کا رکھتے تھے مگر ان کی تمام دعائیں صرف دنیوی حاجات اور دنیا کی راحت و عزت یا دولت کے لئے ہوتی تھیں آخرت کی طرف کوئی دھیان نہ ہوتا تھا ان کی اصلاح کے لئے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ بعض لوگ وہ ہیں جو حج میں دعاء بھی مانگتے ہیں تو صرف دنیا کی بھلائی مانگتے ہیں آخرت کی فکر نہیں کرتے ایسے لوگوں کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

آخرت میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ ان کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ فریضۂ حج بھی انہوں نے محض رسماً ادا کیا ہے یا دنیا میں فخر و وجاہت حاصل کرنے کے لئے کیا ہے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور آخرت میں نجات حاصل کرنا ان کے پیش نظر ہے ہی نہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۹۱، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۲۸۵، ۲۸۶، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۶۶)

صرف دنیوی دعائیں مانگنے والوں کے لئے ہدایت

اس جگہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ صرف دنیوی دعاء مانگنے والوں کا ذکر اس آیت میں اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ربنا آتنا فی الدنیا اس کے ساتھ حسنۃ کا لفظ مذکور نہیں جس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ وہ دنیا کے لئے بھی حسنہ کے طلبگار نہیں بلکہ اغراضِ دنیویہ میں ایسے مست و سرشار ہیں کہ ان کی طلب یہ رہ گئی ہے کہ اپنی خواہش کسی طرح پوری ہو خواہ وہ اچھی ہو یا بُری اور اچھے طریقہ سے حاصل ہو یا بُرے راستہ سے لوگ ان کو اچھا کہیں یا بُرا۔

اس آیت میں ان مسلمانوں کے لئے بھی بڑی تنبیہ ہے جو موسمِ حج اور مقامات مقدسہ میں بھی دعاؤں میں اپنی اغراضِ دنیا ہی کو ترجیح دیتے ہیں اور بیشتر اوقات انہیں کے لئے صرف کرتے ہیں اور اگر ہمارے حالات کا جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوگا کہ بہت سے دولت مند لوگ یہاں بھی جو وظائف اور دعائیں کرتے یا بزرگوں سے کراتے ہیں ان میں بکثرت لوگ ایسے ہیں کہ ان کی غرض ان تمام وظائف و دعاؤں سے بھی صرف دولت کی ترقی، تجارت میں برکت، اغراض دنیویہ میں کامیابی ہوتی ہے، وہ بہت سے وظائف اور نوافل پڑھ کر یہ بھی سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بہت عبادت گذار ہیں لیکن حقیقت میں ایک طرح کی دنیا پرستی ہوتی ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۹۱، احکام القرآن قرطبی ۲ / ۲۸۶، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۶۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

دنیا و آخرت کی جامع دعا

’’وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ‘‘ (البقرہ: ۲۰۱)۔

یعنی ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے دنیا کی بھلائی اور بہتری بھی مانگتے ہیں اور آخرت کی بہتری بھی اور عذاب جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

اس میں لفظ حسنہ تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں اور بھلائیوں کو شامل ہے مثلاً دنیا کی حسنہ میں بدن کی صحت، اہل وعیال کی صحت، رزق حلال میں وسعت وبرکت، دنیوی سب ضروریات کا پورا ہونا، اعمالِ صالحہ، اخلاق محمودہ، علم نافع، عزت ووجاہت، عقائد کی درستگی، صراط مستقیم کی ہدایت، عبادات میں اخلاص کامل سب داخل ہے۔

آخرت کی حسنہ میں جنت اور اس کی بے شمار اور لازوال نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رضا اور اس کا دیدار یہ سب چیزیں شامل ہیں۔

الغرض یہ دعاء ایک ایسی جامع ہے کہ اس میں انسان کے تمام دنیوی اور دینی مقاصد آجاتے ہیں دنیا وآخرت دونوں جہاں میں راحت وسکون میسر آتا ہے، آخر میں خاص طور پر جہنم کی آگ سے پناہ کا بھی ذکر ہے۔

یہی وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت یہ دعاء مانگا کرتے تھے: ’’رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ‘‘ اور حالتِ طواف میں خصوصیت کے ساتھ یہ دعاء مسنون ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۹۲، احکام القرآن قرطبی ۲/ ۲۸۶، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۶۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

دعاء مانگنے میں جاہل درویشوں کی اصلاح

"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

اس آیت میں ان جاہل درویشوں کی بھی اصطلاح کی گئی ہے جو صرف آخرت ہی کی دعاء مانگنے کو عبادت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کیونکہ درحقیقت یہ ان کا دعویٰ غلط اور خیال خام ہے۔

انسان اپنے وجود و بقاء اور عبادت وطاعات سب میں ضروریات دنیوی کا بھی محتاج ہے وہ نہ ہو تو دین کا بھی کوئی کام کرنا مشکل ہے، اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی بھلائی اور بہتری اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں جو شخص دنیوی حاجات کے لئے دعاء مانگنے کو زہد و بزرگی کے خلاف سمجھے وہ مقام انبیاء سے بے خبر اور جاہل ہے ہاں صرف دنیوی حاجات ہی کو مقصد زندگی نہ بنائے، اس سے زیادہ آخرت کی فکر کرے اور اس کے لئے دعاء مانگے آیت کے آخر میں اسی دوسرے طبقہ کا جو کہ اپنی دعاؤں میں دنیا وآخرت دونوں کی بھلائی مانگتا ہے انجام ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے اس صحیح اور نیک عمل اور دعاؤں کا نتیجہ ان کو دنیا وآخرت میں ملے گا۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۹۲، ۴۹۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۶۷)

منیٰ میں دو یا تین دن کا قیام اور حجاج کو ذکر اللہ کی تاکید کا حکم

"وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ" (البقرہ: ۲۰۳)

ترجمہ: اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر جو شخص دو ہی دن میں جلدی چلا جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو شخص (ایک دن) بعد میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ (تفصیل) اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور تم سب تقویٰ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا۔

(آسان ترجمۂ قرآن ۱/۱۳۱)

آٹھویں آیت جو اس جگہ احکام حج کی آخری آیت ہے اس میں حجاج کو ذکر اللہ کی طرف متوجہ کر کے ان کے مقصد حج کی تکمیل اور آئندہ زندگی کو درست رکھنے کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی۔ واذکروا اللہ فی ایام معدودات یعنی اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں ان چند دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں جن میں ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔

آگے ایک مسئلہ کی وضاحت

آگے ایک مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ منی میں قیام اور جمرات پر کنکریاں مارنا کب تک ضروری ہے؟ اس میں اہل جاہلیت کا اختلاف رہا کرتا تھا بعض لوگ تیرھوی تاریخ ذی الحجہ تک منی میں قیام اور جمرات پر رمی کرنے کو ضروری سمجھتے تھے اس سے پہلے بارہویں کو واپس آجانے کو ناجائز اور ایسا کرنے والے کو گنہگار کہا کرتے تھے۔

(معارف القرآن ۱/۴۹۳،احکام القرآن تھانوی ۱/۷۱، ۳، ۲، ۷، ۳)

اسی طرح دوسرے لوگ بارھویں تاریخ کو چلے آنا ضروری سمجھتے تھے اور تیرھویں تک ٹھہرنے کو گناہ جانتے تھے اس آیت میں ان دونوں کی اصلاح اس طرح کی گئی کہ

"فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ"

یعنی جو شخص عید کے بعد صرف دو دن منی میں قیام کر کے واپس آجائے اس پر بھی کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

گناہ نہیں اور جو تیسرے دن تک مؤخر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں یہ دونوں فریق جو ایک دوسرے کو گنہگار کہتے ہیں غلو اور غلطی میں مبتلا ہیں صحیح یہ ہے کہ حجاج کو دونوں صورتوں میں اختیار ہے جس پر چاہے عمل کریں ہاں افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ تیسرے دن تک ٹھہریں فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منی سے چلا آیا اس پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں لیکن اگر آفتاب منی میں غروب ہو گیا پھر تیسرے دن کی رمی کرنے سے پہلے وہاں سے واپس آجانا جائز نہیں رہتا البتہ تیسرے دن کی رمی میں یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ زوالِ آفتاب سے پہلے صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۴۹۳، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۸۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۶۷)

جملہ احکام حج کی روح اور احکام حج کے ختم پر تقویٰ کی تاکید کا راز

"وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ" (البقرہ: ۲۰۳)

یعنی ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اور یقین کرو کہ تم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہونے والے ہو وہ تمہارے کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے اعمال کا حساب لیں گے اور ان پر جزاء و سزا دیں گے احکام حج جو اوپر کی آیات میں بیان کئے گئے ہیں یہ جملہ درحقیقت ان سب کی روح ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ خاص ایام حج میں جبکہ اعمال حج میں مشغول ہو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور احکام حج میں کوئی کوتاہی نہ کرو اور بعد میں بھی اپنے حج پر مغرور نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور گناہوں سے اجتناب کرتے رہو کیونکہ وزنِ اعمال کے وقت انسان کے گناہ اس کے نیک اعمال کو کھا جائیں گے نیک اعمال کا اثر اور وزن ظاہر نہ ہونے

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیں گے۔

(معارف القرآن ۱ / ۴۹۴)

احکام حج کے ختم پر تقویٰ کی تاکید میں راز

اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ حج ایک بہت بڑی عبادت ہے اس کے ادا کرنے کے بعد شیطان عموماً انسان کے دل میں بڑائی اور بزرگی کا خیال ڈالتا ہے جو اس کے تمام اعمال کو بیکار کر دینے والا ہے اس لئے خاتمۂ کلام میں فرمایا کہ جس طرح حج سے پہلے اور حج کے اندر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اس کی اطاعت لازم ہے اسی طرح حج کے بعد اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور گناہوں سے پرہیز کا اہتمام کرتے رہو کہ کہیں پر کی کرائی عبادت ضائع نہ ہو جائے۔

"اللھم وفقنا لما تحب و ترضی من القول و العمل و الفعل و النیۃ و الرضا"

(معارف القرآن ۱ / ۴۹۴،۴۹۵)

اسلام میں مکمل داخل ہونے کا مطلب

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" (البقرہ: ۲۰۸)

ترجمہ: اے ایمان والوں داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (معارف القرآن ۱ / ۴۹۷)

"ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" "سِلم" بالکسر والفتح دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک صلح دوسرا اسلام اس جگہ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اسلام مراد ہے۔" ابن کثیر"

toobaa-elibrary.blogspot.com

لفظ ''کافۃ جمیعا'' اور ''عامۃ'' کے معنی میں آتا ہے یہ لفظ اس جگہ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے جس میں دو احتمال ہیں:

(۱) ایک یہ کہ ضمیر ادخلوا کا حال قرار دیا جائے۔

(۲) دوسرے یہ کہ سلم بمعنی اسلام کا حال ہو۔

پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

یعنی تمہارے ہاتھ پاؤں آنکھ کان دل دماغ سب کا سب دائرۂ اسلام اور اطاعت الہیہ کے اندر داخل ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پاؤں سے تو احکام اسلامیہ بجا لا رہے ہوں مگر دل و دماغ اس پر مطمئن نہیں یا دل و دماغ سے تو اس پر مطمئن ہو مگر ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح کا عمل اس سے باہر ہے۔

اور دوسرے صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ تم داخل ہو جاؤ مکمل اور پورے اسلام میں، یعنی ایسا نہ ہو کہ اسلام کے بعض احکام کو تو قبول کرے بعض میں پس و پیش رہے اور چونکہ اسلام نام ہے اس مکمل نظام حیات کا جو قرآن و سنت میں بیان ہوا ہے خواہ اس کا تعلق عقائد و عبادات سے ہو یا معاملات و معاشرت سے حکومت و سیاست سے اس کا تعلق ہو یا تجارت و صنعت وغیرہ سے اسلام کا جو مکمل نظام حیات ہے تم سب اس پر پورے نظام میں داخل ہو جاؤ۔

خلاصہ

دونوں صورتوں کا قریب قریب یہی ہے کہ احکام اسلام خواہ وہ کسی شعبۂ زندگی سے متعلق ہوں اور اعضاء ظاہری سے متعلق ہوں یا قلب و باطن سے ان کا تعلق ہو جب تک ان تمام احکام کو سچے دل سے قبول نہ کرو گے مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوں گے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۹۹، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۱۷، ۱۸)

اس آیت کا شانِ نزول

جو اوپر بیان ہوا اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ صرف اسلام ہی کی تعلیمات تمہارا مطمح نظر ہونا چاہئے اس کو پورا پورا اختیار کر لو تو وہ تمہیں سارے مذاہب وملل سے بے نیاز کر دے گا۔

تنبیہ

اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے معاملات ومعاشرت کے احکام گویا دین کا جزء ہی نہیں سمجھتے، اصطلاحی دینداروں میں یہ غفلت عام ہے حقوق ومعاملات اور خصوصاً حقوق معاشرت سے بالکل بے گانہ ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام کو وہ اسلام کے احکام ہی یقین نہیں کرتے، نہ ان کے معلوم کرنے یا سیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں نہ ان پر عمل کرنے کا نعوذ باللہ کم از کم مختصر رسالہ آداب معاشرت حضرت سیدی حکیم الامتؒ کا ہر مسلمان مرد وعورت کو ضرور پڑھ لینا چاہئے۔ (معارف القرآن ۱/ ۴۹۹)

اہم امور کی طرف ہدایت

”كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ“ (البقرہ: ۲۱۳)

ترجمہ: تھے سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جھگڑا کریں۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۰۲)

اس آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت سے انبیاء اور کتابیں دنیا میں بھیجیں یہ سب اس واسطے تھیں کہ یہ لوگ دین حق کی ملت واحدہ کو چھوڑ کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں پھر ان کو اسی ملت واحدہ پر قائم کر دیں، انبیاء کا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا کہ جب لوگ اس راہِ حق سے بھٹکے تو ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں پھر کبھی بھٹکے تو دوسرا نبی اور کتاب، اللہ نے اسی راہِ حق پر قائم کرنے کے لئے بھیج دیا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز مقرر فرمایا جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق بتلایا اب آخر میں ایسا جامع نسخہ تجویز فرمایا جو ساری بیماریوں سے بچانے میں اس وقت تک کے لئے کامیاب ثابت ہو جب تک اس عالم کو باقی رکھنا منظور ہو، یہ مکمل اور جامع نسخہ ایک جامع اصولِ علاج سب پچھلے نسخوں کے قائم مقام اور آئندہ سے بے نیاز کرنے والا ہوا اور وہ نسخۂ جامع اسلام ہے، جس کے لئے خاتم الانبیاء اور قرآن بھیجے گئے۔

اور پچھلی کتابوں میں تحریف ہو کر پچھلے انبیاء کی تعلیمات ضائع اور گم ہو جانے کا سلسلہ اوپر سے چلا آ رہا تھا جس کے سبب نئے نبی اور نئی کتاب کی ضرورت پیش آتی تھی اس کا یہ انتظام فرما دیا گیا کہ قرآن کریم کی تحریف سے محفوظ رہنے کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لے لیا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو قیامت ان کی اصلی صورت میں قائم اور باقی رکھنے کے لئے اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جل شانہ نے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں تا قیامت ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرمالیا جو ہمیشہ دین حق پر قائم رہ کر کتاب وسنت کی صحیح تعلیم مسلمانوں میں شائع کرتی رہے گی۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۰۸)

کسی کی مخالفت وعداوت ان پر اثر انداز نہ ہوگی اس لئے اس کے بعد دروازۂ نبوت اور وحی کا بند ہوجانا ناگزیر امر تھا آخر ختم نبوت کا اعلان کر دیا گیا۔

خلاصہ

یہ کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء اوران کی مختلف کتابیں آنے سے کوئی اس دھوکہ میں نہ پڑ جائے کہ انبیاء اور کتابیں لوگوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے اور افتراق پیدا کرنے کے لئے نازل کی گئی ہیں بلکہ منشاء ان سب انبیاء اور کتابوں کا یہ ہے کہ جس طرح پہلے سارے انسان ایک ہی دین حق کے پیرو ہوکر ملتِ واحدہ تھے اسی طرح پھر اُسی دین حق پر سب جمع ہوجائیں۔(معارف القرآن ۱/ ۵۰۸)

اسی آیت سے دوسری بات

یہ معلوم ہوئی کہ مذہب کی بناء پر قومیت کی تقسیم مسلم وغیر مسلم کا دوقومی نظریہ عین منشاء قرآن کے مطابق ہے آیت فمنکم کافر ومنکم مومن اس پر شاہد ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوگیا کہ اسلام میں اس دو نظرئے کی اصل بنیاد درحقیقت صحیح متحدہ قومیت پیدا کرنے پر ہے جو ابتداءِ آفرینش میں قائم تھی جس کی بنیاد وطنیت پر نہ تھی عقیدۂ حق اور دین حق کی پیروی میں تھی، ارشاد قرآنی: کان الناس امۃ واحدۃ نے بتلایا کہ ابتداء عالم میں اعتقاد صحیح اور دین حق کی پیروی کے اعتبار سے ایک صحیح اور حقیقی وحدت قومی قائم تھی بعد میں لوگوں نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اختلافات پیدا کئے انبیاء نے لوگوں کو اسی اصل وحدت کی طرف بلایا جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اس متحدہ قومیت سے کٹ گئے اور جدگانہ قوم قرار دیئے گئے۔

(معارف القرآن ۱/۵۰۸)

تیسری بات

مذکورہ آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ ازل سے سنت اللہ یہی جاری ہے کہ بُرے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی سے اختلاف کو پسند کرتے رہے ہیں ان کے مقابلہ ومخالفت میں پورا زور خرچ کرنے کے لئے آمادہ رہے ہیں تو اب اہلِ ایمان کو ان کی بدسلوکی اور فساد سے تنگ دل نہ ہونا چاہیۓ جس طرح کفار نے اپنے بڑوں کا طریقہ کفر وعناد اور انبیاء کی مخالفت کا اختیار کیا اسی طرح مومنین صالحین کو چاہیۓ کہ وہ اپنے بزرگوں کا یعنی انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اختیار کریں کہ ان لوگوں کی ایذاؤں اور مخالفتوں پر صبر کریں اور حکمت وموعظمت اور نرمی کے ساتھ ان کو دین حق کی طرف بلاتے رہیں اور شاید اسی مناسبت سے اگلی آیت میں مسلمانوں کو مصائب وآفات پر تحمّل اور صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

(معارف القرآن ۱/۵۰۹)

چند قابلِ غور باتیں

”اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ“(البقرہ:۲۱۴)

ترجمہ: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے حالات

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان لوگوں کے جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہونچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد، سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۰۹)

اسی آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں

(۱) اول یہ کہ اسی آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بغیر محنت ومشقت اور بغیر مصائب وآفات میں مبتلا ہوئے کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا حالانکہ ارشادات قرآنی اور ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ بہت سے گنہگار محض اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور مغفرت سے جنت میں داخل ہوں گے ان پر کوئی مشقت بھی نہ ہوگی وجہ یہ ہے کہ مشقت ومحنت کے درجات مختلف ہیں ادنیٰ درجہ نفس وشیطان سے مزاحمت کرکے یا دین حق کے مخالفین کے ساتھ مخالفت کرکے اپنے عقائد کا درست کرنا ہے اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے آگے اوسط اور اعلیٰ درجات نہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۰، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۴)

جس درجہ کی محنت ومشقت ہوگی اسی درجہ کا دخول جنت ہوگا اسی طرح محنت ومشقت سے خالی کوئی نہ رہا۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل'' سب سے زیادہ سخت بلائیں اور مصیبتیں انبیاء علیہم السلام کو پہنچی ہیں ان کے بعد جو ان کے قریب تر ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) دوسری بات یہاں قابل نظر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہ تھا جو ان کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سوال کا منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مدد کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا اس لئے حالتِ اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے اور ایسی دعاء کرنا توکل یا منصبِ نبوت کے منافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں اس لئے انبیاء اور صلحاء امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۱۰)

فتاوی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مصارف خیر کے بارے میں

"یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ"

(البقرہ:۲۱۵)

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کیا کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو سو ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافر کا اور جونسا نیک کام کروگے سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۱)

اس رکوع میں جو احکام شرعیہ صحابہ کرام کے چند سوالات کے جواب میں بیان ہوئے ہیں وہ ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں پورے قرآن میں اس طرح سوال وجواب کے انداز سے خاص احکام تقریباً سترہ جگہ میں آئے ہیں جن میں سے سات تو اسی سورۂ بقرہ میں ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک سورۂ مائدہ میں ایک سورۂ انفال میں یہ نو سوالات تو صحابۂ کرام کی طرف ہیں سورۂ اعراف میں دو اور سورہ بنی اسرائیل سورۂ کہف سورۂ طہ سورۂ نازعات میں ایک ایک یہ کل چھ سوال کفار کی طرف سے ہیں جن کا جواب قرآن میں جواب کے عنوان سے دیا گیا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۲)

مذکورہ بالا آیات میں سے یہی آیت میں صحابۂ کرام کا استفتاء یعنی سوال ان الفاظ سے نقل فرمایا گیا ہے ''یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ''یعنی لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کریں یہی سوال اس رکوع میں دو آیتوں کے بعد پھر انہی الفاظ میں دوہرایا گیا ''یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ''لیکن اس ایک سوال کا جواب آیت متذکرہ میں کچھ اور دیا گیا ہے اور دو آیتوں کے بعد آنے والے سوال کا جواب اور ہے اس لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس حکمت پر مبنی ہیں یہ حکمت ان حالات وواقعات میں غور کرنے سے واضح ہوجاتی جن میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

مثلاً آیت متذکرہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ عمر بن جموح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ ''ما ننفق من اموالنا و این نضعھا'' (اخرجہ ابن المنذر مظہری)

یعنی ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں اور ابن جریر کی روایت کے موافق یہ سوال تنہا ابن جموح کا نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کا تھا اس سوال کے دو جزء ہیں:

(۱) ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں؟

(۲) دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو کن لوگوں کو دیں؟

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۲، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۶، بیان القرآن ۱/ ۱۳۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور دوسری آیت جو دو آیتوں کے بعد اسی سوال پر مشتمل ہے اس کا شانِ نزول بروایت ابن ابی حاتم یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں تو چند صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم ہمیں ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کیا مال اور کونسی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کریں اس سوال میں صرف ایک ہی جزء ہے یعنی کیا خرچ کریں اسی طرح ان دونوں سوالوں کی نوعیت کچھ مختلف ہوگئی کہ پہلے سوال میں کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں کا سوال تھا اور دوسرے میں صرف کیا خرچ کریں کا سوال ہے اور پہلے سوال کے جواب میں جو کچھ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے دوسرے جزء کو یعنی کہاں خرچ کریں زیادہ اہمیت دے کر اس کا جواب تو صریح طور پر دیا گیا اور پہلے جزء یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر دے دینا کافی سمجھا گیا اب الفاظ قرآنی میں دونوں اجزاء پر نظر فرمائیں پہلے جزء یعنی کہاں خرچ کریں گے، اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

”مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ“ (البقرہ:۲۱۵)

یعنی جو کچھ بھی تم کو اللہ کے لئے خرچ کرنا ہو اس کے مستحق ماں باپ اور رشتہ دار اور بے باپ کے بچے اور مساکین اور مسافر ہیں۔ (معارف القرآن ۱ / ۵۱۳)

اور دوسرے جزء یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر ان الفاظ سے دیا گیا وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم یعنی تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر کوئی تحدید اور پابندی نہیں کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مال کی اتنی ہی مقدار صرف کرو بلکہ جو کچھ بھی اپنی استطاعت کے موافق خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجروثواب پاؤ گے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۳) احکام القرآن جصاص ۱۔ ۳۸۷)

ان دو آیتوں سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے متعلق چند ہدایات و مسائل معلوم ہوئے

(۱) اول یہ کہ دونوں آیتیں زکوۃ فرض کے متعلق نہیں کیونکہ زکوۃ فرض کے لئے نصاب مال بھی مقرر ہے اور اس میں جتنی مقدار خرچ کرنا فرض وہ بھی رسول کریم ا کے ذریعہ پوری طرح متعین اور مقرر فرمادی گئی ہے ان دونوں آیتوں میں نہ کسی نصاب مال کی قید ہے نہ خرچ کرنے کی مقدار بتلائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا یہ دونوں آیتیں صدقات نافلہ کے متعلق ہیں اس سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ پہلی آیت میں خرچ کا مصرف والدین کو بھی قرار دیا گیا ہے حالانکہ ماں باپ کو زکوۃ دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم کے مطابق جائز نہیں کیونکہ ان آیتوں کا تعلق فریضہ زکوۃ سے ہے ہی نہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۳، احکام القرآن جصاص ۱/ص ۳۸۸)

(۲) دوسری ہدایت اس آیت سے یہ حاصل ہوئی کہ ماں باپ اور دوسرے اعزاء واقرباء کو جو کچھ بطور ہدیہ دیا یا کھلایا جاتا ہے اگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کی نیت ہو تو وہ بھی موجبِ اجروثواب اور انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

(۳) تیسری ہدایت یہ حاصل ہوئی کہ نفلی صدقات میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہی خرچ کیا جائے اپنے اہل وعیال کو تنگی میں ڈال کر اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے حقوق کو تلف کر کے خرچ کرنا ثواب نہیں اسی طرح جس کے ذمہ کسی کا قرض ہے قرض خواہ کو ادا نہ کرے اور نفلی صدقات اور خیرات میں اڑائے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں اور ضروریات سے زائد مال خرچ کرنے کا جو ارشاد اس آیت میں ہے اس کو حضرت ابوذر غفاری اور بعض دوسرے حضرات نے بھی حکم وجوبی قرار دیا کہ اپنی ضروریات سے زائد مال جو کچھ ہے سب کا صدقہ کر دینا واجب ہے مگر جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین اس پر ہیں کہ ارشاد قرآنی کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہو وہ ضروریات سے زائد ہونا چاہئے یہ نہیں کہ ضرورت سے زائد جو کچھ ہو اس کو صدقہ کر دینا ضروری یا واجب ہے صحابۂ کرام کے تعامل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۴، احکام القرآن جصاص ا/ ص ۳۸۸)

فرضیت جہاد کا حکم

”کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَھُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ وَ عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّ ھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّ ھُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ“

(البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو گراں معلوم ہوتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو گراں سمجھو اور (واقع) میں وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۱۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

مذکور الصدر آیات میں سے پہلی آیت میں جہاد کے فرض ہونے کا حکم ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے: **کتب علیکم القتال** یعنی تم پر جہاد فرض کیا گیا ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہاد ہر مسلمان پر فرض ہر حالت میں فرض ہے بعض آیات قرآنی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ فرض عین کے طور پر ہر ہر مسلمان پر عائد نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس فرض کو ادا کردے تو باقی مسلمان سبکدوش سمجھے جائیں گے ہاں کسی زمانہ یا کسی ملک میں کوئی جماعت بھی فریضۂ جہاد ادا کرنے والی نہ رہے تو سب مسلمان ترکِ فرض کے گنہگار ہو جائیں گے۔

حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: **الجہاد ماض الی یوم القیامۃ**" کا یہ مطلب ہے کہ قیامت تک ایسی جماعت کا موجود رہنا ضروری ہے جو فریضۂ جہاد ادا کرتی رہے گی۔

قرآن مجید کی دوسری آیت میں ارشاد ہے:

"**وفضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنی**"

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو تارکین جہاد پر فضیلت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔

اس میں ایسے لوگوں سے جو کسی عذر کے سبب یا کسی دوسری دینی خدمات میں مشغول ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوں ان سے بھی بھلائی کا وعدہ مذکور ہے ظاہر ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اگر جہاد ہر فردِ مسلم پر فرض عین ہوتا اس کے چھوڑنے والوں سے وعدۂ حسنیٰ یعنی بھلائی کا وعدہ ہونے کی صورت نہ تھی۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۷، احکام القرآن جصاص ۱/ص ۳۸۹)

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے:

"فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین"

اور کیوں نہ نکل کھڑی ہوئی تمہاری ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت اس کام کے لئے کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اس میں خود قرآن کریم نے یہ تقسیم عمل پیش فرمائی کہ کچھ مسلمان جہاد کا کام کریں اور کچھ تعلیم دین میں مشغول رہیں اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو بلکہ فرضِ کفایہ ہو۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۱۷، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۷، بیان القرآن ۱/ ۱۴۰)

نیز صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شرکتِ جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں زندہ ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر جاؤ ماں باپ کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض کفایہ ہے جب مسلمانوں کی ایک جماعت فریضۂ جہاد کو قائم کئے ہوئے ہو تو باقی مسلمان دوسری خدمتوں اور کاموں میں لگ سکتے ہیں ہاں اگر کسی وقت امام المسلمین ضرورت سمجھ کر نفیر عام کا حکم دیوے اور سب مسلمانوں کو شرکتِ جہاد کا حکم دیدے تو پھر جہاد سب پر فرض عین ہوجاتا ہے قرآن کریم نے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَالَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ"

toobaa-elibrary.blogspot.com

اے مسلمانو! تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل بن جاتے ہو۔

اس آیت میں اس نفیر عام کا حکم مذکور ہے اس طرح اگر خدانخواستہ کسی وقت کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور مدافعت کرنے والی جماعت ان کی مدافعت پر پوری طرح قادر اور کافی نہ ہو تو اس وقت بھی یہ فریضہ اس جماعت سے متعدی ہو کر پاس والے سب مسلمانوں پر عائد ہو جاتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/۵۱۸، بیان القرآن ۱/۱۳۹)

اور اگر وہ بھی عاجز ہوں تو ان کے پاس والے مسلمانوں پر یہاں تک کہ پوری دنیا کے ہر ہر فرد مسلم پر ایسے وقت جہاد فرض ہو جاتا ہے قرآن مجید کی مذکورہ بالا تمام آیات کے مطالعہ سے جمہور فقہاء و محدثین نے یہ حکم قرار دیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

اسی سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب تک جہاد فرضِ کفار ہو اولاد کو بغیر ماں باپ کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی مستخرج ہوتا ہے کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کے لئے جب تک قرض ادا نہ کردے اس فرض کفایہ میں حصہ لینا درست نہیں ہاں اگر کسی وقت نفیر عام کے سبب یا کفار کے نزعہ کے باعث جہاد سب پر فرض عین ہو جائے تو اس وقت نہ والدین کی اجازت کی شرط ہے نہ شوہر کی اور نہ قرض خواہ کی۔

(معارف القرآن ۱/۵۱۸، بیان القرآن ۱/۱۳۹)

اس آیت کے آخر میں جہاد کی ترغیب کے لئے ارشاد فرمایا ہے کہ جہاد اگرچہ طبعی طور پر تمہیں بھاری معلوم ہو لیکن خوب یاد رکھو کہ انسانی بصیرت اور دانشمندی اور تدبیر محنت

toobaa-elibrary.blogspot.com

عواقب ونتائج کے بارے میں بکثرت فیل ہوتی ہے، کسی مفید کو مضر یا مضر کو مفید سمجھ لینا بڑے سے بڑے ہوشیار عقلمند سے بھی مستبعد نہیں ہر انسان اگر اپنی عمر میں پیش آنے والے وقائع پر نظر ڈالے تو اپنی ہی زندگی میں اس کو بہت سے واقعات ایسے نظر پڑیں گے کہ وہ کسی چیز کو نہایت مفید سمجھ کر حاصل کر رہے ہیں اور نجام کار یہ ہوا کہ وہ انتہائی مضر تھی یا کسی چیز کو نہایت مضر سمجھ کر اس سے اجتناب کر رہے تھے اور انجام کار یہ معلوم ہوا کہ وہ نہایت مفید تھی انسانی عقل وتدبیر کی رسوائی اس معاملہ میں بکثرت مشاہدہ میں آتی رہتی ہے۔اس لئے فرمایا کہ جہاد وقتال میں اگرچہ بظاہر مال وجان کا نقصان نظر آتا ہے لیکن حقائق سامنے آئیں گے تو کھلے گا کہ یہ نقصان ہرگز نقصان نہ تھا بلکہ سراسر نفع اور دائمی راحت کا سامان تھا۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۱۸، ۵۱۹، بیان القرآن ۱/ص ۱۴۰)

اشہرِ حرم میں قتال کا حکم

"یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَکُفْرٌ م بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ" (البقرہ:۲۱۷)

ترجمہ: لوگ آپ سے شہرِ حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا جرم عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجدِ حرام کے ساتھ کفر کرنا اور جو لوگ مسجدِ حرام کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرم عظیم ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے، اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جاوے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

(معارف القرآن ۱/۵۱۶)

تفسیر

یہ آیت اس پر شاہد ہے کہ اشہرِ حُرُم یعنی چار مہینے: رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم میں قتال حرام ہے اسی طرح قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں پوری تصریح کے ساتھ اشہرِ حرم میں قتال کی ممانعت آئی ہے۔

مثلاً: "منھا اربعۃ حُرُم ذالک الدین القیم" اور حجۃ الوداع کے مشہور و معروف خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "منھا اربعۃ حرم ثلاث متوالیات"

(معارف القرآن ۱/۵۱۹، بیان القرآن ۱/۱۴۰)

ان آیات و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ چار مہینوں میں قتال حرام ہے اور یہ حرمت ہمیشہ کے لئے ہے۔

امام تفسیر عطاء بن رباح قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہمیشہ کے لئے باقی ہے اور بھی متعدد حضرات تابعین اس حکم کو غیر منسوخ قرار دیتے ہیں مگر جمہور فقہاء کے نزدیک اور بقول جصاص عام فقہاء امصار کے مسلک پر یہ حکم منسوخ ہے، اب کسی مہینہ میں قتال ممنوع نہیں۔

(معارف القرآن ۱/۵۱۹، احکام القرآن جصاص ج ۱، ص ۳۹۰، الاتقان ج ۲، ص ۴۸، تفسیرات احمدیہ ص ۴۲، فوز الکبیر ص ۲۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اب رہا یہ سوال کہ اس کا ناسخ کونسی آیت ہے؟

اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

بعض نے فرمایا آیت کریمہ ”قاتلوا المشرکین کافة“اس کی ناسخ ہے، اور اکثر حضرات نے ”فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم“ کو ناسخ قرار دیا ہے، اور لفظ حیث کو اس جگہ زمانہ کے معنی میں لیا ہے کہ مشرکین کو جس مہینہ میں اور جس زمانہ میں پاؤ قتل کردو اور بعض حضرات نے فرمایا اس جگہ کا ناسخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا عمل ہے کہ خود آپ نے طائف کا محاصرہ اشہرِ حرم میں فرمایا اور حضرت عامر اشعری کو اشہرِ حرم ہی میں اوطاس کے جہاد کے لئے بھیجا اسی بنا پر عام فقہاء اس حکم کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

جصاص نے فرمایا: وھو قول فقھاء الامصار“

(معارف القرآن ج۱ص ۵۱۹، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۹۰)

روح المعانی نے اسی آیت کے تحت میں اور بیضاوی نے سورۂ برأت کے پہلے رکوع کی تفسیر میں اشہرحرم میں حرمت قتال کے منسوخ ہونے پر اجماع امت نقل کیا ہے۔

(بیان القرآن ج۱ص ۱۴۰)

مگر تفسیر مظہری میں مذکورہ تمام دلائل کا جواب یہ دیا ہے کہ اشہرحرم کی حرمت کی تصریح خود اس آیت میں موجود ہے جس کو آیت السیف کہا جاتا ہے

یعنی: ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوٰت والارض منھا اربعۃ حرم“

اور یہ آیت آیات قتال میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے اور خطبۂ حجۃ الوداع جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے صرف اَسّی روز پہلے ہوا ہے اس میں بھی اشہرحرم کی تصریح

toobaa-elibrary.blogspot.com

موجود ہے اس لئے آیات متذکرہ کو اس کا ناسخ نہیں کہا جاسکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا محاصرہ طائف ذوالقعدہ میں نہیں شوال میں ہوا ہے اس لئے اس کو ناسخ نہیں کہہ سکتے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشہرِ حرم میں قتال کی حرمت مطلقہ جو مذکورہ آیات سے معلوم ہوئی ہے اس میں سے وہ صورت مستثنٰی کردی گئی ہے کہ خود کفاران مہینوں میں مسلمانوں سے قتال کرنے لگیں تو جوابی حملہ اور دفاع مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہے اتنے حصہ کو منسوخ کہا جاسکتا ہے جس کی تصریح اس آیت میں ہے: الشھر الحرام بالشھر الحرام الخ۔

(معارف القرآن)

تو خلاصہ یہ ہوا کہ ابتداءً قتال تو ان مہینوں میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے مگر جب کفاران مہینوں میں حملہ آور ہو تو مدافعانہ قتال کی مسلمانوں کو بھی اجازت ہے، جب کہ امام جصاص نے بروایت حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی شہر حرام میں اس وقت تک قتال نہ کرتے تھے جب تک قتال کی ابتداءً کفار کی طرف سے نہ ہو جائے۔

(معارف القرآن ج ا،ص ۵۱۹، ۵۲۰) احکام القرآن جصاص ج ا۔۳۸۹)

ارتداد کا انجام اور اس کے احکام

”وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ: ۲۱۷)

ترجمہ: اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے پھر کافر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہی ہونے کی حالت میں مرجاوے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہوجاتے ہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۱۶)

تفسیر

آیت مذکورہ "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ" کے آخر میں مسلمان ہونے کے بعد کفر وارتداد اختیار کرنے کا یہ حکم ذکر فرمایا ہے کہ "حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ" یعنی ان لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں سب غارت ہوجائیں گے۔

دنیا میں غارت ہونے کا مطلب

دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میرث کا حصہ نہیں ملتا حالت اسلام میں نماز روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہوجاتا ہے مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی مسلمانوں کے مقابر میں دفن نہیں ہوتا۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۰، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲ ۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۸۳)

آخرت میں اعمال غارت اور ضائع ہونے کا مطلب

اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے عبادت میں ثواب نہیں ملتا ابدالآباد کے لئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

مرتد دوبارہ مسلمان ہوجائے تو اس کے احکام

اگر یہ شخص مسلمان ہوجائے تو آخرت میں دوزخ سے بچنے اور دنیا میں آئندہ کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکامِ اسلام کا جاری ہونا تو یقینی ہے لیکن دنیا میں اگر حج کر چکا تو بشرطِ وسعت دوبارہ اس کا فرض ہونا نہ ہونا اور آخرت میں پچھلی نماز روزہ کے ثواب کا عود کرنا نہ کرنا اس میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ دوبارہ حج کو فرض کہتے ہیں، اور گذشتہ نماز روزہ پر ثواب ملنے کے قائل نہیں، اور امام شافعی دونوں امر میں اختلاف کرتے ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۰) بیان القرآن ج ۱۔ ۱۴۰)

کافرِ اصلی کے اچھے اعمال کی جزاء کا حکم

لیکن جو کافر اصلی ہو اور اس حالت میں کوئی نیک کام کرے اس کا ثواب معلق رہتا ہے اگر کبھی اسلام لے آیا سب پر ثواب ملتا ہے اور اگر کفر پر مر گیا تو سب بے کار ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ''اسلمت علی ما اسلفت من خیر ''اس معنی میں وارد ہے۔

مرتد کی حالت کافرِ اصلی سے بدتر ہے

غرض مرتد کی حالت کافر اصلی سے بدتر ہے، اسی واسطے کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے اور مرتد اگر اسلام نہ لائے اگر مرد ہے قتل کر دیا جاتا ہے اگر عورت ہے تو دوام حبس کی سزاء دی جاتی ہے کیونکہ اس سے اسلام کی اہانت ہوتی ہے سرکاری اہانت اسی سزاء کے لائق ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۰،۵۲۱) بیان القرن۔ ج ۱۔ ۱۴۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

شراب اور قمار کی حرمت

”يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا“

(البقرہ:۲۱۹)

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدہ بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔(آسان ترجمہ قرآن ۱/ ۱۳۷)

حرمتِ شراب اور اس کے متعلقہ احکام

ابتداء اسلام میں رسوم جاہلیت کی طرح شراب خوری بھی عام تھی جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار یعنی جوا کھیلنے کا رواج تھا عام لوگ تو ان دونوں چیزوں کے صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے ان کے اندر جو بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں ان کی طرف نظر نہیں تھی لیکن عادۃ اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ عقل والے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو اس خواہش کے پاس نہیں جاتے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۲، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۹۲، تفسیر خازن ۱/ ۱۴۷، ۱۴۹،
بیان القرآن ۱/ ۱۴۲، تفسیر قرطبی ۳/ ۳۵، ۳۶، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۸۴)

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ شراب اور جوے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں لیکن ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے منافع اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جائیں مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل وہوش زائل ہوجاتا ہے جو تمام کمالات اور شرفِ انسانی کا اصل اصول ہے کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو برے کاموں سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو ہر برے کام کے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۲،تفسیرات احمدیہ ۷۶، ۷۷،بیان القرآن ۱/ ۱۴۲)

حرمت شراب کے تدریجی احکام میں حکمت الٰہیہ

احکام الٰہیہ کی اصل اور حقیقی حکمتوں کو تو ''احکم الحاکمین'' ہی جانتا ہے مگر احکام شرعیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے احکام میں انسانی جذبات کی بڑی رعایت فرمائی ہے تاکہ انسان کو ان کے اتباع میں زیادہ تکلیف نہ ہو۔

خود قرآن کریم نے فرمایا: **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا**" یعنی اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کی قدرت اور وسعت میں نہ ہو، اسی رحمت وحکمت کا تقاضا تھا کہ اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں بڑی تدریج سے کام لیا۔

شراب کی تدریجی ممانعت اور حرمت کی قرآنی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں شراب کے متعلق چار آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ان میں سے ایک آیت سورۂ بقرہ کی ہے جس کی تفسیر آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں اس میں تو شراب سے پیدا ہوجانے والے گناہوں اور مفاسد کا ذکر کرکے چھوڑ دیا گیا ہے حرام نہیں کیا گویا ایک مشورہ دیا کہ یہ چھوڑنے کی چیز ہے مگر چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۴،تفسیرات احمدیہ ۷۶،بیان القرآن ۱/ ۱۴۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) دوسری آیت سورۂ نساء کی ''لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاریٰ'' یہ خاص اوقات نماز کے اندر شراب کو حرام کردیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔

(۳) تیسری اور چوتھی دو آیتیں سورۂ مائدہ کی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ان میں صاف اور قطعی طور پر شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

شریعت اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں اس تدریج سے اس لئے کام لیا کہ عمر بھر کی عادت خصوصاً نشہ کی عادت کو چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر انتہائی شاق اور گراں ہوتا۔

علماء نے فرمایا: ''فطام العادة اشد من فطام الرضاعة۔'' یعنی جیسے بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑ دینا بھاری معلوم ہوتا ہے انسان کو اپنی کسی عادتِ مستمرہ کو بدلنا اس سے زیادہ شدید اور سخت ہے، اس لئے اسلام نے حکیمانہ اصول کے مطابق اول اس کی برائی ذہن نشیں کرائی پھر نمازوں کے اوقات میں ممنوع کیا پھر ایک خاص مدت کے بعد قطعی طور پر حرام کردیا گیا۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۴، بیان القرآن ۱/ ۱۴۲)

ہاں جس طرح ابتداءً تحریم شراب میں آہستگی اور تدریج سے کام لینا حکمت کا تقاضا تھا اسی طرح حرام کردینے کے بعد اس کی ممانعت کے قانون کو پوری شدت کے ساتھ نافذ کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں اول سخت وعیدیں عذاب کی بتلائیں ارشاد فرمایا کہ یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے اس کو پی کر آدمی برے سے برے گناہ کا مرتکب ہوسکتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے فرمایا کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے یہ روایتیں نسائی میں ہیں، اور جامع ترمذی میں حضرت انس کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی:

(۱) نچوڑنے والے پر۔

(۲) بنانے والے پر۔

(۳) پینے والے پر۔

(۴) پلانے والے پر۔

(۵) اس کو لادکر لانے والے پر۔

(۶) جس کے لئے لائی جائے اس پر۔

(۷) اس کے بیچنے والے پر۔

(۸) خریدنے والے پر۔

(۹) اس کو ہبہ کرنے والے پر۔

(۱۰) اس کی آمدنی کھانے والے پر۔

اور پھر زبانی تبلیغ و تعلیم پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ عملی اور قانونی طور پر اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ جمع کردے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۲۵)

حرمت قمار و جوا کا حکم

” یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا“ (البقرہ: ۲۱۹)

”میسر“ مصدر ہے اور اصل لغت میں اس کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں یاسر تقسیم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنے والے کو کہا جاتا ہے جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے جن میں ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے بعض محروم رہتے تھے محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنا پڑتی تھی گوشت سب فقراء میں تقسیم کیا جاتا خود استعمال نہ کرتے تھے۔

اس خاص جوئے میں چونکہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت بھی تھی اس لئے اس کھیل کو باعث فخر سمجھتے تھے جو اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس کہتے تھے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۳۲، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۹۸، تفسیرات احمدیہ ۷۷، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۹۳)

تقسیم کی مناسبت سے قمار کو میسر کہا جاتا ہے تمام صحابہ و تابعین اس پر متفق ہیں کہ میسر میں قمار جوئے کی تمام صورتیں داخل اور سب حرام ہیں ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور جصاص نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن عمر اور قتادہ اور معاویہ ابن صالح اور عطاء اور طاؤس نے فرمایا:

المیسر القمار حتی لعب الصبیان بالکعاب و الجوز۔ یعنی ہر قسم کا قمار میسر ہے یہاں تک کہ بچوں کا کھیل لکڑی کے گٹکو اور اخروٹ وغیرہ کے ساتھ۔

ابن عباس نے فرمایا: المخاطرۃ من القمار۔ یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے جصاص ابن سیرین نے فرمایا کہ جس کام میں مخاطرہ ہو وہ میسر میں داخل ہے۔

(روح البیان) (معارف القرآن ۱/ ۵۳۲، تفسیرات احمدیہ ۷۷)

مخاطرہ کی وضاحت

مخاطرہ کے معنی یہ ہیں کہ ایسا معاملہ کیا جائے جو نفع و ضرر کے درمیان دائر ہو یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے جیسے آج کل کی لاٹری کے مختلف

toobaa-elibrary.blogspot.com

طریقوں میں پایا جاتا ہے یہ سب قسمیں قمار اور میسر میں داخل اور حرام ہیں اس لئے میسر یا قمار کی تعریف یہ ہے:

میسر اور قمار کی تعریف

میسر اور قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس کے وجود وعدم کی دونوں جانبین مساوی ہوں اور اسی بناء پر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبین بھی برابر ہوں۔

(شامی ۵/ ۳۵۵ کتاب الحظر والاباحت بحوالہ معارف القرآن ۱/ ۵۳۲، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۹۳)

مثلاً یہ بھی احتمال ہے کہ زید پر تاوان پڑ جائے اور یہ بھی ہے کہ عمر پر پڑ جائے اس کی جتنی قسمیں اور صورتیں پہلے زمانے میں رائج تھیں یا آج رائج ہیں یا آئندہ پیدا ہوں وہ سب میسر اور قمار اور جوا کہلائے گا معمے حل کرنے کا چلن ہوا کاروبار اور تجارتی لاٹری کی عام صورتیں سب اس میں داخل ہیں ہاں اگر صرف ایک جانب سے انعام مقرر کیا جائے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا اس کو یہ انعام ملے گا اس میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس شخص سے کوئی فیس وصول نہ کی جائے کیونکہ اس میں معاملہ نفع وضرر کے درمیان دائر نہیں بلکہ نفع کے درمیان دائر ہے۔

اسی لئے احادیث صحیحہ میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے جس میں مال کی ہارجیت پائی جاتی ہے تاش پر اگر روپیہ کی ہارجیت ہو تو وہ بھی میسر میں داخل ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت بریرہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص نردشیر (چوسر) کھیلتا ہے وہ گویا کہ خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے اور حضرت علی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شطرنج میسر یعنی جوئے میں داخل ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا شطرنج تو نرادشیر سے بھی زیادہ بری ہے۔

''تفسیر ابن کثیر'' (معارف القرآن ۱/ ۵۳۳، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۳۹۳)

آیت مذکورہ سے چند فقہی ضابطے اور فوائد برآمد ہوئے

اس آیت میں شراب اور قمار کے بعض فوائد کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے رکنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس سے ایک اہم نتیجہ یہ نکل آیا کہ کسی چیز یا کسی کام میں کچھ دنیوی منافع ہونا اس کے لئے اس کے منافی نہیں ہے اس کو شرعاً حرام قرار دیا جائے کیونکہ جس طرح محسوسات میں اس دوا اور غذا کو مضر کہا جاتا ہے جس کی مضرتیں بہ نسبت اس کے فائدے کے زیادہ سخت ہوں ورنہ یوں تو دنیا کی کوئی بری سے بری چیز منافع سے خالی نہیں زہر قاتل ہے، سانپ اور بچھو میں درندوں میں کتنے فوائد ہیں لیکن مجموعی حیثیت سے ان کو مضر کہا جاتا ہے اور ان کے پاس جانے سے بچنے کی ہدایت کی جاتی ہے اسی طرح معنوی اعتبار سے جن کاموں کے مفاسد ان کے منافع سے زائد ہوں شرعاً ان کو حرام کر دیا جاتا ہے چوری ڈاکہ زنا اغواء دھوکہ فریب وغیرہ تمام جرائم میں کونسا جرم ایسا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اگر یہ بالکل بے فائدہ ہوئے تو کوئی عقل و ہوش والا انسان ان کے پاس نہ جاتا حالانکہ ان سب جرائم میں کامل وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہوشیاری عقلمندی میں معروف سمجھے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۳۶)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ فوائد تو کچھ نہ کچھ تمام جرائم میں ہیں مگر چونکہ ان کی مضرت فائدے سے بڑھی ہوئی ہے اس لئے کوئی عقل مند انسان ان کو مفید اور جائز نہیں کہتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

شریعت اسلام نے شراب اور جوا کو اس اصول کے تحت حرام قرار دیا ہے کہ اس کے فوائد سے زیادہ مفاسد اور دینی اور دنیوی مضرتیں ہیں۔

ایک اہم فقہی ضابطہ

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے یعنی ایک کام کے ذریعہ کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی کوئی مضرت بھی پہنچتی ہے تو مضرت سے بچنے کے لئے اس منفعت کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہوتا ہے ایسی منفعت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو مضرت کے ساتھ حاصل ہو۔(معارف القرآن ۱/ ۵۳۷)

مقدارِ انفاق کیا ہونا چاہئے؟

"وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ" (البقرہ:۲۱۹)

ترجمہ: اور جو لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ (خیر خیرات میں) کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو (کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان نہ ہو دنیاوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑ جائیں) اللہ تعالیٰ اس طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم (کو ان کا علم ہو جائے اور اس علم کی وجہ سے ہر عمل کرنے سے پہلے دنیا و آخرت کے معاملات میں (ان احکام کو) سوچ لیا کرو (اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو)۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۳۸، بیان القرآن ۱/ ۱۴۲، احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۸۷)

"وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ"

toobaa-elibrary.blogspot.com

"لباب النقول" میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مالوں میں جو مقرر فرمادیا گیا ہے وہ کس قدر ہے ہم اس میں سے کتنا خرچ کریں۔

ان کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ" وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ "نازل فرمائی اور سوال کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ فرمایا: "كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" کہ تم خرچ کرنے میں غور و فکر سے کام لو آخرت کی ضرورت دیکھو اور دنیاوی ضروریات کو بھی سمجھو ایسا نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کرو کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو وہ پڑا ہی رہے اور جمع ہی ہوتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ سب خرچ کر کے بیٹھ رہو اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر کل کو دوسروں سے مانگنے کی نوبت آجائے۔ (تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۱۳)

نیز جوشِ سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اہل و عیال جن کے حقوق واجب ہیں ان کا کوئی حق ضائع ہوجائے ضرورت سے زائد جو مال جمع ہوجائے اگر اس میں سے فرض زکوۃ اور صدقات و نفقات واجبہ ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز تو ہے لیکن خرچ کرنا افضل ہے اس میں احوال بھی مختلف ہوتے ہیں کسی میں زہد غالب ہے اور جتنا زائد ہو سب خرچ کردیتا ہے اس کی بھی گنجائش ہے رسول کریم ﷺ کل کے لئے کچھ نہیں رکھتے تھے اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے للہ فی اللہ کچھ خرچ کردے اور کچھ رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن

toobaa-elibrary.blogspot.com

عوف اللہ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن ان کے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی۔

(تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۱۳)

مخالطتِ مال یتیم

”وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ“

(البقرہ:۲۲۰)

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم کہہ دے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور سنوارنے والے کو اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا، بے شک اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۳۷)

چونکہ ابتداءً مثل ہندوستان عرب میں یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی اس لئے یہ وعید سنائی گئی کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا تو سننے والے ڈر کے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا بھی الگ پکواتے اور الگ رکھواتے اور اتفاقاً بچہ کم کھاتا تو کھانا بچتا اور سڑتا تھا کیونکہ اس کا استعمال نہ لوگوں کے لئے جائز تھا اور نہ یتیم کے مال کو صدقہ کر دینے کا اختیار تھا اس طرح تکلیف بھی ہوتی اور یتیم کا نقصان بھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا اس کے متعلق آیت میں یہ ارشاد آیا:

اور لوگ آپ سے یتیم بچوں (کے علیحدہ یا شامل رکھنے) کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ (اصل مقصود ہمارا ان کے اموال کھانے کی ممانعت سے ہے کہ ان کی مصلحت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو ضائع نہ کیا جائے اور جب خرچ شامل رکھنے میں ان کی مصلحت ہے تو) ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا (علیحدہ خرچ رکھنے سے جو خلاف مصلحت ہے) زیادہ بہتر ہے اور تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو (کچھ ڈر کی بات نہیں کیونکہ) وہ (بچے) تمہارے (دینی) بھائی ہیں (اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو (الگ الگ) جانتے ہیں۔ (اس لئے کھانے پینے میں اشتراک ایسا نہ ہونا چاہئے جس میں یتیم کی مصلحت ضائع ہو جائے اور بلا علم و بلا قصد کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیک نیتی معلوم ہے اس لئے اس پر مواخذہ نہ ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو (اس معاملہ میں سخت قانون مقرر کر کے) تم کو مصیبت میں ڈال دیتے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (مگر قانون سہل اس لئے مقرر فرمایا کہ وہ حکمت والے (بھی) ہیں۔ (ایسا حکم نہیں دیتے جو نہ ہو سکے)

(معارف القرآن ۱/ ۵۳۸، ۵۳۹، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۰۰، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۴۴، بیان القرآن ۱/ ۱۴۳)

"وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى الخ۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصود اصلی اصلاح یتیم بچوں کا مال اس طریقہ پر ان پر خرچ کرو کہ ان کا نقصان بھی نہ ہو اور کوئی خراب نیت بھی نہ ہو کہ اس کا مال ساتھ ملا کر پکانے میں اس کے حصے میں سے اپنے اوپر یا اپنے بچوں پر خرچ ہو جانے کی نیت ہو ان کا مال اپنے مال میں ملا کر پکانے میں چونکہ مصلحت پیش نظر ہے کہ ان کا مال زیادہ خرچ نہ ہو اور ضائع نہ ہو تو اس میں کوئی مواخذہ اور محاسبہ کی بات نہیں ہے، وہ تمہارے بھائی ہیں بھائیوں کی طرح مل جل کر اصلاح و خیر خواہی مدنظر رکھتے ہوئے کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ شانہ مصلح کو بھی جانتا ہے (جس کی نیت اصلاح کی ہو) اور مفسد کو بھی جانتا ہے جس کی نیت خراب ہو اور فساد اور بگاڑ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا ارادہ رکھتا ہو۔ (تفسیر انوار البیان ۱ / ۳۱۴)

مناکحت کفار کا حکم

”وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ“ (البقرہ: ۲۲۱)

ترجمہ: اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے (چاہے وہ آزاد بی بی ہی کیوں نہ ہو) گو وہ (کافر عورت بوجہ مال یا جمال کے) تم کو اچھی معلوم ہو (مگر پھر بھی واقع میں مسلمان عورت ہی اس سے اچھی ہے) اور (اسی طرح اپنے اختیار کی) عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد (چاہے) غلام (ہی کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر مرد سے (چاہے وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو) گو وہ (کافر بوجہ مال یا جان کے) تم کو اچھا معلوم ہو (مگر پھر بھی واقع میں مسلمان ہی اس سے اچھا ہے اور وجہ ان کافروں کے برا ہونے کی اور وہی اصل سبب ان سے مخالفت نکاح کا یہ ہے کہ) یہ (کافر) لوگ دوزخ (میں جانے) کی تحریک دیتے ہیں (کیونکہ کفر کی تحریک کرتے ہیں اور اس کا انجام جہنم ہے) اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت (کے حاصل کرنے) کی تحریک کرتے ہیں اپنے حکم سے (اور اس حکم کا ظہور اس طرح ہوا کہ کفار کے متعلق یہ حکم صادر فرما دیا کہ ان سے نکاح نہ کیا جائے تا کہ ان کی تحریک

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے اثر سے پوری حفاظت رہ سکے اور اس سے محفوظ رہ کر جنت اور مغفرت حاصل ہو جائے) اور اللہ تعالیٰ اس واسطے اپنے احکام بتلا دیتے ہیں تا کہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں (اور مستحق جنت و مغفرت ہو جائیں)۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۳۹، تفسیرات احمدیہ ۷۹، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۴۵، بیان القرآن ۱/ ۱۴۴)

مسلم و کافر کا باہمی ازدواج ممنوع ہے

آیاتِ مذکورہ میں ایک اہم مسئلہ یہ بیان فرمایا گیا ہے مسلمان مردوں کا نکاح کافر عورتوں سے اور کافر عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے جائز نہیں وجہ یہ ہے کہ کافر مرد اور عورتیں انسان کو جہنم کی طرف لے جانے کے سبب بنتے ہیں ازدواجی تعلقات آپس کی محبت و مودت اور یگانگت کو چاہتے ہیں اور بغیر اس کے ان تعلقات کا اصلی مقصد پورا نہیں ہوتا اور مشرکین کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قریبہ محبت و مودت کا لازمی اثر یہ ہے کہ ان کے دل میں بھی کفر و شرک کی طرف میلان پیدا ہو یا کم از کم کفر و شرک سے نفرت ان کے دلوں سے نکل جائے اور اس کا انجام یہ ہے کہ یہ بھی کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں اور اس کا نتیجہ جہنم ہے۔

اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انسان کو جنت اور مغفرت کی طرف دعوت دیتا ہے اور صاف صاف اپنے احکام بیان فرما دیتا ہے تا کہ لوگ نصیحت پر عمل کریں اس جگہ چند باتیں قابل غور ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۴۰، تفسیرات احمدیہ ۷۹، تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۱۴،
احکام القرآن قرطبی ۳/ ۴۸، تفسیر خازن ۱/ ۱۵۱، بیان القرآن ۱/ ۱۴۴، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۰۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلی بات

اول یہ کہ اس آیت میں لفظ مشرک سے اگر مطلقاً غیر مسلم مراد ہوں تو قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی بنا پر اہل کتاب کی غیر مسلم عورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم اور اگر مشرک سے خاص وہ غیر مسلم مراد ہیں جو اہل کتاب نہیں تو یہ آیت اپنی جگہ عام ہے تمام ان غیر مسلموں کو جو کسی پیغمبر اور آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔

دوسری بات

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ مسلم وکافر کے درمیان ازدواجی تعلقات کو حرام قرار دینے کی جو وجہ قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے ساتھ ایسے تعلقات قریبہ کفر و شرک میں مبتلا ہو جانے کا سبب بن سکتے ہیں یہ بات تو بظاہر تمام غیر مسلم فرقوں میں مساوی ہے پھر اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب ظاہر ہے کہ اہل کتاب کا اختلاف اسلام کے ساتھ بہ نسبت دوسرے غیر مسلموں کے کم اور ہلکا ہے کیونکہ عقائد اسلام کے تین عمود ہیں:

توحید، آخرت، رسالت ان میں سے عقیدۂ آخرت میں تو اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی اپنے اصل مذہب کے اعتبار سے مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں اسی طرح خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا خود ان کے اصل مذہب میں بھی کفر ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و محبت کے غلو میں شرک تک جا پہنچے۔

اب بنیادی اختلاف صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو رسول نہیں مانتے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام میں یہ عقیدہ بھی بنیادی عقیدہ ہے اس کے بغیر کوئی انسان مومن نہیں ہوسکتا بہرحال دوسرے غیر مسلم فرقوں کی نسبت سے اہل کتاب کا اختلاف ہلکا اور کم ہے اس لئے مفسدہ کا خطرہ زیادہ نہیں۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۴۰، ۵۴۱، بیان القرآن ۱/ ۱۴۵)

تیسری بات

تیسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ جب اہل کتاب کا اختلاف ہلکا قرار دے کر ان کی عورتوں سے نکاح مسلمان کا جائز ہوا تو اس کے برعکس مسلمان عورتوں کا نکاح بھی غیر مسلم اہل کتاب سے جائز ہوجانا چاہئے مگر ذرا غور کرنے سے فرق واضح ہوجاتا ہے کہ عورت کچھ فطرۃً ضعیف ہے، اور پھر شوہر اس پر حاکم اور نگراں بتایا گیا ہے اس کے عقائد اور نظریات سے عورت کا متأثر ہوجانا مستبعد نہیں اس لئے اگر مسلمان عورت غیر مسلم کتابی کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد خراب ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے، بخلاف اس کے کہ غیر مسلم کتابی عورت مسلمان کے نکاح میں رہے تو اس کے خیالات کا اثر شوہر پر پڑنا اصولاً مستبعد ہے کوئی بے اصول اور افراط کا شکار ہوجائے یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۴۱، بیان القرآن ۱/ ۱۴۵)

چوتھی بات

چوتھی بات قابل غور یہ ہے کہ ازدواجی زندگی میں جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ طرفین پر یکساں ہوتا ہے اس لئے جیسے یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان کے عقائد غیر مسلم سے متأثر ہوجائیں اسی طرح یہ بھی تو احتمال ہے کہ معاملہ برعکس ہو غیر مسلم کے عقائد مسلمان سے متأثر ہوکر وہی اسلام قبول کرلے تو اس کا مقتضاء یہ ہے کہ مسلم وغیر مسلم کے ازدواجی تعلقات کو ممنوع نہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا جائے۔

لیکن یہاں حکمت کی بات یہ ہے کہ جب کسی چیز میں ایک نفع کی امید بھی ہو اور کسی ضرر کا خطرہ بھی ہو تو عقلِ سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ضرر سے بچنے کا اہتمام نفع کی فکر سے زیادہ ضروری ہے فارسی کا ایک حکیمانہ مقولہ مشہور ہے: ''عقلمند تریاق بیقین وزہر بگمان نخورد'' اس لئے اس نفع کی امید کو نظر انداز کیا گیا کہ شاید وہ غیر مسلم متاثر ہو کر اسلام قبول کرلے اہتمام اس کا کیا گیا کہ مسلمان متاثر ہو کر کفر میں مبتلاء نہ ہو جائے۔

(معارف القرآن ۱/۵۴۱)

پانچویں بات

پانچویں بات قابل غور یہ ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاری کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کرلیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اولاد ثابت النسب ہوگی لیکن روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے نکاح کے لئے دیندار صالح عورت تلاش کرنا چاہیئے تاکہ خود اس کے لئے بھی دین میں معین ثابت ہو اور اس کی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع میسر آئے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسا پسند کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کو جب خبر پہنچی کہ عراق و شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ بھی ازدواجی تعلق دیانۃ بھی مسلم گھرانوں کے خرابی کا سبب ہے اور سیاسۃ بھی۔ (آثار السنن للامام محمد) (معارف القرآن ۱/۵۴۱، ۵۴۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور آج کے غیر مسلم اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور ان کے سیاسی مکروفریب اور سیاسی شادیاں اور مسلم گھرانوں میں داخل ہوکر ان کو اپنی طرف مائل کرنا اوران کے راز حاصل کرنا وغیرہ جس کا اقرار خود بعض مسیحی مصنفین کی کتابوں میں میجر جنرل اکبر کی کتاب ”حدیث دفاع“ میں اس کی کچھ تفصیلات حوالوں کے ساتھ مذکور ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاروق اعظم کی دوربین نظریں ان واقعات کو دیکھ رہی تھی خصوصاً اس زمانہ کے یورپ کے اکثر وہ لوگ عیسائی یا یہودی کہلائے جاتے ہیں اور مردم شماری کے رجسٹروں میں ان کی قومیت عیسائی یا یہودی لکھی جاتی ہے اگر ان کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ان میں بکثرت ایسے لوگ ملیں گے جن کو عیسائیت اور یہودیت سے کوئی تعلق نہیں وہ بالکل ملحد بے دین ہیں نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ انجیل کو نہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے نہ تورات پر نہ خدا تعالیٰ پر نہ آخرت پر ظاہر ہے کہ حلت نکاح کا قرآنی حکم ایسے لوگوں کو شامل نہیں ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً حرام ہے ایسے لوگ ظاہر ہے کہ آیتِ قرآنی والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب کے استثناء میں داخل نہیں ہوتے، غیر مسلموں کی طرح ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی قطعاً حرام ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۴۲)

حیض میں جماع کی حرمت اور پاکی کی شرائط

”وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ (البقرہ: ۲۲۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاصۂ تفسیر

اور لوگ آپ سے حیض (کی حالت میں صحبت وغیرہ کرنے) کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ وہ (حیض) گندگی کی چیز ہے تو حالت حیض میں عورتوں (کے ساتھ صحبت کرنے) سے علیحدہ رہا کرو اور (اس حالت میں) ان سے قربت مت کرو جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں پھر جب وہ (عورتیں) اچھی طرح پاک ہو جاویں (کہ ناپاکی کا شک وشبہ نہ رہے) تو ان کے پاس آ ؤ جاؤ (یعنی ان سے صحبت کرو) جس جگہ سے خدا نے تم کو اجازت دی ہے (یعنی آگے سے) یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے (مثلاً اتفاقاً یا بے احتیاطی سے حالتِ حیض میں صحبت کر بیٹھا پھر متنبہ ہو کر توبہ کر لی) اور محبت رکھتے ہیں صاف رہنے والوں سے۔

(معارف القرآن ا/ ۵۴۳، تفسیر خازن ا/ ۱۵۲، تفسیرات احمدیہ ۸۰، ۸۱، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۵۹، ۵۴، بیان القرآن ا/ ۱۴۶، احکام القرآن لابن عربی ا/ ۱۵۸)

اپنی بیوی سے قبل میں صحبت ہر طرف سے جائز ہے

”نِسَآؤُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ وَ قَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّکُمۡ مُّلٰقُوۡہُ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ“ (البقرہ: ۲۲۳)

(جو حالت حیض میں صحبت کرنے سے اور دوسرے منہیات سے بچتے ہیں اور حالت پاکی میں اجازت صحبت کی دینا پھر اس قید سے اجازت دینا کہ آگے کے موقع میں صحبت اس لئے ہے کہ) تمہاری بیبیاں تمہارے لئے (بمنزلہ) کھیت (کے) ہیں (جس میں نطفہ بجائے تخم کے اور بچہ بجائے پیداوار کے ہے) سو اپنے کھیت میں جس طرح سے چاہو آؤ

toobaa-elibrary.blogspot.com

(اور جس طرح کھیتوں میں اجازت ہے اسی طرح بیبیوں کے پاس پاکی کی حالت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے، خواہ کروٹ سے ہو یا پیچھے سے یا آگے بیٹھ کر ہو یا اوپر یا نیچے لیٹ کر ہو یا جس ہیئت سے ہو مگر آنا ہو ہر حال میں کھیت کے اندر کہ وہ خاص آگے کا موقع ہے کیونکہ پیچھے کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں، اس میں صحبت نہ ہو اور ان لذات میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت ہی کو بھول جاؤ بلکہ) آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ (اعمال صالحہ) کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے (ہر حال میں) ڈرتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو اور (اے محمد ﷺ ایسے) ایمان داروں کو (جو نیک کام کریں، خدا سے ڈریں خدا تعالیٰ کے سامنے جانے کا یقین رکھیں) خوشی کی خبر سنادیجئے (کہ ان کو آخرت میں ہر طرح کی نعمتیں ملیں گی)۔ (معارف القرآن ۱ / ۵۴۳)

وطی فی الدبر کی حرمت اور یہودیوں کی ایک بات کی تردید

"نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" الخ

صحیح بخاری ۲ / ۶۴۹ میں ہے کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ یہودی یوں کہتے تھے کہ جو کوئی مرد عورت کے سامنے کی شرم گاہ میں پیچھے کی جانب سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں لہذا تم اپنی کھیتی میں آجاؤ جیسے چاہو اس میں اول تو عورتوں کو کھیتی فرمایا اور مرد و عورت کے میلاپ کی ضرورت اور فائدہ کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ اس کی ضرورت اور مشروعیت اولاد طلب کرنے کے لئے ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے رکوع ۲۲ میں وابتغوا ما کتب اللہ لکم فرمایا ہے نکاح کرنے میں جہاں نفس ونظر کی حفاظت ہے وہاں طلب ولد بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطلوب ہے۔(احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۲۸، تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۱۸، تفسیر خازن ۱/ ۱۵۳، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۶۱، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۷۳، تفسیرات احمدیہ ۸۲، بیان القرآن ۱/ ۱۴۶)

خیر کے ترک کرنے پر قسم کھانے کی ممانعت:

”وَ لَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (البقرہ: ۲۲۴)

ترجمہ: اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین الخلق کے کام کرو (یعنی اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم یہ نیک کام نہ کرینگے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے، جانتے ہیں (تو زبان کو سنبھال کر بات کرو اور دل میں برے خیالات مت لاؤ)

تفسیر

جس بات سے آدمی قسم کھالیتا ہے اس سے رک جاتا ہے تو جب اس نے ایسے امور میں اللہ کی قسم کھائی تو گویا قسم کھا کر ان کاموں کا حجاب اللہ کے نام کو بنایا حالانکہ اللہ کے نام سے تو نیک کام زیادہ کرنے چاہئیں اس نے الٹا برتاؤ کیا اس لئے ایسی بات پر قسم کھانا اور زیادہ برا ہوا اور یوں نیک کام کا ترک کرنا ویسے بلا قسم بھی برا ہے۔

(بیان القرآن ج۱ ص ۱۴۶ مکتبہ تھانوی دیوبند، مستفاد احکام القرآن جصاص ج۱ ص ۴۲۸)

خیر کو ترک کرنے کے لئے قسم کھانا حرام ہے

”وَ لَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۡٓ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ

toobaa-elibrary.blogspot.com

قُلُوۡبُکُمۡ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ“

(البقرہ:۲۲۵)

خلاصۂ تفسیر

اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح فیما بین الخلق کے کام کرو (یعنی اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم یہ نیک کام نہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں (تو زبان سنبھال کر بات کرو اور دل میں برے خیالات مت لاؤ)۔

(معارف القرآن ا/ ۵۴۴، بیان القرآن ا/ ۱۴۶، احکام القرآن لابن عربی ا/ ۱۷۵)

جھوٹی قسم کا گناہ

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِکُمۡ وَ لٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ (البقرہ:۲۲۵)

اللہ تعالیٰ تم پر آخرت میں دارو گیر نہ فرماویں گے تمہاری ایسی بیہودہ قسم پر جس میں بلا قصور جھوٹ بولا گیا لیکن دارو گیر فرمادیں گے اس جھوٹی قسم پر جس میں تمہارے دلوں نے جھوٹ بولنے کا ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں (کہ ایسی بیہودہ قسم پر دارو گیر نہ فرمائی) حلیم ہیں (کہ قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا میں آخرت تک کی مہلت دی)۔

(معارف القرآن ا/ ۵۴۴، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۶۶، احکام القرآن جصاص ا/ ۴۳۰، احکام القرآن لابن عربی ا/ ۱۷۶، بیان القرآن ا/ ۱۴۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

قسم کی قسمیں اوراحکام

بے معنی اورلغوقسمیں جوگذری ہوئی بات پر بلاارادہ یابالارادہ جھوٹ کوسچ سمجھ کرکھائی جائے یا آئندہ بات کہناچاہتاتھا کچھ اورزبان سے نکل گئی قسم تووہ ساقط الاعتبارہے یعنی ان پرنہ کچھ گناہ اورنہ کفارہ، اسی طرح اگرگذری ہوئی بات پرجھوٹی قسم جان بوجھ کرکھائی جائے تواس پرمواخذہ یعنی گناہ اگرچہ ہے جیسا کہ اس آیت میں ان دونوں جزؤں کوفرمایا گیاہے لیکن حنفیہ کے نزدیک ایسی قسم پرکفارہ نہیں ہے اس یمین غموس کویمین لغوبھی کہہ سکتے ہیں البتہ تیسری قسم یمین منعقدہ ہے کہ زمانہ آئندہ کے لئے کسی کام پرجھوٹی قسم کھائی جائے یعنی اس کوپوراکرنے کاارادہ نہ ہواس کابیان آیت مائدہ میں آئے گابالاتفاق اس پر گناہ بھی ہےاورکفارہ بھی۔

تین قسم کی قسم

حاصل یہ ہے کہ غموس توہمیشہ ماضی پرہوتی ہےاورمنعقدہ ہمیشہ آئندہ پرہوتی ہےاورلغو کبھی ماضی پرہوتی ہےاورکبھی مستقبل پر۔

(کمالین شرح جلالین ۱/۹۹،پ ۲ بقرہ،تفسیرانوارالبیان ۱/۳۲۰،تفسیرخازن ۱/۱۵۴،بیان القرآن ۱/۱۴۹)

ایلاء کاحکم

”لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۲۶)وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔(البقرہ:۲۲۷)

یعنی جولوگ (بلاقیدمدت یاچارماہ یازائدمدت کے لئے) قسم کھابیٹھتے ہیں اپنی بیویوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے پاس جانے سے ان کے لئے چار مہینہ تک کی مہلت ہے سو اگر (ان چار مہینے کے اندر) یہ لوگ (اپنی قسم کو توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کرلیں (تب تو نکاح باقی رہے گا اور) اللہ تعالیٰ (ایسی قسم کو توڑنے کا گناہ کفارہ سے) معاف کردیں گے (اور چونکہ اب بی بی کے حقوق ادا کرنے لگا اس پر) رحمت فرمادیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے (اور اس لئے چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر رجوع نہیں کیا) تو (چار ماہ گذرتے ہی قطعی طلاق پڑھ جاویں گی اور) اللہ تعالیٰ (ان کی قسم کو بھی) سنتے ہیں (اور ان کے اس پختہ ارادہ کو بھی) جانتے ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۴۵، بیان القرآن ۱/ ۱۴۹)

"لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ الخ" چار ماہ یا اس سے زیادہ یا مطلقاً بیوی سے ازدواجی تعلق نہ کرنے کی قسم کھالینا شریعت کی اصطلاح میں ایلاء کہلاتا ہے میاں بیوی کے درمیان کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں اور بگاڑ کے اسباب ظاہر ہوجائیں لیکن ایسے بگاڑ کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ دونوں ایک دوسرے سے قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں بندھے رہیں مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں ہی نہیں ہیں ایسے بگاڑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مدت مقرر کردی ہے کہ یا اس دوران اپنے تعلقات درست کرلیں ورنہ ازدواجی رشتہ منقطع کردیں تاکہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہوکر اپنی راہ اور اپنی منزل متعین کرسکیں، آیت میں چونکہ قسم کھالینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لئے فقہاء حنفیہ شافعیہ نے اس آیت کا منشاء یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن وشوہر نہ رکھنے کی قسم کھائی ہو صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کرلینا تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کے لئے ہو اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت کا حکم اس پر چسپاں نہ ہوگا مگر فقہاء مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو دونوں صورتوں میں ترک تعلق کے لئے یہی چار مہینے کی مدت ہے ایک قول امام احمد بن حنبلؒ کا بھی اس کی تائید میں ہے۔(بدایۃ المجتہد جلد دوم)

(جمالین شرح جلالین ا/۳۵۶،بیان القرآن ا/۱۴۹،احکام القرآن قرطبی ۳/۶۹،احکام القرآن لابن عربی ا/۱۷۹)

ایلاء کی قسمیں مع احکام

ایلاء کی چار صورتیں ہیں:

(۱) چار مہینہ سے کم مدت کی قسم کھائے چاہے آدھا دن سے کم ہو۔

(۲) چار مہینہ مدت کی قید لگا کر حلف کھائے۔

(۳) چار مہینہ سے زیادہ مدت کی تعیین کر کے قسم کھائی جائے۔

(۴) بلا تعیین مدت قسم کھائی جائے۔

اول صورت میں ایلاء شرعی نہیں ہوا اس صورت میں نہ بیوی ہاتھ سے جائے گی اور نہ کفارہ دینا پڑے گا البتہ اگر قسم توڑے گا تو اس کا کفارہ دینا پڑے گا اور باقی تینوں صورتوں میں ایلاء ہوجائے گا چنانچہ دو نقصان میں سے ایک نقصان ضرور ہوگا اگر قسم پوری کرلی تو بیوی ہاتھ سے جائے گی اور بیوی کو بچانے کے لئے قسم کو توڑ دیا تو کفارہ دینا پڑے گا۔

بیوی کے علیحدہ ہوجانے کی صورت میں دونوں رضامند ہوں تو بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

(کمالین شرح اردو جلالین ۱۰۰،پ ۲،البقرہ،جمالین شرح جلالین ا/۳۵۷،تفسیرات احمدیہ ۸۵،احکام القرآن جصاص ا/۴۳۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطلقہ کی عدت اور مدت رجعت کا بیان

"وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (البقرہ:۲۲۸)

"وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ" الی قولہ "اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا" اور طلاق دی ہوئی عورتیں (جن میں اتنی صفتیں ہوں خاوند نے ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہو ان کو حیض آتا ہو آزاد ہوں یعنی شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں) اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض (ختم ہونے) تک (اور اس کو عدت کہتے ہیں) اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم (بچہ دان) میں پیدا کیا ہو (خواہ حمل ہو یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں (کیونکہ اس پوشیدہ کرنے سے عدت کا حساب غلط ہو جائے گا) اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یومِ آخرت پر یقین رکھتی ہیں (بوجہ اس کے کہ اس یقین کا مقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کہ قیامت میں نافرمانی پر سزا نہ ہو جاوے) اور ان عورتوں کے شوہر (جبکہ ان کو طلاق رجعی ملی ہو جس کا بیان آگے آئے گا) ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر (اور اس لوٹا لینے کو رجعت کہتے ہیں) بشرطیکہ (رجعت کرنے سے) اصلاح کا قصد رکھتے ہوں (ورنہ تنگ کرنے کے لئے رجعت کرنا لاحاصل ہے گو رجعت تو ہو ہی جاوے گی) اور (یہ حکم اصلاح کا اس لئے کیا گیا کہ) عورتوں کے حقوق ہیں (مردوں پر) جیسا کہ (نفسِ وجوب میں) مثل انہی کے حقوق کے ہیں جو ان

toobaa-elibrary.blogspot.com

عورتوں پر ہیں (مردوں کے کہ ان کو) قاعدہ (شرعی) کے موافق (ادا کیا جاوے) اور (اتنی بات ضرور ہے کہ) مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے (اس لئے ان کے حقوق کی نوعیت عورتوں کے حقوق کی نوعیت سے بڑھی ہوئی ہے) اور اللہ تعالیٰ زبردست (حاکم) ہیں (اور) حکیم (بھی) ہیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۴۶، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۴۵، تفسیر خازن ۱/ ۱۵۶، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۷۴، بیان القرآن ۱/ ۱۵۰، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۸۸)

مرد وعورت کے فرق اور میاں بیوی کے باہمی حقوق ودرجات پر ایک جامع آیت

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ الخ" یہ آیت عورتوں اور مردوں کے باہمی حقوق وفرائض اور ان کے درجات کے بیان میں ایک شرعی ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد کئی رکوع تک اسی ضابطہ کی اہم جزئیات کا بیان ہوا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۴۷)

اصل آیت کے الفاظ پر غور کیجئے ارشاد فرمایا "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ" یعنی ان کے حقوق مردوں کے ذمہ ہیں جیسے کہ ان کے ذمہ مردوں کے حقوق ہیں اس میں عورتوں کے حقوق کا ذکر مردوں کے حقوق سے پہلے کیا جس کی وجہ تو یہ ہے کہ مرد تو اپنی قوت اور خداداد تفوق کی بناء پر عورت سے اپنے حقوق وصول کر لیتا ہے فکر عورت کے حقوق کی ہونی چاہئے کہ وہ عادۃً اپنے حقوق زبردستی وصول نہیں کرسکتیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۵۲، تفسیر خازن ۱/ ۱۵۸، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۸۲، بیان القرآن ۱/ ۱۵۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرا اشارہ اس میں یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں مسابقت کرنا چاہئے اور یہاں جو لفظ (مثل) کے ساتھ دونوں کے حقوق کی مثلیت اور مساوات کا ارشاد ہے اس کا یہ مطلب تو ہو ہی نہیں سکتا کہ جس طرح کے کام مرد کرے اسی طرح کے عورت بھی کرے یا برعکس کیونکہ مرد و عورت میں تقسیم کار اور ہر ایک کے فرائض فطرۃ جدا جدا ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ دونوں کے حقوق کی ادائیگی یکساں طور پر واجب ہے اور اس میں کوتاہی اور تقصیر کی سزاء بھی یکساں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ قرآن کریم نے ایک مختصر سے جملے میں ایک عظیم الشان دفتر حقوق و فرائض کو کیسا سمویا ہے کیونکہ مفہوم آیت میں عورتوں کے تمام حقوق مردوں پر اور مردوں کے تمام حقوق عورتوں پر داخل اور شامل ہیں۔(بحر محیط)

(معارف القرآن ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳، بیان القرآن ۱/ ۱۵۰)

زوجین کے فرائض

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" الخ۔

اس آیت کے ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے زوجین کو ان کے ذمہ عائد ہونے والے فرائض بتلائے کہ مردوں کے ذمہ عورتوں کے حقوق ادا کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے کہ عورتوں پر مردوں کے حقوق کا ادا کرنا فرض ہے اس میں اشارہ ہے کہ ہر فریق کو اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے بجائے اپنے فرائض پر نظر رکھنا چاہئے اور اگر وہ ایسا کر لیں تو مطالبۂ حقوق کا قضیہ ہی درمیان میں نہیں آئے گا کیونکہ مرد کے فرائض ہی عورت کے حقوق ہیں اور عورت کے فرائض ہی مرد کے حقوق ہیں جب فرائض ادا ہو گئے تو خود بخود حقوق ادا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جائیں گے آج کل دنیا کے سارے جھگڑے یہاں سے چلتے ہیں کہ ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو سامنے رکھتا ہے مگر اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل ہے۔

اس کا نتیجہ مطالبۂ حقوق کی جنگ ہوتی ہے جو آج کل عام طور پر حکومتوں اور عوام میں زوجین میں اور دوسرے اہل معاملہ میں چلی ہوئی ہے قرآن کریم کے اس اشارہ نے معاملہ کے رخ کو یوں بدلا ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے فرائض پورا کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے حقوق کے معاملہ میں مساہلت اور عفو و درگذر سے کام لے اگر اس قرآنی تعلیم پر دنیا میں عمل ہونے لگے تو گھروں اور خاندانوں کے بلکہ ملکوں اور حکومتوں کے بیشتر نزاعات ختم ہو جائیں۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۵۱، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۵۳)

نکاح اور طلاق میں مرد و عورت کی حیثیت

"وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ الخ (البقرہ: ۲۲۸)

اس آیت میں طلاق کے احکام اور ازدواجی زندگی میں عورت کی حق تلفی جن باتوں سے ہوسکتی ہے ان کا انسداد مقصود ہے مثلاً طلاق کی عدت کا ایک مناسب زمانہ مقرر کرکے نکاح کی اہمیت نسب کے تحفظ اور عورت کے نکاح ثانی کی سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا اور یہ بات بھی واضح کی جاری ہے کہ طلاق کے بعد اگر شوہر رجوع کرنا چاہتا ہے تو وہی حقدار ہے کیونکہ شرعاً میل میلاپ مطلوب ہے نہ کہ افتراق نیز یہ اصل عظیم بھی واضح کردی گئی کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں البتہ نوعیت حقوق میں فرق ہے کہ مرد کی بالا دستی عورت پر ناقابل انکار حقیقت ہے گویا ساری خانگی زندگی کا نچوڑ ان دو لفظوں میں بیان کر دیا گیا اگر مرد و عورت کی یہ حیثیتیں پیش نظر رہیں کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک گارڈ اور دوسرا ڈرائیور تو زندگی کی گاڑی بلا کشاکش کھینچ سکتی ہے۔

(کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۰۲، البقرہ، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۵۳، تفسیرات احمدیہ ۹۰)

احکام حیض

"وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" الخ (البقرہ: ۲۲۸)

(۱) آیت میں یہ عدت ایک خاص قسم کی مطلقہ کے لئے بیان کی جا رہی ہے جن کی طرف حلال محقق نے پورے اشارات کر دیئے ہیں حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی ہم بستری کے حکم میں ہے یعنی جس عورت کو خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق ہوتی ہو اس کی عدت بھی وہی ہے جو مدخولہ مذکورہ کی ہے۔

(۲) جو عورت جوان غیر حاملہ ہو مگر مرض احتباس کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کے احکام کتب فقہ میں موجود ہیں۔

(۳) شرعی باندی کو اگر پیرانہ سالی یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

(۴) عدت کے اندر کسی دوسرے مرد سے نکاح جائز نہیں ہے۔

(۵) مطلقہ پر اپنے حمل یا حیض کا اظہار ضروری ہے تا کہ عورت کے حساب میں گڑبڑ نہ ہو۔

(۶) طلاق رجعی میں رجعت دونوں طریقے سے حنفیہ کے نزدیک ہو سکتی ہے زبان سے کہنے سے بھی کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی۔ اور عمل سے بھی کہ بوس و کنار وغیرہ دواعی جماع یا صحبت کر لی جائے رجعت کے بعد پہلا ہی نکاح قائم رہتا ہے تجدید کی ضرورت نہیں۔ (کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۰۲، ۱۰۳ سورۂ بقرہ)

toobaa-elibrary.blogspot.com

عورت اور مرد کے خاص حقوق

عورت کے خاص حقوق مرد پر یہ ہیں کہ حیثیت اور وسعت کے مطابق اس کے لئے کھانے کپڑے رہنے کا بندوبست کرے تنگ نہ کرے مہر ادا کر دے اور عورت کے ذمہ مرد کے خاص حقوق یہ ہیں کہ وہ اس کی اطاعت وخدمت کرے، حکم عدولی، نافرمانی نہ کرے تو جہاں تک نفس حقوق کے واجب ہونے کا تعلق ہے دونوں برابر ہیں البتہ دونوں کی نوعیت کا فرق ان کی تفصیلات سے ہی واضح ہے۔

(کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۰۳، تفسیرات احمدیہ ۹۰)

تین طلاق اور ان کے احکام کی تفصیلات

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ م بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۲۹)

فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُھَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (البقرہ: ۲۳۰)

ترجمہ: طلاق (زیادہ سے زیادہ) دوبار ہونی چاہئے اس کے بعد (شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کرلے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گذر جانے دے) اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

(اے شوہرو) تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم نے ان بیویوں) کو جو کچھ دیا ہو وہ (طلاق کے بدلے) ان سے واپس لے لو الا یہ کہ دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ (نکاح باقی رہنے کی صورت میں) اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے چنانچہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرلے۔

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں لہذا ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کی حدود تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔(۲۲۹)

پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کر کے) دوبارہ واپس آجائیں بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے اور یہ سب اللہ کی حدود ہیں جو وہ ان لوگوں کے لئے واضح کر رہا ہے جو سمجھ رکھتے ہوں۔(۲۳۰)

(آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۴۳، ۱۴۴، تفسیر انوار القرآن ۱/ ۳۲۷، ۳۲۸)

مطلقات چار ہیں اور ان کے مختلف احکام

(۱) مدخول بہا اور مہر مسمی متعین کیا گیا اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا مہر واپس نہیں کیا جائے گا اور اس کی عدت تین حیض ہے۔

(۲) مطلقہ جس کا مہر متعین نہیں کیا گیا اور جو مدخول بہا بھی نہ ہو جب ایسی عورت کو طلاق دی جائے تو اس کے لئے عدت بھی نہیں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) وہ مطلقہ جس کا مہر متعین ہو لیکن وہ غیر مدخول بہا ہے۔

(۴) وہ مطلقہ جو مدخول بہا ہو اور اس کا مہر متعین نہ کیا گیا ہو۔

(احکام القرآن قرطبی ۳/ ۱۳۰)

آیت سے ثابت شدہ ہدایات

(۱) اس آیت سے ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینی چاہئیں کیونکہ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلقات بحال ہونے کا امکان رہتا ہے چنانچہ عدت کے دوران شوہر کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے اور عدت کے بعد دونوں کی باہمی رضامندی سے نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے تین طلاقوں کے بعد دونوں راستے بند ہو جاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔

(۲) دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کا فیصلہ کرے یا علیحدگی کا دونوں صورتوں میں معاملات خوش اسلوبی سے طے کرنے چاہئے عام حالات میں شوہر کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بدلے مہر واپس کرنے یا معاف کرنے کا مطالبہ کرے ہاں اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر کی کسی زیادتی کے بغیر ہو مثلاً بیوی شوہر کو پسند نہ کرتی ہو اور اس بناء پر دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ خوش گواری کے ساتھ نکاح کے حقوق ادا نہ کر سکیں گے تو اس صورت میں یہ جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ عورت مالی معاوضے کے طور پر مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کر دے یا اگر اس وقت تک وصول نہ کیا ہو تو معاف کر دے۔ (حاشیہ آسان ترجمہ قرآن ۱/ ۱۴۳، ۱۴۴، کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۰۷، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۸۳، تفسیرات احمدیہ ۹۰، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۹۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

طلاق رجعی کی تعداد و وضاحت و تفصیلات

الطلاق مرتان۔اس طلاق کو رجعی کہتے ہیں کہ دو مرتبہ سے زائد نہ ہو اور اس میں یہ بھی قید ہے کہ صاف لفظوں سے ہو اور قاعدے سے مراد یہ ہے کہ طریقہ بھی اس کا شرع کے موافق ہو جیسے اس سے پہلے کی آیت میں بضمن مسائل مذکور ہوا ہے اور نیت بھی اس میں شرع کے موافق ہو یعنی رجعت سے یہ قصد ہو کہ اس کے حقوق ادا کریں گے یہ مقصود نہ ہو کہ بی بی کو رکھ کر تنگ کریں گے۔

اور خوش عنوانی سے بھی یہ مراد ہے کہ طریقہ اس کا شرع کے موافق ہو جیسا اثناء ترجمہ بیان ہوا یعنی یا تو اور طلاق نہ دے حتی کہ عدت گذر جاوے وہ خود نکاح سے نکل جاوے گی یا تیسری طلاق اس طرح دے کہ دو طلاقوں کے بعد جب حیض آ کر پاک ہو جائے اور اس کو طہر کہتے ہیں اس وقت تیسری طلاق دے دے بلکہ یہ دونوں طلاق بھی اس طرح ہونا مسنون ہے کہ اول طہر میں ایک طلاق دے پھر اگر دوسری طلاق دینا چاہے تو دوسرے طہر کا انتظار کرے اور الگ ایک ہی طلاق دے کر پھر دوسری تیسری نہ دے تو سب سے احسن ہے اور نیز خوش عنوانی سے چھوڑنے کے لئے ضروری ہے کہ نیت بھی شرع کے موافق ہو یعنی دفع نزاع مقصود ہو یہ قصد نہ ہو کہ اس کی دل شکنی کریں اس کو ذلیل کریں اس لئے نرمی اور دل جوئی کی رعایت ضروری ہے۔(جمالین شرح جلالین ۱/ ۳۶۰، بیان القرآن ۱/ ۱۵۲، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۵۸، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۱۹۰ تفسیرات احمدیہ ۹۱)

خلع کا حکم

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌ م بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡتَسۡرِیۡحٌ م بِاِحۡسَانٍ وَ لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۲۲۹)

عورت سے مال ٹھہرا کر چھوڑنے کی صورتیں

اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک صورت خلع۔

(۲) دوسری طلاق علی المال۔

خلع یہ ہے کہ عورت یہ کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خلع کرلے اور مرد کہے کہ مجھ کو منظور ہے اس کے کہتے ہی گو لفظ طلاق نہ کہے طلاق بائن واقع ہوجائے گی جس کو مسائل ایلاء میں قطعی طلاق کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے اور اسی قدر مال عورت کے ذمہ واجب ہوجائے گا۔

اور طلاق علی مال یہ ہے کہ مرد عورت سے کہے کہ تجھکو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اور اگر منظور کرلے تو منظور کرتے ہی طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اس قدر مال عورت کے ذمہ واجب ہوجائے گا۔ (کمالین شرح جلالین ۱/۱۰۸، احکام القرآن تھانوی ۱/۴۸۸، جمالین ۱/۳۶۲، بیان القرآن ۱/۱۵۲، حکام القرآن جصاص ۱/۴۷۶، احکام القرآن قرطبی ۳/۹۰، ۹۱، تفسیرات احمدیہ ۹۱، تفسیر خازن ۱/۱۶۰)

تین طلاق کے بعد حلالہ کا حکم

”فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُھَا لِقَوْمٍ

toobaa-elibrary.blogspot.com

یَعْلَمُوْنَ“ (البقرہ:۲۳۰)

اس کو حلالہ کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے گا پھر دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے یہی حلالہ کا طریق شرط ہے اور جن دو طلاق کے ساتھ یہ تیسری طلاق ہوگی خواہ وہ دونوں طلاق رجعی ہوں یا بائن یا ایک رجعی ایک بائن پھر یہ تیسری بھی خواہ صریح لفظ سے ہو یا غیر صریح لفظ سے جس کو کنایہ کہتے ہیں اور اس میں عنداللہ نیت کی ضرورت ہے پھر یہ تینوں طلاق خواہ بدفعات (یعنی چند مرتبہ میں ہو) یا دفعۃً ہو (یعنی ایک ساتھ ہو) اور ایک ہی کلمہ سے ہوں یا متعدد کلمات سے سب کا حکم یہی ہے۔

(کمالین شرح جلالین ۱/۱۰۸، بیان القرآن ۱/۱۵۳، احکام القرآن تھانوی ۱/۵۰۵، تفسیر خازن ۱/۱۶۱، احکام القرآن قرطبی ۳/۹۷، ۹۸)

احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء کا حکم

”ولا تتخذوا اٰیت اللہ ھزوا“ اور احکام پر عمل نہ کرنے کو جو لہو ولعب بنانا فرمایا ہے یہ مجازاً ہے چونکہ صرف معصیت ہے گو شدید ہے اور اگر کوئی شخص حقیقۃً احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء کرے وہ کافر ہو جاتا ہے خواہ عقیدہ بھی فاسد ہو یا عقیدہ صحیح رہے کیونکہ دین کی تحقیر تو دونوں حالتوں میں کی اور یہی علت ہے اس کے کفر ہونے کی اور بعض مفسرین نے ولا تتخذوا آیت اللہ ھزوا کی اور طور پر تفسیر کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ طلاق دے دی پھر کہہ دیا کہ ہم نے یوں ہی دل لگی میں کہہ دیا تھا۔

اس طرح غلام آزاد کردیا پھر کہہ دیا کہ ویسے ہی براہ ہزل کہہ دیا تھا اس کی ممانعت اللہ نے فرمائی یعنی یہ احکام محل ہزل نہیں ہیں، حدیث میں اس کو زیادہ مفصل فرمادیا گیا کہ طلاق اور بھی بہت سے امور فرمائے ہیں ایسے ہیں کہ اگر ان کو کوئی براہ ہزال بھی زبان سے کہہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دے گا تو وہ سچ صحیح واقع ہوجائیں گے پھر غیر واقع سمجھنا اور بدستور سابق اس عورت سے برتاؤ رکھنا گناہ ہوگا اسی واسطے آگے اتقوا اللہ وغیرہ فرمایا۔

(کمالین شرح جلالین ۱/۱۰۹، تفسیر خازن ۱/۱۶۱، بیان القرآن ۱/۱۵۴، جمالین شرح جلالین ۱/۳۶۴، احکام القرآن تھانوی ۱/۵۲۸، احکام القرآن قرطبی ۳/۱۰۳، تفسیرات احمدیہ ۹۸، احکام القرآن لابن عربی ۱/۲۰۰)

نکاح ثانی سے عورت کو روکنا جائز نہیں

"وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (البقرہ: ۲۳۲)

ترجمہ: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور عورتیں اپنی میعاد عدت پوری کر چکیں تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ باہم سب رضامند ہوجائیں قاعدہ کے موافق اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہو، اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔

(معارف القرآن ۱/۵۷۰)

تفسیر

بعض جگہ تو خود شوہر ہی طلاق دینے کے بعد جب وہ کہیں دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی تو اپنی ذلت سمجھ کر نکاح نہ کرنے دیتا اور بعض جگہ عورت کے اور عزیز قریب اپنی کسی دنیوی غرض سے اس کو نکاح نہ کرنے دیتے اور ایک جگہ ایسا ہوا کہ وہ عورت اور اس کا پہلا شوہر پھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

نکاح کرنے پر رضامند ہوگئے تھے مگر اس عورت کے بھائی نے غصہ میں آکر روکا تھا اس آیت میں یہ سب صورتیں داخل ہیں اور ہر صورت میں روکنے کو منع فرمایا ہے۔

(کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۰۹، بیان القرآن ۱/ ۱۵۵ تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۳۲، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۵۳۷، احکام القرطبی ۳/ ۱۰۴، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۲۰۱، تفسیرات احمدیہ ص ۹۹)

رضاعت کے احکام

"وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" (البقرہ: ۲۳۳)

ترجمہ: اور بچے والی عورتیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو برس پورے، جو کوئی چاہے پورے کرے دودھ کی مدت اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق، نہ نقصان دیا جائے ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ اس کو جس کا وہ بچہ ہے یعنی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں کے دودھ چھڑا لیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلاؤ کسی دایا سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کردو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔
(معارف القرآن ۱/ ۵۷۹)

تفسیر

ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہ ہو تو اس کے ذمہ دیانۃ یعنی عند اللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلاوے جبکہ وہ منکوحہ ہو یا عدت میں ہو اور اجرت لینا درست نہیں " وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ " میں یہی مسئلہ مذکور ہے، اور اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں چنانچہ دونوں صورتوں میں اجرت مانگنے کا حکم آگے آتا ہے اور والوالدات اگرچہ لفظاً اس دوسری صورت کو بھی عام ہے مگر اگلے جملہ " وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ " کے سبب سے یہ وجوب ارضاع مقید ہو گیا وجوب رزق وکسوت کے ساتھ اور وجوب رزق وکسوت دو حالت میں ہے: نکاح میں اور عدت میں، لہذا یہ وجوب ارضاع بھی نکاح اور عدت کی حالت میں ہوگا کذا فی فتح القدیر۔

(احکام القرآن تھانوی ۱/ ۵۴۷، ۵۶۲، بیان القرآن ۱/ ۱۵۷)

مسئلہ

اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو ہم یوں سمجھیں گے کہ یہ غالباً معذور ہوگی اس لئے اس پر جبر نہ کیا جاوے گا " لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ " میں یہ مسئلہ بھی ہے اگر بچہ کسی کا دودھ ہی نہیں لیتا اور نہ اوپر کا دودھ پیتا ہے تو ماں کو مجبور کیا جاوے گا لا مولود لہ بولدہ میں یہ مسئلہ بھی داخل ہے۔

(تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۳۴، بیان القرآن ۱/ ۱۵۷، احکام القرآن جصاص ۱/ ۴۸۸، کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۱۲، تفسیر خازن ۱/ ۱۶۲، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۱۰۶، تفسیرات احمدیہ ۱۰۱، احکام القرآن لابن عربی ۱/ ۲۰۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسئلہ

ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں تو باپ کو جائز نہیں کہ اس کو نہ پلانے دے اور دوسری انّا (یعنی دوسری دودھ پلانے والی) کا دودھ پلوائے اور یہ مسئلہ بھی ”لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ“ میں داخل ہے۔

مسئلہ

ماں دودھ پلانے پر رضامند ہے لیکن اس کا دودھ بچہ کو مضر ہوگا باپ کو جائز ہے کہ اس کو دودھ نہ پلانے دے اور کسی انّا کا پلوا دے اور ”ان اردتم ان تسترضوا“ میں یہی مسئلہ ہے۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۵۸، کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۱۲، تفسیرات احمدیہ ۱۰۱، تفسیر انوار البیان ۱/ ۳۳۴)

متوفی عنہا زوجھا کے احکام

”وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ“ (البقرہ: ۲۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہیئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھے اپنے آپ کو چار مہینہ اور دس دن پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۸۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

یہ عدت اس بیوہ کی ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہی پیدا ہوجائے یا چار مہینہ دس دن سے بھی زیادہ میں ہو یہ مسئلہ سورہ طلاق میں آئے گا۔

(بیان القرآن ۱/۱۵۹، احکام القرآن جصاص ۱/۵۰۲، احکام القرآن تھانوی ۱/۵۷۴، تفسیر خازن ۱/۱۶۴ تفسیرات احمدیہ ۱۰۵، احکام القرآن لابن عربی ۱/۲۰۷)

ترک زینت کے متعلق حکم

جس کا خاوند مرجائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لگانا سنگار کرنا سرمہ اور تیل بلاضرورت دوا لگانا مہندی لگانا رنگین کپڑے پہننا درست نہیں اور صریح گفتگوئے نکاح ثانی بھی درست نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں ترجمہ میں نکاح کے ساتھ جو وغیرہ کہا گیا ہے اس سے یہی امور مراد ہیں اور یہی حکم ہے اس عورت کا جس پر طلاق بائن واقع ہو جس میں رجعت درست نہیں مگر اس کو اپنے گھر سے دن کو بھی بدون سخت مجبوری کے نکلنا درست نہیں۔

(بیان القرآن ۱/۱۵۹، احکام القرآن تھانوی ۱/۵۷۵، کمالین شرح جلالین ۱/۱۱۵ تفسیر انوار البیان ۱/۳۳۷، تفسیر خازن ۱۶۵، احکام القرآن جصاص ۱/۵۰۸، احکام القرآن قرطبی ۳/۱۲۲، احکام القرآن لابن عربی ۱/۲۰۹)

عدت میں پیغام نکاح کے احکام

"وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِيٓ أَنفُسِكُمْ عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّآ أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا وَلَا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡكِتٰبُ اَجَلَهٗ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ" (البقرہ:۲۳۵)

تفسیر

یہاں عدت کے اندر چار احکام مذکور ہیں دو زبان کے اور دو دل کے اور ہر ایک کا جدا حکم ہے

اول زبان سے تصریحاً پیغام دینا یہ حرام ہے "لَّا تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا" میں اس کا ذکر ہے۔

دوم زبان سے اشارۃً کہنا یہ جائز ہے "لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اور قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا" میں اس کا ذکر ہے، سوم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ ابھی عدت کے اندر ہی نکاح کر لیں گے یہ بھی حرام ہے کیونکہ عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے اور ارادہ حرام کا ہے "لَا تَعۡزِمُوۡا" میں اس کا ذکر ہے۔

چہارم دل سے یہ ارادہ کرنا کہ عدت کے بعد نکاح کریں گے یہ جائز ہے "اَكۡنَنۡتُمۡ فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ" میں اس کا ذکر ہے۔

مسئلہ: جو عورت طلاق بائنہ کی عدت میں ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(احکام القرآن جصاص ا/۵۱۱، بیان القرآن ا/۱۶۰، تفسیر خازن ا/۱۶۶، تفسیر انوار البیان ا/۳۳۸، احکام القرآن قرطبی ۳/۱۲۴، تفسیرات احمدیہ ۱۰۷، احکام القرآن لابن عربی ا/۲۱۲)

طلاق قبل الدخول میں وجوب وعدم وجوب مہر اور متعہ کے احکام

"لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمۡ تَمَسُّوۡهُنَّ اَوۡ تَفۡرِضُوۡا لَهُنَّ فَرِيۡضَةً ‌ۖۚ وَّمَتِّعُوۡهُنَّ عَلَى الۡمُوۡسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الۡمُقۡتِرِ قَدَرُهٗ ‌ۚ مَتَاعًا ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ ۚ حَقًّا عَلَى

toobaa-elibrary.blogspot.com

الْمُحْسِنِیْنَ‘ (البقرہ:۲۳۶)

ترجمہ: یعنی تم پر کچھ مواخذہ نہیں اگر بیبیوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا ہے اور ان کو فائدہ پہنچاؤ صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق واجب ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے لازم ہے نیکی کرنے والوں پر۔ (معارف القرآن ۱/۵۸۶)

تفسیر

اگر کسی عورت کو قبل صحبت اور خلوتِ صحیحہ کے طلاق دیدے تو مہر کچھ دینا نہیں پڑتا بلکہ ایک جوڑا تین کپڑوں کا جس میں ایک کرتہ ہو ایک سر بند اور ایک اتنی بڑی چادر جس میں سر سے پاؤں تک لپٹ سکے واجب ہوتا ہے۔

”قال الزیلعی فی نصب الرایۃ اخرجہ البیہقی عن ابن عباس“۔

(بیان القرآن ۱/۱۶۱، تفسیر انوار البیان ۱/۳۳۹، کمالین شرح جلالین ۱/۱۱۹، تفسیراتِ احمدیہ ۱۰۸، احکام القرآن جصاص ۱/۵۲۶، ۵۲۷)

مسئلہ

ہدایہ میں صحیح قول اسی کو کہا گیا ہے کہ اس جوڑے میں حیثیت مرد کی معتبر ہے عورت کی حیثیت کا لحاظ نہیں اور امام کرخی نے عورت کے حال کا اعتبار کیا ہے وہ آیت کو وصول بالفعل پر محمول کرتے ہیں اور باقی کو دین رکھتے ہیں۔

مسئلہ

ایسی عورت کو ایسا جوڑا دینا واجب اور قائم مقام مہر کے ہے، یہ جوڑا قیمت پانچ درہم

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے کم نہ ہو اور ایسی عورت کے مہر مثل کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔

(جمالین شرح جلالین ۱/ ۳۷۵، بیان القرآن ۱/ ۱۶۱، انوار البیان ۱/ ۳۳۹،
احکام القرآن جصاص ۱/ ۵۱۹، تفسیراتِ احمدیہ ۱/ ۱۱۰)

جس عورت کا مہر متعین ہو قبل الدخول اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق کی صورت میں مہر کا حکم

"وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" (البقرہ: ۲۳۷)

ترجمہ: اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح کی، یعنی خاوند اور تم مرد درگزر کرو تو قرب ہے پرہیز گاری سے اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۵۸۶)

تفسیر

جس عورت کا مہر نکاح کے وقت مقرر ہوا ہو اور اس کو قبل صحبت وخلوت صحیحہ کے طلاق دے دی ہو تو مقرر کئے ہوئے مہر کا نصف مرد کے ذمہ واجب ہوگا البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد پورا دے دے تو اختیاری بات ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی کے ساتھ سلوک واحسان کرنا یا کسی کو اپنا حق معاف کردینا اس کا فی نفسہ موجب اجر ہونا ظاہر اور معلوم ہے البتہ کسی خاص عارض کی وجہ سے رعایت نہ کرنے کو ترجیح ہوجائے وہ روایات ہے مثلاً یہ کہ رعایت کرنے والا خود مفلس ہے اور رعایت کر کے پھر تنگدستی پر صبر نہ کرسکے گا اور خود کسی معصیت میں مبتلا ہوجائے گا سو کسی شیء کا فی نفسہ مستحسن ہونا اور کسی عارض سے غیر مستحسن ہونا ان میں باہم تعارض ومنافات نہیں۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۶۱، ۱۶۲، کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۲۰)

محافظت صلوۃ کا حکم

"حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (۲۳۸)

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ" (البقرہ: ۲۳۹)

ترجمہ: محافظت کرو سب نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے، پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو اطمینان ہوجاوے تو تم خدا تعالیٰ کی یاد اس طریق سے کرو جو تم کو سکھلایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۸۹)

وضاحتی بیان

اس سے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانا اشارہ اس طرف ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی الحق ہے اور معاشرت اور معاملات کے احکام سے علاوہ اور مصلحتوں کے اس توجہ کی حفاظت اور ترقی بھی مقصود ہے چنانچہ جب ان کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

خدائی احکام سمجھ کر عمل کیا جاوے گا تو جہ لازم ہوگی پھر یہ کہ ان احکام میں ادائے حقوق عباد بھی ہے، اور حقوق العباد کے اتلاف سے درگاہِ الٰہی سے دوری ہوتی ہے جس کے لوازم میں سے حق وعبد دونوں کی طرف سے بے توجہی ہے چونکہ نماز میں یہ توجہ زیادہ ظاہر ہے اس لئے اس کے درمیان میں لانے سے اس توجہ کے مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہوگئی تاکہ عبداس توجہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۶۲، کمالین شرح جلالین ۱/ ۱۲۰، تفسیر انوارالبیان ۱/ ۳۴۰)

متوفی عنہاز وجہا کے احکام

”وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ“ (البقرہ: ۲۴۰)

ترجمہ: اور تم میں جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکہ سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے صاحب حکمت بھی ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن ۱/ ۱۵۰)

متوفی عنہاز وجہا کے حکم کی وضاحت

آخر میں طلاق کے جو مسائل چل رہے تھے ان کا یک تکملہ ضمنی طور پر بیان ہوا ہے جو مطلقہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ہے زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال تھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن اسلام نے پیچھے آیت نمبر ۲۳۴ ر میں عدت کی مدت گھٹا کر چار مہینہ دس دن مقرر کردی اوراس حکم کومنسوخ کردیا جس وقت زیرِنظر نازل ہوئی اس وقت تک میراث کے احکام نہیں آئے تھے اور جیسا کہ اوپر کی آیت نمبر ۱۸۰ میں گذرا لوگوں پر واجب تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کریں کہ ان کے ترکہ سے کس کو کتنا فی علوم القرآن دیا جائے لہذا اس آیت میں اسی اصول کے ماتحت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگرچہ بیوی کی عدت چار ماہ دس دن ہے لیکن اس کے شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں یہ وصیت کرجایا کرے کہ اسے سال بھر تک اس کے ترکہ سے نفقہ بھی دیا جائے اوراس کے گھر سے چلی جائے تو کچھ حرج نہیں۔

ہاں چار مہینہ دس دن سے پہلے اس کے لئے بھی شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے اگلے جملے میں جو کہا گیا ہے کہ ’’ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اس میں قعدہ سے مراد یہی ہے کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکلیں پہلے نہیں لیکن یہ سارا حکم میراث کے احکام آنے سے پہلے تھا جب سورۂ نساء میں میراث کے احکام آگئے اور بیوی کا حصہ ترکہ میں مقرر کردیا گیا تو سال بھر کے نفقہ اور رہائش کا یہ حق ختم ہوگیا۔

(حاشیہ آسان ترجمہ قرآن ا / ۱۵۱، تفسیرات احمدیہ ۱۱۳، بیان القرآن ا / ۱۶۳، کمالین شرح جلالین ا / ۱۲۲)

سورۃ البقرہ کی یہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج منسوخ ہے آیت ، ۲۳۴) سے اور وہ یہ ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا

(الاتقان فی علوم القران ج ،۲، ص ۴۸ تفسیرات احمدیہ،۴۶) فوز الکبیر ، ۲۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطلقہ کے لئے متاع اور تحفہ دینے کا حکم

”وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (۲۴۱) کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللہُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ“ (البقرہ: ۲۴۲)

ترجمہ: اور مطلقہ عورتوں کو قاعدے کے مطابق فائدہ پہنچانا متقیوں پر ان کا حق ہے، اللہ اپنے احکام اسی طرح وضاحت سے تمہارے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ داری سے کام لو۔

تفسیر

مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا لفظ بڑا عام ہے اس میں عدت کے دوران کا نفقہ بھی داخل ہے اور اگر ابھی مہر نہ دیا گیا ہو تو وہ بھی داخل ہے نیز اوپر آیت نمبر ۲۳۶ میں جس تحفہ کا ذکر ہے وہ بھی اس میں شامل ہے یہ تحفہ اس صورت میں تو واجب ہے جب کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو اور خلوت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو لیکن مہر مقرر ہوا ہو تو اس صورت میں بھی مستحب ہے کہ مطلقہ عورت کو مہر کے علاوہ یہ تحفہ بھی دیا جائے ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اول تو طلاق کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اس کا اقدام اسی وقت کرنا چاہیئے جب کوئی صورت باقی نہ رہی ہو دوسرے جب یہ اقدام کیا جائے تو نکاح کے تعلق کا اختتام بھی شرافت فراخ دلی اور احترام سے خوش گوار ماحول میں ہونا چاہیئے دشمنی کے ماحول میں نہیں۔

(حاشیہ آسان ترجمہ قرآن ۱/۱۵۱، تفسیر انوار البیان ۱/۳۴۲، کمالین شرح جلالین ۱/۱۲۲، جمالین شرح جلالین ۱/۳۷۶، بیان القرآن ۱/۱۶۴، احکام القرآن جصاص ۱/۵۱۸، ۵۱۹، تفسیر خازن ۱/۱۶۷، تفسیرات احمدیہ ۱۱۵)

طاعون اور وباء سے فرار جائز نہیں

”اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللہُ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ"۔

(البقرہ:۲۴۳)

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مرجاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔(معارف القرآن ۱/ ۵۹۲)

تفسیر

ملا جیون نے تفسیرات احمدی میں فرمایا کہ گذشتہ زمانہ میں شہر ودان یا شہر واسط میں وباء و طاعون کی بیماری پھیلی تو شہر میں سے کچھ لوگ شہر کے اطراف میں نکل گئے اور کچھ لوگ شہر ہی میں رہے جو اطراف و جوانب میں نکل گئے تھے وہ صحیح سالم زندہ رہے اور جو لوگ شہر میں باقی رہ گئے تھے وہ سب مر گئے یہ زندہ رہنے والے لوگ یہ سمجھے کہ ہم طاعون کی بیماری سے بھاگے اس لئے ہم زندہ رہ گئے کچھ زمانہ گذرنے کے بعد دوبارہ وباء کی بیماری پھیلی وہ لوگ پھر اپنے شہر سے باہر نکلے موت سے ڈرتے ہوئے، اور وہ لوگ کئی ہزار تھے۔

بعض روایات میں آٹھ ہزار بعض میں چالیس ہزار کا ذکر ہے تو اللہ نے حکم دیا کہ تم مرجاؤ {فقال لھم اللہ موتوا} یا اللہ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو کہو کہ تم مرجاؤ انہوں نے کہا کہ تم مرجاؤ وہ سب مر گئے اطراف سے ان کو دفن کرنے کے لئے لوگ آئے دفن سے عاجز آگئے انہوں نے ایک بڑی دیوار قائم کردی تاکہ وہ مردہ دیوار کے پیچھے رہے پھر ایک زمانہ گذرا حضرت حزقیل ابن سوریا علیہ الصلوۃ والسلام کا گذر ان پر سے ہوا انہوں نے ان کی ہڈیوں کو دیکھا کہ اتنی بڑی تعداد میں ایک ساتھ ہڈیاں بوسیدہ ہوگئی ہیں اللہ سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا اے اللہ ان پر رحم کی نظر فرما اور زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول کی اور ان کو کہا کہ فلاں کلمہ زبان سے کہو انہوں نے زبان سے کلمہ کہا اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی برکت سے سب مردوں کو زندہ کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے موت پھر زندگی اس لئے دی تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ موت وحیات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اللہ کی قضاء وقدرت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ (تفسیرات احمدیہ ۱۱۵، احکام القرآن لابن عربی ۱/۲۲۹)

تعجیل انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (البقرہ: ۲۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے وہ دن آنے سے پہلے پہلے (اللہ کے راستے میں) خرچ کر لو جس دن نہ کوئی سودا ہوگا نہ کوئی دوستی (کام آئے گی) اور نہ کوئی شفارش ہوئے گی اور ظالم وہ لوگ ہیں جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(آسان ترجمہ قرآن ۱/۱۶۱)

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ جو عمل خیر دنیا میں فوت ہو جائے گا پھر وہاں اس کا تدارک قدرت سے خارج ہو جائے گا چنانچہ تدارک کے طریقے میں سے بعض طریقے تو خود نہ ہوں گے جیسے بیع اور بعضے عام نہ ہوں گے جیسے دوستی بعضے اختیاری نہ ہوں گے جیسے شفاعت کیونکہ داخل تحت القدرت ہونے کے لئے تو یہ سب امور ضروری ہیں خود طریقہ کا وجود پھر عموم یعنی اکثری ہونا پھر اختیاری ہونا۔ (بیان القرآن ۱/۱۷۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسلام میں زبردستی نہیں

”لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ“ (البقرہ: ۲۵۶)

ترجمہ: دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو چکا اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں اور اللہ خوب سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۲۵۶)

(آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۱۶۲)

تفسیر

اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت وخسران سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون رہتا ہے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں اور یوں کوئی ایسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے اسی طرح اسلام میں بطلان کا احتمال نہیں ہے جو مفضی الی الہلاک ہو اور خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے وہ اور بات ہے اور مقصود آیت کا اسلام کی خوبی کا واضح وثابت بالدلیل ہونا ہے جس کو اس عنوان خاص سے بیان فرمایا گیا اسی لئے نفی اکراہ میں فی نفسہ کی قید ظاہر کر دی ہے سو اگر مرتد پر یا کافر حربی پر بوجہ خفائے دلیل کے اکراہ کیا جائے جیسا کہ شریعت میں حکم ہے تو یہ تو نفی اکراہ فی نفسہ کے معارض نہیں اور یہ اکراہ بھی صورت دین ہو گا نہ کہ حقیقت دین پر کیونکہ قلب پر اطلاع کا کوئی یقینی طریق نہیں اور جہاد میں صورت دین پر بھی اکراہ کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مشروعیت جزیہ دلیل صریح ہے کہ مقصود

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہاد سے اسلام کا غالب رہنا ہے خواہ مخالف کے اسلام سے ہو یا صرف رعیت بننے سے ہو اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکراہ بھی لازم آگئی اس لئے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے یعنی دین میں اکراہ مت کرو خوب سمجھ لو۔ (بیان القرآن ۱/۱۷۵)

اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

"مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ" (البقرہ: ۲۶۱)

ترجمہ: مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اُگیں سات بالیں ہر بالی میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، اور اللہ بے نہایت بخشش کرنے والا ہے۔ (معارف القرآن ۱/۲۲۶)

تفسیر

نیک کام میں خرچ کرنا باعتبار نیت کے تین قسم کا ہے:

(۱) ایک نمائش کے ساتھ اس کا کچھ ثواب نہیں جیسا عنقریب آتا ہے۔

(۲) دوسرا ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ اس کا ثواب دس حصہ ملتا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها میں اس ادنیٰ ہی کا بیان ہے۔

(۳) تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ اس کے لئے اس آیت میں وعدہ ہے اس سے زیادہ سات سو تک علی حسب تفاوت المراتب اور اوپر ایک آیت من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ ہو گیا ہے اسی طرح تفاوت ہو جاتا ہے مشقت کی قلت و کثرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے مثلاً دس روپیہ والے کو ایک روپیہ دینا کم مشقت ہے اور دس پیسہ والے کو ایک پیسہ دینا زیادہ مشقت ہے۔(بیان القرآن ا/ ۱۸۰)

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ثواب

”مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ“(البقرہ: ۲۶۱)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گناہ اضافہ کر دیتا ہے اللہ بہت وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔

(آسان ترجمہ قرآن ا/۱۶۶)

تفسیر

یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات سو گنا ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کا ثواب چاہیں اور بڑھا سکتے ہیں واضح رہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کا قرآن کریم نے بار بار ذکر کیا ہے اور اس سے مراد ہر وہ خرچ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اس میں زکوۃ صدقات خیرات سب داخل ہیں۔

(حاشیہ آسان ترجمہ قرآن ا/۱۶۶)

بطلان ثواب کا حکم احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے اور ریاء سے

”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فَتَرَکَهٗ صَلۡدًا لَا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ مِّمَّا کَسَبُوۡا وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ‘‘

(البقرہ: ۲۶۴)

ترجمہ: اے ایمان والوں مت ضائع کرواپنی خیرات احسان رکھ کراور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینھ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۲۷)

تفسیر

جاننا چاہیئے کہ طاعات کی صحت و بقاء کے لئے جس طرح ایمان شرط ہے حتی کہ کافر کی کوئی طاعت صحیح و مقبول نہیں اور اگر طاعت کے بعد کافر ہو جائے وہ طاعت باقی نہیں رہتی جس کو اصطلاح شرع میں حبط کہتے ہیں اسی طرح نصوص سے ثابت ہے کہ علاوہ ایمان کے اور بھی بعض شرطیں صحت یا بقا کی بعض طاعات میں ہوتی ہیں جیسے نماز کے لئے وضوء کی شرط ہے اور شفعہ کی پہلی رکعت کے لئے دوسری رکعت کی شرط بقاء ہے پس یہاں بھی اس آیت اور سابقہ آیت میں ’’لا یتبعون‘‘ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق کے لئے ایمان کے ساتھ کی شرط صحت اور نیز شرط بقا ہے ایک اخلاص بھی شرط صحت ہے اور ترک من واذی شرط بقاء ہے اسی لئے منافق اور مرائی کے انفاق کو باطل کہا گیا ہے کہ اس میں شرط صحت مفقود ہے اور چونکہ بطلان اول اظہر ہے بطلان ثانی سے اس لئے ثانی کو اول کے ساتھ تشبیہ دی

toobaa-elibrary.blogspot.com

گئی اور مشبہ بہ میں جو دو قیدیں لگائی گئیں ایک نفاق کی دوسری ریا کی یہ محض تقویت مشبہ بہ کے لئے ہے ورنہ ہر دو امر فرداً فرداً بھی موجب بطلان ہیں اور تقویت سے یہ فائدہ ہوا کہ من واذی سے نفرت دلانے میں مبالغہ ہو گیا۔

(بیان القرآن ا / ۱۸۲، احکام القرآن جصاص ا / ۵۵۳)

نفقات مقبولہ کی مثال

”وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ م بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ“ (البقرہ:۲۶۵)

ترجمہ: اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کے ایسی ہے جو ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینھ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند اور اگر نہ پڑا اس پر مینھ تو پھوار ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔ (معارف القرآن ا / ۶۲۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا مطلب ہر عمل میں تو ظاہر ہے اور تثبیت کی توضیح یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہوتی ہے اور اہل سلوک کے برتاؤ میں ہے کہ جس کام میں نفس کو قدرے مشقت ہو اس کے بار بار کرنے سے نفس کے اندر بسبب عادت کے ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے دوسرے اعمال میں بھی پس وپیش نہیں کرتا اس کی صفت مزاحمت کی مغلوب ہو جاتی ہے تو اس آیت میں اس کی ترغیب ہے کہ ہر عمل میں یہ نیت بھی کر لینا اچھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ دوسرے اعمال کے لئے نفس میں آمادگی ہو اور یہی حاصل ہوتا ہے مجاہدہ کا نیز خود اس عمل انفاق کا بھی اس سے جب ملکہ پیدا ہوگا تو اس عمل کو جو موجب مرضیات الٰہیہ ہے بار بار کرے گا جس سے مرضیات الٰہیہ ہمیشہ حاصل ہوگی پس حاصل نیت کا یہ ہوگا کہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو اور ایسی عادت ہو جائے کہ آئندہ بھی ہمیشہ رضائے الٰہی حاصل کیا کریں پس اس تقریر پر دونوں غایت کا حاصل رضائے الٰہی ٹھہری حالاً بھی اور مآلاً بھی خوب سمجھ لو۔

دو طرح کی بارش کی تشبیہ کی وضاحت

اور اس تشبیہ میں دو طرح کی بارش فرض کی گئی ہے اس سے مقصود تفاوت مراتب اخلاص کا بیان کرنا ہے چونکہ یہ انفاق ایمان کے ساتھ مقرون ہے من واذی وریا اس میں مفقود ہے اخلاص اس میں موجود ہے تو ضرور ہی مقبول ہو کر موجب تضاعف اجر و ثواب ہو جاتا ہے خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا ہو نفس قبول و تضاعف کے لئے ہر حال میں کافی ہے گو تفاوت مراتب اخلاص سے مراتب قبول و تضاعف میں بھی تفاوت ہو جاوے گا۔ (بیان القرآن ۱/ ۱۸۳)

اللہ کے راستہ میں عمدہ سے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم، گھٹیا مال خرچ کرنے کی مذمت

”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ" (البقرہ:۲۶۷)

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۳۵، ۶۳۶)

تفسیر

شان نزول سے طیب کے معنی عمدہ کے لئے گئے ہیں کیونکہ بعضے لوگ خراب چیزیں لے آتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور بعض نے عموم لفظ سے طیب کی تفسیر حلال کی ہے کیونکہ پوری عمدہ جب ہی ہے جب حلال بھی ہو پس اس بنا پر آیت میں اس کی بھی تاکید ہوگی اور پہلی تفسیر پر دوسرے دلائل سے اس تاکید کو ثابت کیا جائے گا اور یاد رکھو کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے پاس عمدہ چیز ہے اور پھر وہ بری نکمی چیز خرچ کرے جیسا "مَا کَسَبۡتُمۡ" میں "اخرجنا" اس کے موجود ہونے پر "وَلَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ" عمداً نکمی چیز کے خرچ کرنے پر دلالت کر رہا ہے اور جس کے پاس اچھی چیز ہو ہی نہیں وہ اس ممانعت سے بری ہے اور اس کی وہ بری بھی مقبول ہے۔

بعض علماء نے اس سے یہ مسائل مستنبط کئے ہیں:

(۱) مالِ تجارت میں زکوۃ فرض ہے لقولہ تعالیٰ مَا کَسَبۡتُمۡ۔

(۲) عشری زمین میں عشر واجب لقولہ تعالیٰ اَخۡرَجۡنَا

toobaa-elibrary.blogspot.com

عشر مُزارع پر ہے نہ کہ مالک ارض پر" لقوله تعالیٰ "لکم" خلافا لابی حنیفة و لکم" کا مخاطب مجموع کو کہہ دیں گے تفصیل عشر کی کتب فقہ میں ہے اس بنا پر یہ آیت انفاق واجب کے بارہ میں ہوگی۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۸۵، احکام القرآن جصاص ۱/ ۵۵۴، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۶۵۱، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۰۸)

شیطان کی مزاحمت پر تنبیہ

"اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَ اللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ" (البقرہ: ۲۶۸)

ترجمہ: شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگ دستی کا اور حکم کرتا ہے بے حیائی کا، اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۳۶)

تفسیر

یہاں ڈرانے سے مراد دور دراز کے اوہام ہیں جو نیک کام میں خرچ کرتے وقت باجود گنجائش مالی کے بھی گاہ گاہ متخیلہ میں آیا کرتے ہیں اور دلیل اس تخصیص کی یأمرکم بالفحشاء ہے کیونکہ بخل تو وسعت ہی کے وقت معتبر ہوتا ہے تو ایسے وہم میں ڈالنا یہ شیطان کا فعل ہے اور بخیل لوگ ان وہموں میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں آیت میں اس پر عمل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ جب گنجائش ہے تو مناسب مقدار کے خرچ کرنے سے یہ محتاجی کا احتمال ہی غلط ہے پس حاصل آیت کا یہ ہوا کہ ایسے انفاق میں ضرر تو بالکل نہیں اور نفع ہر طرح کا کہ مغفرت بھی ملے اور فضل بھی پس مقتضائے فہم یہی ہے کہ ایسی حالت میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

شیطانی وسوسہ کو ہرگز قبول نہ کرے اور اگر ظاہراً اور یقینا محتاجی کے اسباب وقرائن موجود ہوں تو شریعت خود ایسے شخص کو تطوعات صدقات وتبرعات سے روکتی ہے اور ایسے شخص کے خرچ نہ کرنے کو بخل بھی نہیں کہہ سکتے خوب سمجھ لو اور دین کی فہم سب سے زیادہ نافع اس لئے ہے کہ اس سے عقائد درست ہوتے ہیں اعمال کی توفیق ہوتی ہے اور عقائد واعمال پر آخرت میں نجات اور ثواب ہے اور دنیا کی کوئی نعمت ثواب اور نجات کی برابری نہیں کرسکتی۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۸۵، احکام القرآن جصاص ۱/ ۵۵۷، تفسیرات احمدیہ ۱۱۸)

انفاق کے شرائط کی رعایت کا تاکیدی حکم

”وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ“

(البقرہ: ۲۷۰)

ترجمہ: اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے کوئی منت تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ (معارف القرآن ۱/ ۶۳۶)

تفسیر

کسی قسم کے خرچ کرنے میں سب خرچ آگئے وہ بھی جس میں سب شرائط مذکورہ کی رعایت ہو اور وہ بھی جس میں کل کی یا بعض کی رعایت نہ ہو مثلاً فی سبیل اللہ نہ ہو بلکہ معصیت میں ہو یا انفاق میں ریا ہو یا اس کے بعد من واذی ہو یا حلال اور عمدہ مال نہ ہو اسی طرح نذر کے عموم میں سب نذریں آگئیں مثلاً عبادات مالیہ کی نذر ہو اور اسی مناسبت سے انفاق کے ساتھ نذر کو لائے ہیں یا عبادت بدنیہ کی نذر ہو پھر وہ مطلق یا ہو کسی امر پر معلق ہو پھر یہ کہ اس کا ایفاء کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو یا اور مقصود اس کہنے سے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اطلاع ہے یہ ہے کہ ہم اس کی جزاء دیں گے، یہ اس لئے سنایا تاکہ رعایت کی ترغیب اور عدم رعایت سے ترہیب ہو اور بے جا کام کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروری شرائط کی رعایت نہیں کرتے بلکہ احکام کی مخالفت کرتے ہیں ان کو تصریحاً وعیدیں سنادی۔

(بیان القرآن ۱/۱۸۶، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۱۴، تفسیرات احمدیہ ۱/ ۱۱۹)

انفاق فی سبیل اللہ کے اظہار یا اخفاء میں افضلیت کی تحقیق

”اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ“ (البقرہ: ۲۷۱)

ترجمہ: اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۶۳۶)

تفسیر

اس مقام میں اقوال مختلف ہیں مگر احقر کے ذوق میں حسب شہادت ظاہر قرآن وحدیث امام حسن بصری کا قول جو کہ تفسیرِ کبیر میں منقول ہے راجح معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت فرض ونفل سب صدقات کو شامل ہے اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے اس میں دینی مصلحت بھی ہے کہ ریا سے ابعد ہے لینے والا بھی نہیں شرماتا اور دنیوی مصلحت بھی کہ اپنے حال کی مقدار عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوگی اور مراد افضلیت اخفاء سے آیت میں افضلیت فی نفسہ ہے پس اگر کسی مقام پر کسی عارض سے مثلاً رفع تہمت یا امیدِ اقتداء وغیرہ ذالک اظہار کو ترجیح ہو جائے تو افضلیت فی نفسہ کے منافی نہیں، اور کفارۂ سیئات کچھ اخفاء

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ساتھ خاص نہیں لیکن تخصیص ذکری جب کہ وہ مرجع ضمیر میں یا ترکیب میں جزاء ہو اس نکتہ کے لئے ہے کہ نفس اخفاء میں کوئی ظاہری فائدہ نہیں دیکھتا اس لئے منقبض ہوتا ہے پس ایک فائدہ عظیمہ پر تنبیہ کردی جو باعتبار اعلان کے زیادہ متوقع الحصول ہے اور اس لئے و اللہ بما تعملون خبیر بڑھایا یعنی خدا کو خبر ہے پھر اور کسی کو خبر نہ ہو تو کیوں منقبض ہوتے ہو اور یہ جو کہا کچھ گناہ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسے حسنات سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں کبیرہ کی معافی کے دو طریق ہیں:

(۱) ایک توبہ 'بشرائطھا'۔

(۲) دوسرے فضل ورحمت۔

(بیان القرآن ا/۱۸۶، احکام القرآن تھانوی ا/ ۶۵۳، ۶۵۴ تفسیرات احمدیہ ۱۱۹،
احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۱۵، ۲۱۷، احکام القرآن لابن عربی ا/ ۲۳۶، ۲۳۷)

اللہ تعالیٰ کا احسان مسلم اور کافر سب پر عام ہے

"لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰىھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ" (البقرہ: ۲۷۲)

ترجمہ: تیرا ذمہ نہیں ان لوگوں کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لاوے جس کو چاہے، اور جو کچھ خرچ کرو گے تم مال سو اپنے ہی واسطے جب کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضا جوئی میں اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا۔

(معارف القرآن ا/ ۶۳۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

خلاصہ یہ کہ نیت بھی تمہاری اصل میں اپنے ہی نفع حاصل کرنے کی ہے اور واقع میں بھی حاصل خاص تم ہی کو ہوگا پھر ان زوائد پر کیوں نظر کی جاتی ہے کہ یہ نفع خاص اسی طریق سے حاصل کیا جائے کہ مسلمان ہی کو صدقہ دیں کافر کو نہ دیں شیخ سعدیؒ کا شعر گویا اسی آیت کی تفسیر ہے:

گرا و می برد پیش آتش سجود تو واپس چرا می کشی دستِ جود

(بیان القرآن ۱/۱۸۷)

اور جاننا چاہئے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ تیرا کھانا خاص متقی کھایا کریں، مراد اس سے طعامِ دعوت ہے اور آیت میں طعام حاجت پس تعارض کا شبہ نہ کیا جائے۔

(بیان القرآن ۱/۱۸۷)

اصل مستحقین صدقات

"لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ‌ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ لَا يَسۡـئَلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ"(البقرہ: ۲۷۳)

ترجمہ: خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں، سمجھے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے، تو پہچانتا ہے ان کو ان کے چہرے سے، نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بے شک اللہ کو معلوم ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۶۳۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

فی نفسہ کی قید لگانے کی وجہ سے تقریر ربط سے معلوم ہو چکی ہے یعنی اصل میں تو زیادہ ثواب اسی میں ہے لیکن عارضہ کی وجہ سے ان کے غیر میں ثواب کا زیادہ ہونا ممکن ہے مثلاً ان لوگوں کی حاجت سے زیادہ دوسروں کو حاجت ہو یا یہ توقع ہو کہ ان کی تو خدمت کوئی اور بھی کر دے گا اور دوسرے بالکل محروم ہی رہ جائیں گے، اور جہاں یہ عوارض نہ ہوں وہاں لوگ خدمت کے لئے افضل ہیں اور یہ تطبیق بھی ہو گئی ہے اوپر کی آیت کے مضمون اور اس حدیث میں جو اس کے تحت میں لکھی گئی ہے یعنی فی نفسہ تقی کی خدمت افضل ہے اور عارض کی وجہ سے غیر تقی بلکہ غیر مومن کے ساتھ احسان کرنے میں بھی افضلیت ممکن ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں پس اس بناء پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر جو بعض ناتجربہ کاروں کا یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یا دونوں میں پوری مشغولی کی ضرورت ہو اور جس کو علم دین کا کچھ مذاق ہو گا وہ مشاہدہ سے سمجھ سکتا ہے کہ اس میں غایت مشغولی وانہماک کی حاجت ہے اس لئے اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت ناتمام رہ جاتی ہے چنانچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۸۸، ۱۸۹، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۲۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے اوقات وحالات کی کوئی تخصیص نہیں ہے

”اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ“ (البقرہ: ۲۷۴)

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو ان کے لئے ثواب ہے ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (معارف القرآن ۱/۶۳۷)

تفسیر

اس تعمیم سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی کہ پوشیدہ خرچ کرنا اسی وقت افضل ہے جب تک آشکارہ خرچ کرنے میں کسی عارض سے ترجیح نہ ہو مثلاً اس وقت مجمع میں ایک شخص کا دم نکلا جا رہا ہے اور ہم اس کو نفع پہنچا سکتے ہیں اب وہاں یہ انتظار کرنا کہ جب سب ہٹ جائیں اس وقت اس کی خبر گیری کریں گے۔

اسی مثل کا مصداق ہو جاتا ہے: ”تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود“

اور یہ جو کہا گیا کہ ان پر کوئی خطرہ واقع ہونے والا نہیں اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ قیامت کے روز تو خاص بندے بھی بڑے خوف وخطرہ میں مشغول ہوں گے وجہ دفع شبہ ظاہر ہے کہ گو ان کو خود خطرہ ہو مگر جس امر کا خطرہ ہے وہ ان کو پیش نہ آوے گا۔

(بیان القرآن ۱/۱۸۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ربوا کی تحریم اور مذمت کا حکم

"اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ" مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗٓ اِلَی اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ"(البقرہ: ۲۷۵)

ترجمہ: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت ان کی اس واسطے ہے کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو، پھر جس کو پہونچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالے ہے، اور جو کوئی پھر لیوے سود تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (معارف القرآن ا / ۶۴۴)

تفسیر

(۱) آخرت میں جنون کی سی حالت ہونا قرآن سے تو اس عقل اور اسی قویٰ کے مجموعہ پر مرتب ہونا معلوم ہوتا ہے اور حیات سے صرف سود لینے کے فعل پر بھی اس کا ترتب ثابت ہوتا ہے جیسا کہ روح المعانی میں طبرانی کے حوالہ سے بروایت عوف بن مالک حدیث مرفوع منقول ہے۔

جس کے بعض الفاظ یہ ہیں: فمن اکل الربوا بعث یوم القیامة مجنونا یتخبط ثم قرء الأیة۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۲) قیامت میں سود خور کی حالتِ جنون کو جو تشبیہ دی گئی ہے اس شخص کی حالت سے جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی کر دیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آسیب کا لپٹ جانا امر ممکن ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ جنات میں بعضے خبیث ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ کسی شخص کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے تسلط سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے چونکہ جنات کا وجود قرآن سے ثابت ہے اس کے انگلی چھونے کے اثر سے بچہ کا رونا حدیث سے ثابت ہے لہذا آیت میں اس تاویل کی ضرورت نہیں کہ بناء علی زعم العرب ایسا کہہ دیا گیا ہے اور چونکہ آیت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ بدحواسی کی علت ہمیشہ آسیب زدگی ہی ہے اس لئے اس شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ بدحواسی اور جنون امراض کی ایک قسم ہے وجہ رفع شبہ ظاہر ہے کہ اگر جنون کبھی جن کے اثر سے ہو اور اس سے اخلاط میں تعفن اور تحجّر پیدا ہو جائے یا کبھی اول اخلاط میں فساد پیدا ہو اور ان سے ریاح متعفنہ پیدا ہوں اور ان کے ریاح کے ساتھ ارواح خبیثہ شیطانیہ متعفن ہو جاویں جس طرح بعض فصول میں مواد بخاریہ میں جان پر ہوام موذیہ اور حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں گو ان سب صورتوں میں کوئی وجہ استبعاد کی نہیں ہے پس اس قسم کے آثار کا انکار کرنا نری دہریت اور الحاد ہے اور بعضوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے شبہ ہو گیا

"وما کان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم الآیۃ۔ سو یہاں حصر باعتبار اس کے ہے کہ شیطان جبراً معصیت نہیں کرا سکتا باقی اس اثر متکلم فیہ کی نفی لازم نہیں آتی۔

(بیان القرآن ۱/۱۹۱)

(۳) اور قیامت میں جو یہ سزا دی جاوے گی مناسبت اس کی جرم کے ساتھ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا انما البیع مثل الربوا ناشی ہے اس شخص کی بے عقلی سے دربارہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دین کے اس لئے اس کو سزا زوال عقل کی دی جاوے گی اسی طرح یہ فعل بھی خود دلیل ہے بے عقلی مذکور کی کیونکہ جس علم پر عمل نہ ہووہ گویا علم اور عقل ہی نہیں۔

(بیان القرآن ۱/۱۹۰)

(۴)حق تعالیٰ نے ان کے استدلال مذکور کا جو جواب دیا ہے وہ حاکمانہ جواب ہے جو تقریر قوانین کے وقت بالکل کافی اور نہایت مناست ہوتا ہے باقی حکیمانہ جواب آیت ”ولا تأکلوا اموالکم بینکم باالباطل“ سے بوجہ اس کے باطل میں سود بھی داخل ہے مفہوم ہوتا ہے جس کا حاصل اجمالا یہ ہے کہ اس میں ناحق دوسرے کے مال کا ضائع کرنا ہے باقی مفصل حکمتیں اور احکام اصول اور فقہ میں مذکور ہیں۔

(بیان القرآن ۱/۱۹۰،تفسیرات احمدیہ ۱۱۹، ۱۲۰)

اعمال صالحہ کرنے والے مومنین کی مدح

”اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ“(البقرہ:۲۷۷)

ترجمہ: جولوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوۃ ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(معارف القرآن ۱/۶۴۴)

تفسیر

اوپر کی آیت میں سودخوروں کا قول: انما البیع مثل الربوا“ ان کے کفر پر دلالت کرتا تھا اس کے مقابل اس آیت میں ”امنوا“ لایا گیا اور وہاں ان کی بدعملی سود کی مذکور تھی جس سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان لوگوں کا راغب الی الدنیا ہونا بھی مفہوم ہوتا تھا یہاں ان کی خوش عملی اجمالاً عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اور تفصیلاً راغب الی اللہ ہونا اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ سے اور بجائے مال سود حاصل کرنے کے بالعکس مال کا خرچ کرنا آتوا الزکوۃ سے مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ ان مقابلوں کی رعایت سے کلام میں کس قدر حسن وخوبی آگئی۔

(بیان القرآن ۱/۱۹۱)

سود کی بقایا رقمیں لینا دینا حرام ہے

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۲۷۸) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُ وْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔(البقرہ: ۲۷۹)

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا، پس اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی۔ (معارف القرآن ۱/۶۴۴)

تفسیر

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ“

کا خلاصہ یہ ہے کہ سود اور ربوا کی حرمت نازل ہونے کے بعد جو سود کی بقایا رقمیں کسی کے ذمہ باقی تھیں ان کا لینا دینا بھی حرام کر دیا گیا۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عام عرب میں سود کا رواج

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھیلا ہوا تھا آیات متذکرہ سے پہلی آیتوں میں اس کی ممانعت آ گئی تو حسبِ عادت تمام مسلمانوں نے سودی معاملات ترک کر دیئے لیکن کچھ لوگوں کے مطالبات سود کی بقایا رقموں کے دوسرے لوگوں پر تھے اسی میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی ثقیف کے لوگوں کا کچھ سودی مطالبہ بنی مخزوم کی طرف تھا بنی مخزوم مسلمان ہو گئے تو اسلام لانے کے بعد انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا جائز نہ سمجھا ادھر بنی ثقیف کے لوگوں نے مطالبہ شروع کیا کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی نبی مخزوم کے لوگوں نے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم اپنی اسلامی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہ کریں گے۔ یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے مکہ کے امیر حضرت معاذ ؓ اور دوسری روایت میں عتاب بن اسید ؓ تھے، انہوں نے اس جھگڑے کا قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں بغرضِ دریافت حکم لکھ بھیجا اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سود کے تمام سابقہ معاملات ختم کر دیئے جائیں، پچھلا سود بھی وصول نہ کیا جائے، صرف رأس المال وصول کیا جائے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۵۴، ۶۵۵، مستفاد بیان القرآن ۱/ ۱۹۱)

مفلس کو مہلت دینا واجب ہے

”وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ: ۲۸۰)

ترجمہ: اور اگر تنگ دست ہے تو مہلت دینی چاہئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہے۔(معارف القرآن ۱/ ۶۴۴)

تفسیر

(۱)مفلس کو مہلت دینا واجب ہے۔

(۲)جب اس کو گنجائش ہو پھر مطالبہ کی اجازت ہے۔

(۳)البتہ اگر ہنوز مفلس ہی ہونا تحقیق نہ ہو بلکہ شبہ ہو کہ شاید اپنی گنجائش کا اخفاء کرتا ہے اور قصداً ٹالتا ہے تو حاکم کو دائن کی درخواست پر چاہئے کہ مدیون کو حوالات کر دے اور جب قرائن سے یہ یقین ہو جائے کہ اب اس قدر تنگ ہو چکا ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو ضرور دے دیتا اس وقت رہا کر دے۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۹۳،تفسیرات احمدیہ ۱۲۲،تفسیر خازن ۱/ ۲۰۵)

قرض اور ادھار کے لئے اقرار نامہ لکھنے کی ہدایت اور متعلقہ احکام

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ م بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ ھُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّھَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی وَلَا یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً حَاضِرَۃً تُدِیْرُوْنَھَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ م بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (البقرہ: ۲۸۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہئے کہ لکھ دے، اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتا سکتا تو بتلا دے کارگزار اس کا انصاف سے، اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تا کہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو دوسرا اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو، اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (معارف القرآن ۱ / ۶۸۳)

تفسیر

آیت مذکورہ میں قانونِ معاملات جن کو آج کے قانون میں معاہدات کہا جاتا ہے اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے اہم اصول کا بیان ہے اور اس کے بعد ضابطۂ شہادت کے خاص اصول کا ذکر ہے۔

آج کل تو زمانہ لکھنے لکھانے کا ہے اور تحریر ہی انسان کی زبان کی قائم مقام ہوگئی ہے لیکن آپ چودہ سو سال پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے تو اس وقت دنیا کا سب کاروبار صرف زبانی ہوتا تھا لکھنے لکھانے اور دستاویز مہیا کرنے کا اصول نہ تھا سب سے پہلے قرآن نے اس طرف توجہ دلائی اور فرمایا:

"اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ"۔ یعنی جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ کیا کرو کسی معین مدت کے لئے تو اس کو لکھ لیا کرو۔

دین (یعنی قرض) کے معاملات کو لکھ لینے کا حکم

(۱) اس میں ایک اصول تو یہ بتلا دیا کہ ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنی چاہئے تاکہ بھول چوک یا انکار کے وقت کام آئے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا گیا کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کی جائے، غیر معین مدت کے لئے ادھار دینا لینا جائز نہیں کیونکہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ میعاد بھی ایسی مقرر ہونا چاہئے کہ جس میں کوئی ابہام نہ ہو، مہینہ اور تاریخ کے ساتھ معین کی جائے، کوئی مبہم میعاد نہ رکھیں، جیسے کھیتی کٹنے کے وقت، کیونکہ وہ موسم کے اختلاف سے آگے پیچھے ہوسکتا ہے، اور چونکہ لکھنا اس زمانے میں عام نہ تھا اور آج بھی عام ہونے کے بعد دنیا کی بیشتر آبادی وہی ہے جو لکھنا نہیں جانتی تو یہ ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھ دے جس سے کسی کا نفع اور کسی کا نقصان ہوجائے اسی لئے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

toobaa-elibrary.blogspot.com

کاتب منشی کے لئے ہدایات

”وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ م بِالْعَدْلِ“ یعنی یہ ضروری ہے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔

(۱) اس میں ایک تو اس طرف ہدایت دی گئی کہ کاتب کسی فریق کا مخصوص آدمی نہ ہو بلکہ غیر جانبدار ہو تاکہ کسی کو شبہ اور خلجان نہ رہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر کاتب کو ہدایت کی گئی کہ انصاف کے ساتھ لکھے، دوسرے کے فانی نفع کے لئے اپنا دائمی نقصان نہ کرے۔

(۳) اس کے بعد کاتب کو اس کی ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہنر دیا ہے کہ وہ لکھ سکتا ہے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۸۵، ۶۸۶، بیان القرآن ۱/ ۱۹۳) (تفسیرات احمدیہ ص ۱۲۴)

دستاویز مدیون کی طرف سے ہونا چاہئے

”وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ۔

(البقرہ: ۲۸۲)

ترجمہ: اور بتلاتا جائے وہ شخص جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلا دے کارگزار اس کا انصاف سے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۸۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

اس کے بعد بتلایا گیا کہ دستاویز کی کتابت کس کی طرف سے ہو تو فرمایا: وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ ''یعنی لکھوادے وہ آدمی جس کے ذمہ حق ہے مثلاً سودا خریدا اور قیمت کو ادھار کیا تو جس شخص کے ذمہ ادھار ہے وہ دستاویز کا مضمون لکھوادے کیونکہ یہ اس کی طرف سے اقرار نامہ ہوگا اور لکھوانے میں یہ بھی احتمال تھا کہ کوئی کمی بیشی کردے اس لئے فرمایا گیا ولیتق اللہ ربه ولا یبخس منه شیئا یعنی اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور حق کے لکھوانے میں ذرہ برابر کمی نہ کرے، معاملات میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق عائد ہو وہ خفیف العقل یا سٹھیا ہوا بوڑھا یا نابالغ بچہ یا گونگا ہو یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہوتا ہے جس کو کاتب نہیں سمجھتا اس لئے دستاویز لکھوانے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ اگر ایسی صورت پیش آئے تو ان کی طرف سے ان کا ولی لکھوائے مجنون اور نابالغ کی طرف سے تو ولی کا ہونا ظاہر ہے کہ ان کے سارے معاملات ولی ہی کی معرفت ہوا کرتے ہیں اور گونگا یا دوسری زبان بولنے والے کا ولی بھی یہ کام کرسکتا ہے اور وہ اگر کسی کو اپنا وکیل بنادے تو بھی ہوسکتا ہے قرآن میں لفظ ولی اس جگہ دونوں معنی پر حاوی ہے۔

(معارف القرآن ۱/۶۸۶، احکام القرآن جصاص ۱/۵۸۹، تفسیر خازن ۱/۲۰۷، بیان القرآن ۱/۱۹۳)

گواہی کیلئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہے

''وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى۔

(البقرہ: ۲۸۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

یہاں تک معاملات میں دستاویز لکھنے اور لکھوانے کے اہم اصول کا بیان تھا آگے یہ بتلایا گیا کہ دستاویز کی صرف تحریر کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں کہ کسی وقت باہمی نزاع پیش آجائے تو عدالت میں ان گواہوں کی گواہی سے فیصلہ ہوسکے یہی وجہ ہے کہ فقہاءؒ نے فرمایا تحریر حجت شرعی نہیں جب تک کہ اس پر شہادت شرعی موجود نہ ہو خالی تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا آج کل کی عام عدالتوں کا بھی یہی دستور ہے کہ تحریر پر زبانی تصدیق وشہادت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتی۔

اس کے بعد ضابطہ شہادت کے چند اہم اصول بتلانے کے لئے مثلاً

(۱) گواہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہونا ضروری ہیں ایک اکیلا مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لئے کافی نہیں۔

گواہوں کے شرائط

(۲) دوسرے یہ کہ گواہ مسلمان ہوں لفظ من رجالکم میں اس کی طرف ہدایت کی گئی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں جن کے قول پر اعتماد کیا جاسکے، فاسق وفاجر نہ ہوں۔ ”مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ“ میں یہ حکم مذکور ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۸۶، ۶۸۷، احکام القرآن جصاص ۱/ ۵۹۹، بیان القرآن ۱/ ۱۹۵)

گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے

”وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۤءُ اِذَا مَا دُعُوْا“

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں۔

اس کے بعد لوگوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ شہادت ہی احیاءِ حق کا ذریعہ اور جھگڑے چکانے کا طریقہ ہے اس لئے اس کو اہم قومی خدمت سمجھ کر تکلیف برداشت کریں اس کے بعد پھر معاملات کی دستاویز لکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے اس میں اکتائیں نہیں کیونکہ معاملات کا قلم بند کر لینا انصاف کو قائم رکھنے اور صحیح شہادت دینے اور شک وشبہ سے بچنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے، ہاں اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو ادھار نہ ہو اس کو اگر نہ لکھیں تب بھی کچھ حرج نہیں مگر اتنا اس میں بھی کیا جائے معاملہ پر گواہ بنائیں کہ شاید کسی وقت فریقین میں کوئی نزاع واختلاف پیش آجائے مثلاً بائع کہے کہ قیمت وصول نہیں ہوئی یا مشتری کہے کہ مجھے مبیع پوری وصول نہیں ہوئی تو اس جھگڑے کے فیصلہ میں شہادت کام آئے گی۔

(معارف القرآن ا / ۶۸۷، احکام القرآن جصاص ا / ۶۰۰، بیان القرآن ا / ۱۹۵)

قرض اور بیع سلم کا ثبوت

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ" الخ۔

تشریح: معاملہ دین کا لکھانا اور کاتب کے لئے لکھنے کا حکم اور انکار کی ممانعت یہ سب استحبابی احکام ہیں وجوبی نہیں، اسی لئے کاتب کے لئے اجرت لینا جائز ہے۔

(کمالین شرح جلالین ا / ۵۸۳، احکام القرآن جصاص ا / ۵۸۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیع سلم

جو ایک طرح کا دین ہوتا ہے یہ ہے کہ مکان یا گیہوں خریدے اور روپیہ فی الحال نہ دے بلکہ سال چھ مہینہ کا ادھار کرے یا اس کا برعکس روپیہ فی الحال دے دے اور غلہ کے لئے سال چھ مہینہ کا وعدہ کرے دونوں صورتیں صحیح ہیں منجملہ شرائط سلم کے صحیح طریقہ پر تعیین میعاد بھی ہے یعنی فلاں مہینہ میں یا اب سے چھ مہینہ میں لین دین ہوگا اس طرح کہ مدت میں اشتباہ نہ رہے کہ جس سے نزاعی صورت قائم ہو جائے مثلاً اگر یہ کہہ دیا کہ فصل کے موقع پر یا حجاج کی آمد پر مطالبہ ادا کیا جائے گا تو یہ درست نہیں ہے، غرض بیع سلم میں ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہوتا ہے لیکن اگر لین دین ہاتھ در ہاتھ ہو مگر معاملہ بڑا ہونے کی وجہ سے مصلحت مقتضی ہو تب بھی بیع نامہ لکھوانا جائز ہے مثلاً مکان دکان زمین باغ وغیرہ اہم چیزوں کی بیع البتہ غیر اہم اور معمولی چیزوں میں بیع نامہ کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ (کمالین شرح جلالین ۳/ ۳۹، پ ۱۲ البقرہ، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۶۸۴، تفسیر خازن ۱/ ۲۰۶، ۲۰۷، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۴۳ تا ۲۴۵، تفسیرات احمدیہ ۱۲۲، ۱۲۳، بیان القرآن ۱/ ۱۹۳، ۱۹۴)

آیات مداینہ کا خلاصہ

آیت مداینہ کا خلاصہ یہ سات دفعات نکلتا ہے:

(۱) ہر طرح کے لین دین کے لئے لکھا پڑھی اور گواہی ہونی چاہئے۔

(۲) اگر کوئی فریق نابالغ یا ناسمجھ ہو تو اس کا کارندہ کام سرانجام دے۔

(۳) کاتب کے لئے مناسب ہے کہ دیانت داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔

(۴) گواہی دینے سے انکار نہیں کرنا چاہئے اور اس کا چھپانا حرام ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۵) اس کا بندوبست کرنا چاہئے کہ کاتب یا گواہ کو اہل معاملہ یا اہل معاملہ کو کاتب یا گواہ نقصان نہ پہنچا سکیں ورنہ نظام شہادت درہم برہم ہو جائے گا۔

(۶) گواہی کے لئے اگر دو مرد سلیقہ کے دستیاب نہ ہو سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں جو ایک مرد کے قائم مقام سمجھی جائیں شہادت کے لئے کافی ہیں۔

(۷) کوئی چیز گروی رکھ کر قرض لینا دینا بھی جائز لیکن مرہونہ چیز مالک کی رہے گی قرض دینے والے کے لئے اس کی واپسی سے انکار جائز نہیں۔

(کمالین شرح جلالین پ ۳ البقرہ ۲، ۴۰، ۴۱)

سفر و حضر میں رہن کا ثبوت

”وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (البقرہ: ۲۸۳)

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی پھر اگر اعتبار کرلے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا کرلے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو، اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپائے تو بے شک گناہ گار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۸۳)

تفسیر

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ رہن جس طرح سفر میں جائز ہے حضر میں بھی جائز یہاں ذکر

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں تخصیص سفر کی اس وجہ سے ہے کہ سفر میں اس کی ضرورت بہ نسبت حضر کے زیادہ پڑے گی کیونکہ حضر میں اور بھی ذرائع اطمینان کے ہیں مثلاً کتابت اور اشہاد جو اکثر اوقات سفر میں میسر ہونا دشوار ہے۔

(بیان القرآن ۱/ ۱۹۸، احکام القرآن جصاص ۱/ ۶۳۴، احکام القرآن تھانوی ۱/ ۲۲۳، ۷۲۲، تفسیر خازن ۱/ ۲۰۹، تفسیرات احمدیہ ۱۲۸، ۱۲۹، احکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۶۲، ۲۶۳)

شہادت کا اخفاء حرام ہے

”وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ

(البقرہ: ۲۸۳)

ترجمہ: اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپائے تو بے شک گناہ گار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۶۸۳)

تفسیر

شہادت کا اخفاء دو طرح سے ہے ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے دونوں میں اصل واقعہ مخفی ہو گیا اور دونوں صورتیں حرام ہیں۔

اخفاء شہادت کی مختلف شکلیں

(۱) جب کسی حقدار کا حق بدون اس کی شہادت کے ضائع ہونے لگے اور وہ درخواست بھی کرے اس وقت ادائے شہادت سے انکار حرام ہے۔

(۲) اگر صاحب معاملہ کو علم نہ ہو کہ اس شخص کو میرا واقعہ معلوم ہے تو اس کے حق ضائع ہونے کی صورت میں اس پر ظاہر کر دینا واجب ہے البتہ اگر بعد علم کے وہ اس شخص سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

شہادت کی درخواست نہ کرے تو اس کے ذمہ واجب نہیں کہ وہ خود جا کر گواہی دیتا پھرے۔

(۳) چونکہ ادائے شہادت واجب ہے لہذا اس پر اجرت لینا جائز نہیں البتہ آمد و رفت کا خرچ اور خوراک بقدر حاجت صاحب معاملہ کے ذمہ ہے اگر زیادہ آجاوے تو بقیہ واپس کر دے۔

تفسیر

دل کو اس لئے گنہگار فرمایا کہ کوئی شخص اس کو خالی زبان ہی کا گناہ نہ سمجھ لے کیونکہ اول ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے۔(بیان القرآن ا/ ۱۹۸،تفسیرات احمدیہ ۱۳۰)

افعال قلوب پر مواخذہ کی تحقیق

”لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“

(البقرہ:۲۸۴)

ترجمہ:اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے،اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(معارف القرآن ا/ ۶۸۹)

تفسیر

حاصل مسئلہ کی تقریر ربط میں لکھ چکا ہوں کہ مراد ”مافی انفسکم“ سے امور قلبیہ اختیاریہ نہیں ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس طرح زبان اور جوارح کے افعال دو قسم کے ہیں:

(۱) اختیاری جیسا ارادہ سے بولنا اور ارادہ سے کسی کو مارنا۔

(۲) اور غیر اختیاری جیسے زبان سے کہنا چاہتا تھا کچھ اور بلا ارادہ نکل گیا کچھ یا رعشہ سے ہاتھ کو حرکت ہورہی ہے اور ان میں افعال اختیاریہ پر ثواب وعذاب ہوگا اور غیر اختیاریہ پر نہ ہوگا۔

اسی طرح افعال قلوب میں بھی دو قسم ہیں:

(۱) اختیاری جیسا کفر کا عقیدہ جس کو جان کر جمایا ہے یا سوچ کر اپنے کو بڑا سمجھنا اور اس خیال کو قائم رکھنا یا پختہ ارادہ کرنا کہ شراب پیوں گا۔

(۲) اور غیر اختیاری جیسے برے برے وسوسے کفر یا معصیت کے آنا۔

اور اسی طرح اس میں بھی اختیاری پر مواخذہ ہے اور غیر اختیاری پر نہیں اور جس طرح افعال لسان و جوارح میں بجز کفر کے بقیہ محتمل مغفرت وعذاب غیر دائم کے ہیں اسی طرح افعال قلوب بھی محتمل دونوں کے ہیں پس آیت میں اسی کا بیان ہے کہ معاصی اختیاریہ پر گو وہ افعال قلوب ہوں مواخذہ کیا جاوے گا مگر چونکہ اس آیت میں صراحۃً قید اختیاری ہونے کی مذکور نہ تھی اس لئے صحابہ کرام ظاہر الفاظ کا عموم دیکھ کر اس آیت کو افعال اختیاریہ وغیر اختیاریہ دونوں کو عام سمجھ کر گھبرا گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اب تک ہم ایسے افعال کے مکلف تھے جو ہماری طاقت واختیار میں تھے جیسے نماز وروزہ وزکوۃ وجہاد اب یہ آیت آئی ہے یہ تو ہماری طاقت سے خارج ہے ہر چند کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن غایت خشیت کے غلبہ سے آپ کی نظر بھی الفاظ کے عموم ظاہری کی طرف پہنچی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس طرح آپ نے ایک منافق کے جنازہ کی نماز بعد نزول آیت ”استغفر لکم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ لن یغفر اللہ لھم“ پڑھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عرض کرنے پر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ مجھ کو استغفار و عدم استغفار میں اختیار دیا گیا ہے، میں نے ایک جانب کو اختیار کر لیا سو اس کی بناء بھی غایت رحمت کے غلبہ سے ظاہری صیغۂ تخییر پر نظر فرمانا تھی اسی طرح یہاں واقع ہوا اس لئے انتظار وحی میں آپ نے از خود آیت کی تفسیر ظاہر نہیں فرمائی بلکہ تعلیم ادب و انقیاد کے لئے ارشاد فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح سمعنا و عصینا کہو بلکہ یوں کہنا چاہیے ”سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر“ چنانچہ صحابۂ کرام نے اسی طرح کہا لیکن جو معنی ان کو مفہوم ہوئے تھے اسی کی بناء پر عہد اطاعت کرتے ہوئے زبان لڑکھڑائی تھی اس کہنے پر اللہ تعالیٰ نے اگلی دو آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک میں مسلمانوں کی مدح اور دوسری میں آیت بالا کی تفسیر ارشاد فرمادی جس کو بعض روایتوں میں نسخ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (بیان القرآن ۱/ ۱۹۹)

مومنین کی مدح

”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ“ (۲۸۵)

ترجمہ: مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(معارف القرآن ۱/ ۶۹۲)

تفسیر

احقر کے ذوق میں مقصود مقام مدح فرمانا ہے صرف مومنین کی لیکن ان کی مدح کے لئے ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شامل کر دیا جس میں اشارہ اس طرف ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان کا کامل ہونا تو بلا شبہ یقینی ہے اسی طرح ان کا ایمان بھی کامل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ ایمان رسول کے ذیل میں اس کا ذکر جاوے سو دونوں کا کامل ہونا ایک مرتبہ میں نہ ہو صحابہ کا کامل ہے اور آپ کا اکمل یعنی بہت ہی کامل ہے ناقص کسی کا نہیں۔

(بیان القرآن ۱/ ۲۰۰)

تمّت بالخیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورة آل عمران

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورة آل عمران

مختصر تعارف سورہ آل عمران

عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ''آلِ عمران'' کا مطلب ہے ''عمران کا خاندان''۔ اس سورت کی آیات ۳۳ تا ۳۷ میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے اس لئے اس سورت کا نام ''سورۂ آل عمران'' ہے۔

اس سورت کے بیشتر حصے اُس دور میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، مگر یہاں بھی کفار کے ہاتھوں انہیں بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، اور کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اگلے سال اُنہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، اور غزوۂ اُحد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو عارضی پسپائی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان دونوں غزوات کا ذکر اس سورت میں آیا ہے۔ اور ان سے متعلق مسائل پر قیمتی ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، سورۂ بقرہ میں ان کے عقائد و اعمال کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، اور ضمناً عیسائیوں کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ سورۂ آل عمران میں اصل روئے سخن عیسائیون کی طرف ہے، اور ضمناً یہودیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عرب کے علاقے نجران میں عیسائی بڑی تعداد میں آباد تھے، اُن کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا تھا۔ سورۂ آل عمران کا ابتدائی تقریباً آدھا حصہ اُنھی کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

دلائل کے جواب اور حضرت مسیحؑ کی صحیح حیثیت بتانے میں صرَف ہوا ہے۔ نیز اس سورت میں زکوٰۃ، سود اور جہاد سے متعلق احکام بھی عطا فرمائے گئے ہیں، اور سورت کے آخر میں دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں پر انسان کو غور کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا چاہیے، اور ہر حاجت کے لئے اسی کو پکارنا چاہیے۔ (توضیح القرآن ج ا ص ۱۸۰)

(سورہ آل عمران سے متعلق ضروری باتیں)

سورہ آل عمران مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں ۲۰۰، آیات ہیں اور (۲۰) رکوع ہیں نازل ہونے کے اعتبار سے (۸۹) نمبر پر ہے لیکن تلاوت کے اعتبار سے (۳) نمبر پر ہے اور سورہ انفال کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں (۳۴۸۰) کلمات ہیں اور (۱۴۵۲۰) حروف ہیں۔ (ریاض القرآن ص ۶۸)

سورہ آل عمران میں منسوخ آیت:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں فرمایا ہے کہ بعض مفسرین کے نزدیک سورہ آل عمران کی یہ آیت (و اتقوا اللہ حق تقاتہ) منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے قول (فاتقوا اللہ ما استطعتم) سے اور بعض علماء نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے۔ اور اس آیت کے علاوہ سورہ آل عمران میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو سکے۔ الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۹۔ ادارہ الرشید دیوبند)

(الفوز الکبیر ص ۲۱۔ کتب خانہ امدادیہ دیوبند تفسیرات احمدیہ عربی ص ۷۴۔ اشرفیہ بک ڈپو دیوبند)

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۃ آل عمران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محکمات ومتشابہات کی آیات کے احکام

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران:۷)

ترجمہ:اے رسول! وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں،اب جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تا کہ فتنہ پیدا کریں اوران آیتوں کی تاویلات تلاش کریں،حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ:''ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے) سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے'' اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

(آسان ترجمۂ قرآن ج ۱ص ۱۸۳، ۱۸۴ مفتی تقی عثمانی صاحب)

تفسیر

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آیات محکمات اور متشابہات کا ذکر فرما کر ایک عام اصول اور ضابطے کی طرف اشارہ کر دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد بہت سے شبہات اور نزاعات ختم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو سکتے ہیں

جس کی تفصیل یہ کہ قرآن مجید میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں، ایک قسم کو محکمات کہتے ہیں اور دوسری کو متشابہات۔

محکمات کی وضاحت

محکمات ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد ایسے شخص پر بالکل ظاہر اور بین ہو جو قواعد عربیہ کو اچھی طرح جاننے والا ہو اور جن آیات کی تفسیر اور معانی ایسے شخص پر ظاہر نہ ہوں ان کو متشابہات کہتے ہیں۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۲۰، تفسیر مظہری جدید)

محمد ابن جعفر ابن زبیر نے کہا کہ محکم وہ بیان ہے جس کا معنیٰ معروف ہو اور اس کی دلیل بالکل واضح ہو۔ (تفسیر مظہری جدید ج ۲، ص ۱۲۲)

پہلی قسم کی آیات کو اللہ تعالیٰ نے ام الکتاب کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری تعلیمات کا اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں جن کے معانی اور مفاہیم اشتباہ التباس سے پاک ہوتے ہیں۔

متشابہات کا حکم اور تفصیل

اور دوسری قسم کی آیات میں چونکہ متکلم کی مراد مبہم اور غیر متعین ہوتی ہے اس لئے ان آیات کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے جو معنیٰ اس کے خلاف پڑے ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات ''محکمات'' کے مخالف نہ ہو اور کوئی ایسی تاویل اور توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے گی جو اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہو۔

مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کر دی کہ ''ان ھو عبد انعمنا علیہ''

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہے "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب" ان آیات اور انہی کے مثل دوسری بہت سی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اس کی مخلوق ہیں، لہٰذا نصاریٰ کا ان کے بارے الوہیت اور ابنیت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں۔

اب اگر کوئی شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے صرف "کلمۃ اللہ" اور "روح منہ" وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنیٰ لینے لگے جو محکمات قرآنیہ اور متواتر بیانات کے منافی ہوں تو یہ اس کی کجروی اور ہٹ دھرمی ہو جائے گی۔

کیونکہ متشابہات کی صحیح مراد صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہی اپنے کرم واحسان سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

لہٰذا ایسے متشابہات سے اپنی رائے کے مطابق کھینچ تان کر کے کوئی معنیٰ نکالنا صحیح نہیں ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۰، ۲۱، فوائد عثمانی علی ترجمہ شیخ الہند ص ۶۴)

محکمات کی مراد

محکمات سے قرآن مجید کی وہ آیات مراد ہیں جن کا معنیٰ ومقصود بالکل واضح ہے، اس کی مراد میں کوئی ابہام اور اشتباہ نہیں ہے ان کے اصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہی احکام خداوندی کے جاننے کا مدار اور ہدایت کے لئے کافی وشافی ہیں۔

متشابہ سے مراد

متشابہ، ایسے کلام کو کہتے ہیں جس کی مراد واضح نہ ہو یا تو اس لفظ کے معنیٰ ہی معلوم نہ ہو جیسے "الم" "الرٰ" اور دوسری حروف مقطعات۔ یا اصل معنیٰ تو معلوم ہو لیکن اس کا مصداق

toobaa-elibrary.blogspot.com

اوراس کی کیفیت معلوم نہ ہو جیسے ”ید اللہ فوق ایدیھم“(الفتح ۱۰) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے“ یہاں یداللہ کا معنیٰ معلوم ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کی کیفیت کیا ہوگی؟اس سے اللہ کی قوت ونصرت مراد ہے یا واقعی اللہ کا ہاتھ مراد ہے،اوراگر ہاتھ مراد ہوتو اس کی کیفیت کیا ہے؟اس لئے متشابہات کے بارے میں سلف صالحین کی رائے ہے کہ ان پر اجمالی ایمان لانا کافی ہے اوراس کی کھوج ،کرید میں پڑنا نامناسب ہے۔

(آسان تفسیر قرآن مجید مولانا خالد سیف اللہ ج۱ص ۲۳۰)

اصول فقہ کی اصطلاح میں محکم کا معنیٰ ومطلب

محکم وہ ہے جونہایت درجہ واضح ہواوراس میں نسخ کا کوئی احتمال بھی نہ ہو۔

(اصول السرخسی ج ۱ص ۱۶۵ بحوالہ قاموس الفقہ ج ۵ص ۶۷)

مثال جیسے ”ان اللہ بکل شیئ علیم“(توبہ:۱۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق آیات اوروہ احکام جن کے ابدی اور دوامی ہونے کی صراحت موجود ہے،محکم ہیں۔ (قاموس الفقہ ج ۵ص ۶۷،۶۸)

محکم کا حکم

محکم کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے،مفسرومحکم میں تعارض ہوتو محکم کوترجیح دی جاتی ہے۔ (قاموس الفقہ ج ۵ص ۶۸)

اصول فقہ میں متشابہ کا مطلب

متشابہ ایسے لفظ کو کہتے ہیں جس کی قطعی مراد سے واقف نہ ہوا جاسکے ”ھو اسم لما

toobaa-elibrary.blogspot.com

انقطع رجاء معرفة المراد منه"

(اصول السرخسی ج ۱، ص ۱۶۹، بحوالہ قاموس الفقہ ج ۵، ص ۵۸)

قرآن مجید کے خود اپنے بیان سے واضح ہے کہ قرآن میں ایسی آیتیں بھی ہیں جن کی مراد پوری طرح واضح اور بے غبار ہے اور ایسی آیتیں بھی ہیں جن کی مراد انسان کے لئے واضح نہیں "منه آياتٌ محكماتٌ هنَّ ام الكتاب واخر متشابهاتٌ" (آل عمران:۷)

متشابہات کی تقسیم

قرآن مجید میں متشابہ آیات دو طرح کی ہیں۔

(۱) ایک وہ جن کے کوئی معنٰی ہی معلوم نہ ہو، جیسے بعض سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف مقطعات "الم"، "حٰم" وغیرہ۔

(۲) دوسرے وہ آیتیں جن کا لغوی معنٰی تو معلوم ہو لیکن اس کی کیفیت معلوم نہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کے اعضاء اور اعضاء کے افعال کا تذکرہ، بظاہر ان الفاظ "وجہ، ید، بصارت، سماعت، وغیرہ کے معنٰی معلوم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے ان اعضاء اور افعال کی کیا کیفیت ہے معلوم نہیں۔ (قاموس الفقہ ج ۵، ص ۵۸)

متشابہ کا حکم

متشابہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا یقین رکھنا چاہئے اور اس کی حقیقت اور کنہ تک پہنچنے کی کوشش بھی نہ کرنی چاہئے، کیونکہ یہ تجسس اکثر انسان کو صراط مستقیم سے منحرف کر کے رکھ دیتا ہے۔ "الحكم فيه اعتقاد الحقيقة والتسليم بترك الطلب"

(اصول السرخسی ج ۱، ص ۱۶۹ بحوالہ قاموس الفقہ ج ۵، ص ۵۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

کفار کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات رکھنے کے احکام:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ

(اٰل عمران:۲۸)

ترجمہ: ایمان والوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو لوگ ایسا کرے اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی تعلق نہیں، مگر سوائے ایسی صورت کے کہ ان کے شر سے بچاؤ مقصود ہو اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف واپس آنا ہے۔ (آسان تفسیر قرآن مجید ج ا ص ۲۳۵، مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

تعلقات اور سلوک کے درجات

تعلقات اور سلوک کے تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ مواسات

یعنی غمگساری اور نفع رسانی، یہ مسلمانوں کے لئے بھی ہے غیر مسلموں کے لئے بھی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا ہے، اور جانی دشمنوں کی حاجت روائی فرمائی ہے۔

دوسرا درجہ مدارات

دوسرا درجہ مدارات یعنی ظاہری خوش اخلاقی کا ہے، یہ صورت ان غیر مسلموں کے لئے جائز، بلکہ مطلوب ہے جو مسلمانوں کے ساتھ امن وامان سے رہتے ہیں، جو لوگ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلمانوں سے برسر جنگ ہیں جن کو ''حربی'' کہا جاتا ہے ان کے ساتھ درست نہیں، سوائے اس کے کہ اپنے آپ سے نقصان دور کرنا یا خود اس کافر کی دینی مصلحت کو پورا کرنا مقصود ہو یا وہ غیر مسلم مسلمان ہو جائے۔

تیسرا درجہ موالات

تیسرا درجہ موالات یعنی قلبی دوستی کا ہے جو آدمی کے فکر و عمل پر اثر انداز ہونے لگے، یہ غیر مسلموں سے جائز نہیں۔(حاشیہ آسان تفسیر قرآن مجید ج ا،ص ۲۳۵ مولانا خالد سیف اللہ صاحب، بیان القرآن مکتبہ تھانوی ج ا،ص ۲۱۷)

معارف القرآن میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے چوتھا درجہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

چوتھا درجہ معاملات

چوتھا درجہ معاملات کا ہے ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت کے معاملات کئے جائیں یہ بھی تمام غیر مسلموں سے جائز ہے۔بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہؓ کا تعامل اس پر شاہد ہے، فقہاء نے اسی بناء پر کفار اہل حرب کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے، باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے، اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۵۱، مستفاد کمالین شرح جلالین پ:۳۔آل عمران ۲۸:۳، مکتبہ تھانوی دیوبند، احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲،ص ۱۵))احکام القرآن جصاص ج ۲/ص۔۱۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

”اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً“ سے شیعوں کا تقیہ ثابت نہیں ہوتا

”اِلَّا اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً“ میں جو لفظ ”تقاہ“ فرمایا گیا ہے اس سے مراد شیعوں کا تقیہ نہیں ہے، اس کو آیت سے قطعاً تعلق نہیں ہے، کیونکہ آیت میں اندیشہ ضرر کے وقت دوستی کے اظہار اور دشمنی کے اخفاء کی اجازت دی جارہی ہے۔

اور تقیہ متعارفہ میں دوستی کے بجائے کفر کا اظہار اور دشمنی کے بجائے ایمان کا اخفاء کیا جاتا ہے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، البتہ آیت ”الا من اُکرِہَ“ پس اندیشہ ضرر سے اظہار کفر کی اجازت ہے لیکن اس میں بھی تقیہ شیعہ سے دو طرح کا فرق ہے۔

(۱) اکراہ صرف دفع ضرر کے لئے ہے اور تقیہ جلب منفعت اور دفع مضرت دونوں کے لئے ہوتا ہے اس لئے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

(کمالین شرح جلالین پ:۳،آل عمران ۳:۶۹، مستفاد احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲،ص ۱۴)

جنگ کے موقع پر کافروں سے مدد طلب کرنے کا حکم

”لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ“ الخ۔

جنگ کے موقع پر کافروں سے مدد طلب کرنے کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(الف)

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک جہاد میں کافروں سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے، آیت کریمہ کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے، نیز حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک بہت بہادر مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کے لئے جنگ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

لوٹ جائیں ہرگز مشرک سے مدد نہیں لوں گا۔

"مذھب مالکیہ:انہ لایجوز الاستعانة بالکفار فی الغزو اخذاً بظاھر الایة الکریمة والاستدلوا بما ورد فی قصة (عبادة ابن صامت) کما وضحھا لسبب النزول واستدلوا کذالک بما رواہ عائشة رضی اللہ عنہ "ان رجلاً من المشرکین کان ذا جرأة، ونجدة جاء الیٰ النبی ﷺ یوم بدرٍ لیستأذنہ فی ان یحارب معہ فقال ﷺ انہ ارجع فلن استعین بمشرک"۔

(روائع البیان ج۱،ص ۳۷۵)

(ب)

(۲) دوسرا مذہب جمہور کا یعنی شافعیہ حنابلہ اور احناف کا جنگ میں کفار سے مدد لینا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) جب مشرکین سے مدد کی ضرورت ہو۔

(۲) ان لوگوں پر بھروسہ ہو کہ وہ دھوکہ نہیں دینگے۔

دلیل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فعل سے حاصل کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قینقاع کے یہود سے مدد لی تھی، اور صفوان ابن امیہ سے ہوازن میں مدد لی تھی ان دو واقعات سے مشرکین سے جنگ کے لئے مدد کے جواز پر دلیل ملتی ہے اس لئے جمہور نے مشرکین سے مدد لینے کو جائز کہا ہے اور جمہور کے طرف سے مالکیہ کو اس طرح جواب دیا گیا کہ جب مدد کی ضرورت نہ ہو یا ان مشرکین پر بھروسہ نہ ہو تو مدد لینا جائز نہیں ہے۔

مذھب الجمھور (الشافعیہ ،الحنابلہ، والاحناف) قالوا یجوز الاستعانة بالکفارفی الحرب بشرطین اولاً الحاجة الیھم ،ثانیاً الوثوق من جھتھم ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

و استدلوا علی مذھبھم بفعل النبی ﷺ فقد استعان بیھود قینقاع و قسم لھم والستعان بصفوان ابن امیہ فی ھوازن فدل ذالک علی الجواز، وقالوا فی الرد علی الادلة الماکیة بانھا منسوخة بفعلہ ﷺ و عملہ وقال بعضھم ان ما ذکرہ المالکیة یحمل علیٰ عدم الحاجة او عدم الوثوق حیث ان النبی ﷺ لم یثق من جھتہٖ و بذلک یحصل الجمع بین ادلة المنع و الدلة الجواز۔

(روائع البیان ج ا ص ۷۵-۳،۷۶-۳) توضیح القرآن ج ا۔۱۹۰) تفسیر مظہری ج ۲ ص ۷ ۱۴ ادارالکتاب دیوبند)

کیا مسلمانوں کے معاملات و امور کا کافر کو ذمہ دار و الی بنانا جائز ہے؟

”لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ“

اس آیت کے ترجمہ سے بعض علماء نے استدال کرتے ہوئے فرمایا کہ کافر کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں ذمہ دار بنانا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن عربی کی رائے

اور علامہ ابن عربیؒ نے فرمایا کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن کا ذمہ دار بنانے سے منع فرمایا تھا اور ان کے معزول کرنے کا حکم دیا تھا جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کسی مشرک کو یمن کا محاسب بنا دیا تھا۔

علامہ ابوبکر جصاص کی رائے

اور علامہ جصاصؒ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ میں اور اس کے مثل دگر آیات میں اس بات پر دلالت ہے کہ کافر کو مسلمان کے کسی معاملہ میں ولایت حاصل نہیں ہے، اسی طرح جب کسی کافر کا مسلمان بچہ اس کے ماں کی وجہ سے مسلمان سمجھا جائے گا تو اس کافر باپ کو اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

بچہ پر کسی قسم کی ولایت شرعاً حاصل نہیں ہوگی نہ تصرف کے اعتبار سے نہ تزویج کے اعتبار سے۔

(روائع البیان ج ا ص ۳۷۷) احکام القران جصاص ج ۲۔ص ۱۳)

"واستدل بعض العلماء بهذه الاية الكريمة على انه لايجوز تولية الكافر شيئا من امور المسلمين ولا جعلهم عمالاً ولاخدماً كمالايجوز تعظيمهم وتوقيرهم فى المجلس والقيام عند قدومهم فان دلالته على التعظيم واضحة قد امرنا باحتقارهم بقوله سبحانه "انما المشركون نجس"

قال (ابن العربى): وقد نهى عمر ابن الخطاب ابا موسىٰ الاشعرى رضی اللہ عنہ عن شخص ذمى استكتبه باليمن وامره بعزله۔

قال (الجصاص): وفى هذه الآية ونظائرها دلالة على ان لا ولاية للكافر على المسلم فى شيء وانه اذا كان للكافر ابن صغير مسلم باسلام امه فلاولاية له عليه فى تصرف ولاتزويج ولاغيره۔ (روائع البیان ج ا، ص ۳۷۷)

فساق، فجار اور اشرار کے ساتھ موالات کا حکم

فساق، فجار اور اشرار کے ساتھ موالات جائز ہے اوپر جو موالات محرمہ مذکور ہوئی اس میں داخل نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فساق، فجار کے ساتھ مدارات کا معاملہ کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے ہیں لیکن ہمارے دل ان سے راضی اور خوش نہیں ہے۔

بعض علماء نے اس بات کی مزید وضاحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ان لوگوں کے ساتھ مدارات کا معاملہ کرنے میں ضرر غیر نہ ہو جیسا کہ وہ معاملہ اصول دین کا مخالف نہ ہو تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس مدارات میں کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے اور مدارات میں ضرر غیر ہو مثلاً اگر یہ مدارات کسی کے قتل یا چوری یا جھوٹی شہادت کا سبب بنے تو پھر یہ مدارات جائز نہیں ہے اللہ ہی ہدایت دینے والے ہیں صراط مستقیم کی جس کو چاہے۔

"تجوز مدارا ۃ اھل الشر و الفجور و لا یدخل ھذا فی الموالات المحرمۃ فقد کان علیہ الصلوٰۃ و السلام یداری الفساق و الفجار و کان یقول (انا لنبش فی وجوہ قوم و قلوبنا تلعنھم) او کما قال ﷺ قال بعض العلماء ان کانت فیھا لا یؤدی الیٰ ضرر الغیر کما انھا لا تخالف اصول الدین فذالک جائز، و ان کانت تؤدی الیٰ ضرر الغیر کالقتل و السرقۃ و شھادۃ الزور فلا تجوز البتۃ و انہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم"

(روائع البیان ج ۱ ص ۳۷۷) بیان القرآن ج ۱۔ ۲۱۷ مکتبہ تھانوی)

وہ بعض آیات جو کفار کے ساتھ موالاۃ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے

(۱) قال اللہ تعالیٰ "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا النصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض"۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذو الذین اتخذوا دینکم ھزواً وّ لعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم و الکفار اولیاء و اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین"۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا"۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ "لا تجد قوماً یؤمنون باللہ و الیوم الاٰخرۃ یوادون من حادّ اللہ و رسولہٗ"۔ (روائع البیان ج ۱ ص ۳۷۵، علامہ صابونی مکتبۃ العصریہ بیروت)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ماں کا بھی حق اولاد پر ہوتا ہے

”اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اٰل عمران:۳۵)

ترجمہ: جبکہ عمران کی بی بی نے عرض کیا کہ اے! میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائے گا، سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

(بیان القرآن تھانویؒ ج ۱ ص ۲۲۲)

انبیاء سابقین میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ اپنی اولاد میں سے کسی بچہ کو اللہ کے لئے مخصوص کر دیتے کہ اس سے دنیا کی کوئی خدمت نہ لیں، حضرت مریمؑ کی والدہ نے اسی قاعدہ کے مطابق اپنے حمل کے متعلق یہ منت مان لی کہ اس کو خاص بیت المقدس کی خدمت کے لئے رکھوں گی دنیا کے کام میں نہ لگاوں گی، مگر جب حمل سے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ خیال کر کے افسوس کیا کہ لڑکی تو یہ کام نہیں کر سکتی مگر حق تعالیٰ نے ان کے اخلاص کی برکت سے اس لڑکی ہی کو قبول فرما لیا، اس کی شان ساری دنیا کی لڑکیوں سے ممتاز کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ ماں کو اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک گونہ ولایت حاصل ہے، اگر ماں کو بچہ پر ولایت حاصل نہ ہوتی تو حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نذر نہ مانتی، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ ماں کو بھی حق ہے کہ اپنے بچہ کا نام خود تجویز کرے۔ [جصاص]

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرعہ اندازی کے بارے میں حکم شرعی

”ذٰلِکَ مِنۡ اَمۡ نۡبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡکَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَیُّهُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ (ال عمران: ۴۴)

ترجمہ: اے! پیغمبر یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ تمہیں دے رہے ہیں تم اس وقت ان کے پاس نہیں تھے، جب وہ یہ طے کرنے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں کون مریم کی کفالت کرے گا، اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب (اس مسئلہ میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے۔

(آسان ترجمہ قرآن ج ا، ص ۱۹۵ مفتی تقی عثمانی صاحب)

تفسیر

شریعت محمدیہ میں قرعہ اندازی کا حکم

شریعت محمدیہ میں حنفیہ کے مسلک پر قرعہ کا یہ حکم ہے کہ جن حقوق کے اسباب شرع میں معلوم و متعین ہیں ان میں قرعہ نا جائز ہے و داخل قمار ہے، مثلاً شیء مشترک میں جس کا نام نکل آئے وہ سب لے لے یا جس میں بچے کے نسب میں اختلاف ہو اس میں جس کا نام نکل آئے وہی باپ سمجھا جائے اور جن حقوق کے اسباب رائے کے سپرد ہوں ان میں قرعہ جائز ہے مثلاً مشترک مکان کی تقسیم میں قرعہ سے زید کو شرقی حصہ دیدینا اور عمر کو غربی حصہ دیدینا، یہ اس لئے جائز ہے کہ بلا قرعہ بھی کرنا اتفاق شریکین سے یا قضائے قاضی سے جائز تھا۔ (بیان القران تھانویؒ ج ا، ص ۲۲۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

یا یوں کہئے کہ جہاں سب شریکوں کے حقوق مساوی یا نہ ہوں وہاں کوئی ایک جہت ایک شخص کے لئے متعین کرنے کے واسطے قرعہ اندازی جائز ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۶۵،کمالین شرح جلالین پ:۳،آل عمران:۳،ص ۷۳)

کیونکہ بلا قرعہ خود آپس کی رضامندی یا قضائے قاضی سے تقسیم اور تعیین جائز تھی۔

(مستفاد احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲،ص ۲۳،کمالین شرح جلالین پ:۳،آل عمران ۳،ص ۷۳)

علامہ ابوبکر جصاصؒ نے فرمایا

"والقاء الاقلام یشبه القرعة فی القسمة وفی تقدیم الخصوم الیٰ الحاکم وهو نظیر ماروی عن النبی ﷺ "انه کان اذااراد سفراً اقرع بین نسائه ،وذلک لان التراضی علی ما خرج به القرعة جائز من غیر قرعة وکذالک کان حکم کفالة مریم علیها السلام وغیر جائز وقوع التراضی علی نقل الحریة عمن وقعت علیه۔

(احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۱۷)

علامہ قرطبی نے بھی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اسی طرح تحریر کیا ہے۔

(قرطبی ج ۴،ص ۵۶)

مباہلہ کا شرعی حکم اور اس کی تفصیلات

"اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ (۶۰) فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ" (آل عمران:۶۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: یہ امر واقعی آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جیئے، پس جو شخص آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں حجت کرے آپ کے پاس علم آئے پیچھے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤں ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے تنوں کو اور تمہارے تنوں کو پھر ہم خوب دل سے دعاء کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو ناحق پر ہوں۔

(بیان القران ج ۲،ص ۲۳۵ مکتبہ تھانوی)

مباہلہ کی تعریف اور تفصیل

"فقل تعالوا ندع" الخ: اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ کسی امر کے حق و باطل میں فرقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے کیونکہ لعنت کے معنیٰ رحمتِ حق سے بعید ہو جانا ہے، اور رحمت سے بعید ہونا قہر سے قریب ہونا ہے، پس حاصل معنیٰ اس کے یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعین صادق و کاذب کی منکرین کے نزدیک بھی واضح ہو جائے گی، اس طور پر دعا کرنے کو "مباہلہ" کہتے ہیں اور اس میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر دعا کرنا ہے اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر جمع کیا جائے تو اس سے اور اہتمام بڑھ جاتا ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۸۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مباہلہ کا حکم

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ علامہ شامی نے "باب الرجعت بحث حلالہ" میں بحر سے بحوالہ غایۃ البیان کے نقل کیا ہے کہ مباہلہ اب بھی حاجت کے وقت جائز اور مشروع ہے، میں کہتا ہوں کہ "لعان" کا مشروع ہونا مشروعیت مباہلہ کی کافی دلیل ہے۔

(بیان القرآن ج ۲، ص ۷ ۲۳)

"واخرج عبد ابن حمید عن قیس ابن سعد ان ابن عباس رضی اللہ عنہ کان بینه وبین آخر شيء فدعاه الى المباهلة وقرء الاية ورفع يديه فاستقبل الركن وكانه يشير بذلك رضى الله عنه الىٰ كيفية المباهلة وان الايدى ترفع فيه وفيما اخرجه الحاكم تصريح بذالك وانها ترفع حذو المناكب كذافى الروح۔

مباہلہ کے جواز کی شرط

اور ردالمختار "باب اللعان بحث صفۃ اللعان" میں جواز کے لئے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ مباہلہ کرنے والا صادق ہو، میں کہتا ہوں کہ صدق سے مراد صدق قطعی ہو ظنی نہیں تو مسائل اختلافیہ ظنیہ میں ناجائز ہوگا۔ (بیان القرآن ج ۲، ص ۷ ۲۳، مستفاد احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲، ص ۲۴، مستفاد کمالین شرح جلالین پ ۳ ال عمران: ۳، ص ۹۶)

علامہ شامی نے فرمایا: مقتضى مشروعية اللعان جواز الدعاء باللعن على كاذب معين فان قوله لعنة الله عليه ان كان من الكاذبين دعاء على نفسه باللعن على تقدير كذبه فتعليقه على ذلک لا يخرجه عن التعيين نعم يقا ل ان مشروعيته ان كان صادقا فلو كان كاذبا لايحل له وذكر فى البحر مايدل على

toobaa-elibrary.blogspot.com

الجواز بما في عدة غاية البيان من أن المباهلة مشروعة في زماننا وهي الملاعنة

(شامی ج: ۳ ص: ۴۸۸ مکتبہ تجاریہ مکۃ المکرمۃ)

فی زمانناً مباہلہ کے جواز پر اس آیت کے ماتحت صاحب فوائد عثمانی نے بہترین واضح تقریر فرمائی وہ مختصراً حسب ذیل ہے:

فوائد عثمانی کی بہترین جامع تقریر

قرآن نے یہ نہیں بتایا کہ مباہلہ کی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہ ہی ظاہر ہونا چاہئے جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونے والا تھا، بعض سلف کے طریقِ عمل اور بعض فقہاء حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے، مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں، عورتوں کو بھی شریک کیا جائے، نہ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مباہلہ پر آتا، بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث وجدال سے الگ ہو جانا ہے، اور میرے خیال میں مباہلہ ہر ایک کاذب کے ساتھ نہیں صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ابن کثیر کہتے ہیں

”قال تعالیٰ امراً رسوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان يباهل من عاند الحق في امر عيسیٰ بعد ظهور البيان والله اعلم“

(فوائد عثمانی علی ترجمۃ شیخ الہند ص ۷۵ مطبع تاج کمپنی لاہور کراچی)

toobaa-elibrary.blogspot.com

کسی غیر مسلم کے اچھے اوصاف کی مدح کرنے کا حکم

”وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ“ (اٰل عمران: ۷۵)

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو اس کو تمہارے پاس لا رکھے، اور انہی میں بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو بھی تم کو ادا نہ کرے، مگر جب تک کہ تم اس کے سر پر کھڑے رہو، یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں یہ ہم پر غیر اہل کتاب کے بارے میں کسی طرح کا الزام نہیں، اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں، اور وہ بھی جانتے ہیں۔

(بیان القرآن تھانوی دیوبند ج۱ ص ۲۴۳)

اس آیت میں بعض لوگوں کے امانت دار ہونے پر مدح کی گئی ہے، اگر اس بعض سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان لا چکے تو ان کی تعریف کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔

سوال:

اس سے اگر خاص لوگ مراد نہ ہو بلکہ مطلقاً اہل کتاب ہوں جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا تو ان کی مدح سے کیا فائدہ؟

جواب:

یہ ہے کہ کسی چیز کا مقبول ہونا اور چیز ہے اور اس کی مدح کرنا اور چیز ہے، مدح کرنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں مقبول بھی ہے،اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہے،جس کا فائدہ اس کو دنیا میں ''نیک نامی'' ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی۔

اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام تعصب اور تنگ نظری سے کام نہیں لیتا بلکہ وہ کھلے دل سے اپنے مخالف کے ہنر کی بھی اس کے مرتبہ کے مطابق داد دیتا ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۹۳،المستفادا حکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲،ص ۲۷)

حرم میں جنایت کا حکم

''اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۹۶) فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ (اٰل عمران:۹۷)

ترجمہ:حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے(۹۶)اس میں روشن نشانیاں ہیں،مقام ابراہیم ہے،اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں،ان پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دنیا جہاں کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔(۹۷)

(توضیح القران آسان ترجمہ قرآن،سورۂ ال عمران:۹۷،ج ا،ص ۲۱۰)

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے حرم میں جنایت کی اس سے قصاص

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیا جائے گا چاہے وہ جنایت قتل سے متعلق ہو یا کوئی عضوء کے تلف وزخم سے ہو،فقہاء نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جنایت کرنے والے نے حرم مکرم کی حرمت کو ختم کیا ہے اس لئے اس سے قصاص لیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه فان قاتلوكم فاقتلوهم كذالك جزاء الكافرين"

(روائع البیان ج۱،ص ۳۸۴)احکام القرآن جصاص،ج،۲،ص ۲۷۔۲۸)

غیر حرم سے جنایت کر کے حرم میں آنے والے جانی کا حکم

جس شخص نے غیر حرم میں جنایت کی ہو اور حرم میں آکر پناہ لی ہو کیا اس سے حرم میں قصاص لیا جائے گا،اس سلسلہ میں دو مذہب ہے۔

(۱)حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں جس شخص نے کوئی ایسا گناہ کیا جو حد کو واجب کرتا ہو پھر اس نے حرم میں پناہ لی ہو تو اس کو حرم میں سزا نہیں دی جائے گی وہ حرم میں داخل ہونے پر محفوظ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے"ومن دخله كان آمناً"اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے امن کو واجب کر دیا جو حرم میں داخل ہو گیا،آیت کا مطلب یہ ہو جائے گا"من دخله فامّنوه" کہ جو حرم میں داخل ہو جائے اس کو امن دیدو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور یہی رائے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ہے پس انہوں نے فرمایا جس شخص نے حرم سے باہر ایسا جنایت کا کام کیا جس کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہو پھر اس نے حرم میں پناہ لی تو اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ہاں اس سے بائیکاٹ کیا جائے گا یعنی اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا بات کرنا اور بیع شراء کرنا بند کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل جائے ،حرم سے باہر نکلنے کے بعد ہی اس سے قصاص لیا جائے گا۔

(روائع البیان ج ۱ ص ۳۸۴۔احکام القرآن جصاص ،ج ،۲ ص ۲۷۔۲۸)

(۲) مالکیہ وشافعیہ کا مذہب

مالکیہ،شافعیہ نے کہا کہ جس شخص نے غیر حرم میں جنایت کی پھر حرم میں پناہ لی حرم میں پناہ لینے کے باوجود اس سے حرم میں ہی قصاص لیا جائے ، چاہے اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا اِرش تاوان والی جنایت ہو۔

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرم میں بعض مشرکین کے قتل کا حکم فرمایا ،اور ابن خطل کے بارے میں حکم دیا ہے "اقتلوہ ولو رائتموہ متعلقات باستار الکعبة" کہ تم ابن خطل کو قتل کر دو اگر چہ وہ کعبۃ اللہ کے غلاف سے چمٹا ہوا ہو۔

(روائع البیان ج ۱ ص ۳۸۴۔احکام القرآن جصاص ،ج ،۲ ص۔۲۸)(تفسیر مظہری ج ۲۔ص ر ۲۰۳)

فقیر نادار اور غلام کے حج کا حکم

"وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا"

ترجمہ:اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں،ان پر اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔

فقیر نادار پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ اس میں استطاعت نہیں ہے لیکن اگر نادار اور فقیر ہونے کے باوجود اس نے حج کیا تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا، اور بالاجماع فرضیت کا بوجھ اس سے اتر جائے گا۔

"الفقیر لایجب علیه الحج لعدم الاستطاعة ولٰکن اذا ادی الحج سقط عنه الفرض بالاجماع"۔

(روائع البیان ج ا، ص ۳۸۵) (احکام القرآن جصاص، ج، ۲ر ص ۳۳)

غلام کے حج کا حکم

غلام پر حج فرض نہیں ہے لیکن اگر غلام نے حج کیا تو کیا اس سے حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی اور آزاد ہونے کے بعد حج فرض ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اس میں دو مذہب ہے:

(۱) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر غلام نے حج کیا تو اس کا حج نفل ادا ہو جائے گا اور وہ جب آزاد ہو جائیگا اس کو اپنا حج فرض ادا کرنا ہوگا۔

(روائع البیان۔احکام القرآن جصاص، ج، ۲ر ص ۳۳)

غلام کے حج کا مسئلہ نابالغ بچہ کے مسئلہ کی طرح ہو جائے گا جیسا کہ بچہ نے حج کیا ہو تو بالغ ہونے کے بعد اس پر اپنا حج فرض ادا کرنا ہوگا، اسی طرح غلام نے حالت غلامیت میں حج کیا تو حج نفل ہوگا، جب آزاد کر دیا گیا تو اب اپنا حج فرض ادا کرنا لازم اور فرض ہوگا۔

(۲) امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر غلام نے حج کیا تو اس کے حج فرض کی طرف سے کافی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جائے گا، جیسا کہ فقیر نادار کا حج، حج فرض کی طرف سے کافی ہوتا ہے اور انہوں نے اس سے بھی استدلال کیا جیسا کہ غلام پر جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اگر وہ جمعہ کی نماز پڑھے تو اس سے ظہر کی نماز ساقط ہو جائے گی ایسا ہی جب حج ادا کرلے تو حج فرض ساقط ہو جائے گا، دوسرا حج کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن یہ رائے ضعیف ہے، جیسا کہ علامہ نوویؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے اور علامہ نوویؒ شافعیہ میں سے ہے۔

(روائع البیان ج ۱ ص ۳۸۵)(احکام القرآن جصاص ج ۲۔ص ر ۳۳)

کیا عورت پر حج فرض ہونے کے لئے محرم کا ہونا شرط ہے؟

”وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا“

عورت پر حج فرض ہونے کے لئے مَحرم کا ہونا شرط ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہے

(۱) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

عورت پر حج کی فرضیت کے شرائط میں مَحرم کا ساتھ ہونا بھی ہے، ورنہ اس پر حج فرض نہ ہوگا، کیونکہ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت سبیل اللہ نے فرض قرار دیا ہے ”وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا“ اور بغیر محرم کے وہ کیسے حج کر سکتی ہے۔

محرم کے ساتھ ہونے کے شرط ہونے پر بہت سے دلائل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

”لایحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تسافر سفراً فوق ثلاث الا مع ذی محرم او زوج“ کسی ایسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ تین دن سے زیادہ کا سفر بغیر محرم کے کرے۔

اور یہ عام حکم ہے چاہے حج کا سفر ہو یا حج کے علاوہ کا ہو، نیز حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی روایت ہے انہوں نے فرمایا:

”خطب النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم، فقال: لاتسافر امرأة الا ومعها ذومحرم، فقال: رجل یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انی قد اکتتبت فی غزوة کذا وقد ارادت امراتی ان اتحج، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم: احجج مع امرأتک“

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا پس فرمایا کہ کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے، ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا نام فلاں غزوہ میں لکھ دیا گیا ہے تحقیق کہ میرے عورت نے حج کا ارادہ کیا ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عورت نے جب حج کا ارادہ کرلیا اور اس پر حج فرض ہوگیا تو وہ شوہر یا محرم ہی کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، پس تحقیق کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جہاد کے ترک کرنے کا حکم دیا حالانکہ وہ بھی فرض تھا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرنے کا حکم دیا، اگر بیوی کے ساتھ شوہر کا ہونا شرط اور ضروری نہ ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بیوی کے ساتھ حج کرنے کا حکم نہ دیتے۔

(روائع البیان ج۱،ص ۳۸۶)(احکام القرآن جصاص، ج،۲،ص ۳۱)

(۲) دوسرا مذہب شافعیہ اور حنابلہ کا ہے

ان کے نزدیک عورت کے سفر حج میں محرم یا شوہر کا ہونا شرط اور ضروری نہیں ہے بشرطیکہ عورت کو اپنی ذات پر اطمینان ہو بایں طور کہ عورتوں کی جماعت کے ساتھ یہ عورت ہو اور کسی بے اطمینانی کا خوف نہ ہو تو شوہر اور محرم کا ہونا شرط اور ضروری نہیں ہے، ہاں حج

toobaa-elibrary.blogspot.com

نفل میں محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت حج نفل ادا نہیں کر سکتی۔

(روائع البیان ج ا ص ۳۸۶)

حج کی فرضیت کی شروط خمسہ

”وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا“

حج کی فرضیت کے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) عاقل ہونا۔

(۳) بالغ ہونا۔

(۴) استطاعت کا ہونا۔

(۵) عورت کے ساتھ محرم کا ہونا۔

اور بعض علماء نے راستہ کا پُر امن ہونا بھی شرائط میں داخل کیا ہے۔لیکن راستہ کا پُر امن ہونا یہ ادائیگی حج کے لئے شرط ہے وجوب کے لئے شرط نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص ؒ نے فرمایا استطاعت صرف دو چیزوں میں منحصر نہیں ہے یعنی زاد اور راحلہ،توشہ اور سواری پر قدرت میں اس لئے کہ وہ مریض جس کو سفر کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ ہو ایسا بوڑھا آدمی جو سواری پر سوار نہیں ہو سکتا اور لنگڑا لولا آدمی اور ایسا آدمی جس کا مکہ پہنچنا متعذر اور مشکل ہو پس یہ سب لوگ غیر مستطیع ہیں،ان لوگوں پر حج فرض نہیں ہے،اگر چہ زاد اور راحلہ ان کے پاس موجود ہے،پس اس بات سے معلوم ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”استطاعت“ سے صرف زاد و راحلہ ہی نہیں مراد لیا بلکہ تمام شرائطِ استطاعت مراد لیا ہے۔(روائع البیان ج ا ص ۳۸۷)احکام القرآن جصاص،ج،۲،ص ۳۱

toobaa-elibrary.blogspot.com

مشورہ کے احکام

”فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِى الۡاَمۡرِ فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ (ال عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: بعد اس کے کہ خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے تھے، سو ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کے لئے استغفار کیجئے، اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہاں کیجئے، پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا پر اعتماد کریں بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

(بیان القرآن ج ۲ ص ۲۸۸ مکتبہ تھانوی)

آیت سے ثابت شدہ احکام

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: آپ تندخو، سخت مزاج ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، اس سے چند باتیں مرشد و مبلغ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔

پہلی چیز معلوم ہوئی: (۱) مرشد و مبلغ کے لئے تندخوئی و سخت کلامی زہر ہے اور اس کے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے۔

دوسری چیز معلوم ہوئی: (۲) اس کے بعد ارشاد فرمایا ”فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ“ یعنی ان سے جو خطا ہوگئی ہو اس کو آپ معاف فرما دیں اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی خطاؤں کا انتقام نہ لے بلکہ عفو درگذر سے کام لے برا کہنے پر مشتعل نہ ہو، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایذاء دینے والوں سے نرمی کا معاملہ کرے۔

تیسری چیز معلوم ہوئی: (۳) اس کے بعد ارشاد فرمایا ”وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ“ یعنی آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی مغفرت طلب کریں، جس میں یہ ہدایت ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود ان کی ایذاؤں پر صبر کریں بلکہ دل سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑیں اور چونکہ سب سے بڑی خیر خواہی ان کی آخرت کی درستی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لئے بخشش کی دعا مانگیں۔

چوتھی چیز یہ معلوم ہوئی: (۴) اس کے بعد ارشاد فرمایا ”شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ یعنی حسب سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی لیا کریں تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے، اس میں اس کی طرف ہدایت فرمائی کہ جو خیر خواہی کا داعیہ ان کے لئے قلب میں ہے، عمل سے بھی اس کا اظہار کریں کہ اپنی مشاورت سے ان کو مشرف فرمادیں۔

(مستفاد معارف القرآن ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

سابقہ آیت کا خلاصہ

اس پوری آیت میں مصلح و مبلغ کے لئے چند صفات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

(۱) اول سخت کلامی اور کج خلقی سے بچنا۔

(۲) دوسرے ان لوگوں سے کوئی غلطی یا ان سے ایذاء کی کوئی چیز صادر ہو جائے تو انتقام کے درپئے نہ ہونا بلکہ عفو درگذر کا معاملہ کرنا۔

(۳) تیسرے یہ کہ ان کی خطاء اور لغزشوں کی وجہ سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑنا۔

(۴) ان کے لئے دعاء استغفار بھی کرتے رہنا اور ظاہری معاملات میں ان کے ساتھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن سلوک کا معاملہ نہ چھوڑنا۔ (مستفاد معارف القرآن ج ۲،ص ۲۱۷)

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے ''دعوت الی اللہ میں نرمی اور شفقت کے استعمال کو واجب قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ سختی اور درشتی کو ترک کرنا بھی واجب ہے اور قرآن مجید کی دو آیات دلیل میں پیش فرمائی ہے۔

قوله "ولو كنت فظا غليظ القلب لا نفضوا من حولك "يدل علىٰ وجوب استعمال اللين والرفق وترك الفظاظة والغلظة فى الدعاء الىٰ الله تعالىٰ كما قال تعالىٰ "ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتى هى احسن "(النحل: ۱۲۵)وقوله تعالى لموسىٰ وهارون "فقولا له قولا ليّنا لعله يتذكر او يخشىٰ "(طٰهٰ: ۴۴) (احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۵۱) (معارف القرآن)

مشورہ کی شرعی حیثیت اور اس کا حکم

اس بارے میں قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ اور احادیث نبویہؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں رائیں مختلف ہوسکتی ہیں پس خواہ وہ حکم وحکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملہ سے، باہمی مشورہ لینا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی سنت اور دنیا وآخرت میں باعث برکات ہے، قرآن وحدیث میں اس کی تائید آئی ہے اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے جیسے معاملاتِ حکومت ان میں مشورہ لینا واجب ہے، ''ابن کثیر''۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۱۹، احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲،ص ۶۶، ۶۷، مستفاد قرطبی ج ۴،ص ۱۶۱)

مشورہ میں اختلاف رائے کے وقت فیصلہ کی صورت

مسئلہ: میں اگر اختلاف رائے ہوجائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہوگا یا اس کو اختیار ہوگا کہ اکثریت ہو یا اقلیت ہو جس طرف دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے، قرآن وحدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر کثرتِ رائے کے فیصلہ کا پابند ومجبور ہے، بلکہ قرآن کریم کے بعض ارشادات اور حدیث اور تعامل صحابہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کرسکتا ہے، خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لئے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لئے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں غور فرمائیں، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ "فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہ" یعنی مشورہ کے بعد آپ جب کسی جانب کو طے کرکے عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

اس میں "عزمت" کے لفظ میں عزم یعنی نفاذِ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا، "ماعزمتم" نہیں فرمایا جس سے عزم وتنفیذ میں صحابہؓ کی شرکت معلوم ہوتی، اس اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے۔

حضرت عمر ابن خطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ ابن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے، حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہؓ موجود ہوتے تھے، جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے حضور

toobaa-elibrary.blogspot.com

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہؓ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے، حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا آیتِ مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لئے نازل ہوئی۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۲۵)

مشورہ میں عزم کے بعد توکل کی ضرورت اور اس کی حقیقت

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں تدابیر اورمشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل ورائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو، کیونکہ یہ سب تدبیر مدبر الامور کے قبضۂ قدرت میں ہیں، انسان کیا اور اس کی رائے وتدبیر کیا، ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ (معارف القرآن)

اس جملہ ”فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ“ سے بھی واضح ہوگیا کہ توکل ترک اسباب اور ترک تدبیر کا نام نہیں بلکہ اسباب قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنت انبیاء اور تعلیم قرآن کے خلاف ہے، ہاں اسباب بعیدہ اور دور از کار فکروں میں پڑے رہنا یا صرف اسباب اور تدبیر ہی کو مؤثر سمجھ کر مسبب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہوجانا بے شک خلاف توکل ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۲۶، ۲۲۷)

محض کثرت رائے کا اعتبار نہیں

”فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ“ حضرت تھانویؒ نے فرمایا اور یہ جو کہا گیا کہ خواہ وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو دلیل اس کی یہ ہے کہ لفظ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی، اور اس سے معلوم ہوا کہ امور انتظامیہ متعلقہ بالرائے والمشورہ میں کثرت رائے کا ضابطہ محض بے اصل ہے، ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو، اور مشورہ وعزم کے بعد جو توکل کا حکم فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر منافی نہیں توکل کے کیونکہ مشورہ وعزم کا داخلِ تدبیر ہونا ظاہر ہے۔

(بیان القرآن ج ۱، ص ۲۸۸، مکتبہ تھانوی دیوبند)

توکل کے مراتب اور اس کے احکام

"فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" اس جملہ کے ماتحت حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں ارشاد فرمایا کہ اور جاننا چاہیے کہ یہ مرتبہ توکل کا کہ باوجود تدبیر کے اعتقاداً اعتماد رکھے اللہ تعالیٰ پر یہ ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے اور توکل بمعنٰی ترک تدبیر کے اس میں تفصیل ہے۔

توکل بمعنٰی ترک تدبیر کی تفصیل

تفصیل اس میں یہ ہے کہ اگر وہ تدبیر دینی ہے تو اس کا ترک مذموم اور اگر دنیوی یقینی عادۃً ہے تو اس کا ترک بھی ناجائز، اور اگر ظنی ہے تو قوی القلب کو جائز، اور اگر وہمی ہے تو اس کا ترک مامور بہ ہے۔ فقط

(بیان القرآن ج ۱، ص ۲۸۸، مکتبہ تھانوی دیوبند)

"غلول" یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا گناہ عظیم ہے

"وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (اٰل عمران: ۱۶۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے، حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ شخص اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔

(بیان القرآن ج ۱ ص ۲۹۰، ۲۹۱ مکتبہ تھانوی دیوبند)

''غلول'' یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنا گناہ عظیم ہے

لفظ غلول خیانت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور خاص کر کے مالِ غنیمت کی خیانت کے لئے بھی، اور مالِ غنیمت میں چوری اور خیانت کا جرم عام چوریوں اور خیانتوں سے زیادہ اشد ہے، کیونکہ مالِ غنیمت میں پورے لشکر اسلام کا حق ہوتا ہے تو جس نے اس میں چوری کی اس نے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کی چوری کی۔

اگر کسی وقت اس کو تلافی کا خیال بھی آئے تو بہت مشکل ہے کہ سب کو ان کا حق پہنچائے یا معاف کرائے۔

بخلاف دوسری چوریوں کے کہ مال کا مالک معلوم ومتعین ہے، کسی وقت اللہ نے توبہ کی توفیق دی تو اس کا حق ادا کر کے یا معاف کرا کر بری ہوسکتا ہے، یہی وجہ تھی کہ ایک غزوہ میں ایک شخص نے اون کا کچھ حصہ چھپا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا، مالِ غنیمت تقسیم ہونے کے بعد اسے خیال آیا تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود ''رحمۃ للعالمین'' ہونے اور امت پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہونے کے اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اب میں اس کو کس طرح سارے لشکر میں تقسیم کروں، اب تو قیامت کے روز ہی تم اس کو لے کر حاضر ہوگے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۳۲، ۲۳۳)

اس لئے غلول کی سزاء بھی عام چوریوں سے زیادہ اشد ہے کہ میدان حشر میں جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی، سب کے سامنے اس کو اس طرح رُسوا کیا جائے گا کہ جو مال چوری کیا تھا وہ اس کی گردن پر لدا ہوا ہوگا، صحیحین میں براویت حضرت ابوھریرہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو اور یہ اعلان ہوتا ہو کہ اس نے مالِ غنیمت میں کا اونٹ چرایا تھا وہ شخص اگر مجھ سے شفاعت کا طالب ہوگا تو میں اس کو صاف جواب دوں گا کہ میں نے حکم الہٰی پہنچا دیا تھا اب میں کچھ نہیں کرسکتا۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۳۳)

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیانت اور غلول کے معاملہ میں بہت شدت اختیار فرمائی ہے، بلکہ گناہ کبیرہ میں داخل فرمایا

”وقد عظم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر الغلول حتی اجراہ مجری للکبائر“۔

(احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۵۴،قرطبی ج ۴،ص ۱۶۶)

اوقاف کی چوری اموال اور سرکاری خزانہ میں چوری بحکم غلول ہے

یہی حال مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے اگر معافی بھی کرائے تو کس کس سے معاف کرائے، اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانہ ”بیت المال“ کا حکم ہے کیونکہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے، جو اس میں چوری کرے اس نے سب کی چوری کی، مگر چونکہ یہی اموال عموماً ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا، نگرانی کرنے والے بے پروائی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتے ہیں، چوری کے مواقع بکثرت ہوتے ہیں اس لئے آج کل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت انہی اموال میں ہو رہی ہے، اور لوگ اس کے انجام بد اور وبال عظیم سے غافل ہیں کہ اس جُرم کی سزاء علاوہ عذابِ جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی "نعوذ باللہ منہ"

(معارف القرآن ج ۲، ص ۲۳۳)

صبر مصابرہ مرابطہ اور تقویٰ کا حکم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ

(اٰل عمران: ۲۰۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! (تکالیف پر) خود صبر کرو اور (جب کفار سے مقابلہ ہو تو) مقابلہ میں صبر کرو اور (احتمالِ مقاتلہ کے وقت) مقاتلہ کے لئے مستعد رہو اور (ہر حال میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ حدود شرعیہ سے نہ نکلو) تا کہ تم کامیاب ہو (آخرت میں لازمی اور ضروری اور بعض اوقات دنیا میں بھی)" (بیان القرآن)

تفسیر

اس آیت میں (۱) اول تو مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا گیا ہے جو ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ ہوسکتا ہے اور اس کی تفصیل اور بیان اوپر ہو چکی۔

دوسرا حکم (۲) مصابرہ کا جو کفار سے مقابلہ کا احتمال اور مقاتلہ کے وقت ہوتا ہے۔

تیسرا حکم (۳) مرابطہ کا جو کافر سے مقابلہ کا احتمال اور خطرہ لاحق ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

چوتھا حکم (۴) سب سے آخر میں تقویٰ کا حکم ہے جو ان سب کاموں کی روح ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

قبولیت اعمال کا مدار ہے، یہ مجموعہ تقریباً تمام احکامِ شرعیہ پر حاوی ہے حق تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق کامل عطا فرمائیں۔"وللہ الحمد اولہ وآخرہ"

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۷۶)(تفسیر مظہری ج ۲رص ۳۱۰)(تفسیر ابن کثیر ج ارص ۶۷ تا ۷۱)

تمت بالخیر

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورة النساء

toobaa-elibrary.blogspot.com

مختصر تعارف سورہ نساء

یہ سورت آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اور اس اکا اکثر حصہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ اُبھر رہا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق اور معاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی، دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں، اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورۂ نساء نے ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کی ہیں۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، اس کا نام سورۂ نساء ہے۔ جنگ اُحد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے تھے، اس لئے سورت نے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے، اور آیت نمبر ۱۴ تک میراث کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے، ان مظالم کی ایک ایک کر کے نشاندہی کی گئی ہے، اور معاشرے سے ان کا خاتمہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نکاح وطلاق کے مفصل احکام بیان کئے گئے ہیں، اور میاں بیوی کے حقوق متعین فرمائے گئے ہیں۔ یہ مضمون آیت نمبر ۳۵ تک چلا ہے جس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بعد انسان کی باطنی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کو عرب کے صحراؤں میں سفر کے دوران پانی کی قلت پیش آتی تھی، لہٰذا آیت ۴۳ میں تیمّم کا طریقہ اور آیت ۱۰۱ میں سفر مین نماز قصر کرنے کی سہولت عطا فرمائی گئی ہے۔ نیز جہاد کے دوران نمازِ خوف کا طریقہ آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بتایا گیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، آیات ۴۴ تا ۵۷ اور ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں ان کی بداعمالیوں کو واضح فرمایا گیا ہے، اور انہیں راہِ راست پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵ میں ان کے ساتھ عیسائیون کو بھی خطاب میں شامل کر لیا گیا ہے، اور انہیں تثلیت کے عقیدے کے بجائے خالص توحید اِختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیات ۵۹,۵۸ میں سیاست اور حکمرانی سے متعلق ہدایت آئی ہیں۔ منافقین کی بدأعمالیاں آیات ۶۰ تا ۷۰ اور پھر آیات ۱۳۷ تا ۱۵۲ میں واضح کی گئی ہیں۔ آیات ۷۱ تا ۸۹ نے جہاد کے احکام بیان کر کے منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی سیاق میں آیات ۹۲, ۹۳ میں قتل کی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں مظالم جھیل رہے تھے، ان کی ہجرت کے مسائل آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ اسی دوران بہت سے تنازعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے فیصلے کے لئے لائے گئے۔ آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵ میں ان کے فیصلے کا طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپ کا فیصلہ دِل و جان سے قبول کرنے کی تأکید کی گئی ہے۔ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶ میں توحید کی اہمیت واضح کی گئی ہے خاندانی نظام اور میراث کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد سوالات پوچھے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹ اور پھر ۱۷۶ میں ان سولات کا جواب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پوری سورت احکام اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور شروع میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ پوری سورت اس کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

(توضیح القرآن ج ا ص ۲۴۵)

(سورہ نساء کی منسوخ آیات)

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد (والذین عقدت ایمانکم فآتوھم نصیبھم) یہ آیت منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد (واولو الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ) سے (الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۹) لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے یہ آیت منسوخ نہیں ہے الفوز الکبیر ص ۲۱

صاحب تفسیرات احمدیہؒ نے فرمایا کہ یہ آیت موالات کی وراثت کے متعلق ہے امام شافعیؒ کے نزدیک منسوخ ہے لیکن ہم احناف اس کے حکم کے باقی رہنے کے قائل ہیں کیونکہ عقد ولاء ہمارے نزدیک ثابت ہے اور امام شافعیؒ کے یہاں ثابت نہیں ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۱۴۹ اردو مکتبہ ادبی نیا دھلی)

(۲) (اللاتی یاتین الفاحشۃ) یہ آیت منسوخ ہے سورہ نور کی آیت سے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ص ۴۹ ج ۲) لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس آیت کے متعلق فرمایا ہے کہ منسوخ نہیں ہے۔ الفوز الکبیر ص ۲۱ تفسیرات احمدیہ ص ۴۸/۴۹) اردو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورة النساء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یتیموں کو نقصان پہنچانے کی ممانعت

”وَ اٰتُوا الۡیَتٰمٰۤی اَمۡوَالَہُمۡ وَ لَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِیۡثَ بِالطَّیِّبِ ۪ وَ لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَہُمۡ اِلٰۤی اَمۡوَالِکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ حُوۡبًا کَبِیۡرًا“(سورۃالنساء:۲)

ترجمہ:اور جن بچوں کا باپ مرجائے ان کے (مملوک) مال ان ہی کو پہنچاتے رہو(یعنی ان کے خرچ میں لگاتے رہو) اور (جب تک تمہارے قبضہ میں ہیں) تم (ان کے مال میں شامل کرنے کے لئے (ان کی) اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو(یعنی ایسا مت کرو کہ ان کی اچھی چیز تو نکال لی جائے اور بری چیز ان کے مال میں ملا دی جائے) اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں (کے رہنے تک) البتہ جب تمہارے پاس کچھ نہ رہے تو بقدر حق الخدمت اپنے گذارے کے لئے ان کے مال سے لینا درست ہے جیسا آگے آوے گا ”ومن کا ن فقیراً“ ایسی کاروئی کرنا (کہ بری چیز ان کے مال میں شامل کردیں یا بلاضروت ان کے مال سے منتفع ہوا) بڑا گناہ ہے۔

تفسیر

ایسے بچوں کو یتیم کہتے ہیں بچپن میں جن کے باپ کا انتقال ہو گیا ہو، جاہلیت میں یتیموں کے حقوق بالکل ضائع کئے جاتے تھے، بعضے ان کی اچھی چیز نکال کر بری چیز ان کے مال

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ڈالدیتے بعضے ویسے ہی کھاتے اڑاتے ان سب سے ممانعت کی گئی۔(بیان القرآن ج۱ص ۳۱۶ مکتبہ تھانوی، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۹۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۷، ۱۸ احکام القرآن لابن عربی ج۱ ص ۳۰۸)

یتیموں کے حقوق اوران کے اموال کی حفاظت

پہلی آیت میں مطلقاً قرابت کی حفاظت اوراس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید عام انداز میں بیان فرمانے کے بعد دوسری آیت میں یتیموں کے اموال کی حفاظت کا حکم اوران میں کسی قسم کی خورد برد کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یتیم بچے کا نگران اورولی عموماً اس کا رشتہ دار ہوتا ہے اس لئے اس کا تعلق بھی حق قرابت کی ادائیگی سے ہے۔

پہلے جملہ میں ارشاد ہے ’’وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ‘‘ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یتیموں کے مال انہی کو پہنچاؤ۔

یتیم کے لفظی معنٰی اکیلے اورمنفرد کے ہیں، اسی لئے جو موتی سیپ میں تنہا ایک ہو، اس کو ’’دُرِّ یتیم‘‘ کہا جاتا ہے۔

اصطلاح شرع میں یتیم کی تعریف

یتیم اس بچہ کو کہا جاتا ہے جس کا باپ مرگیا ہو اور جانوروں میں اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کی ماں مرگئی ہو، (قاموس) بالغ ہونے کے بعد شرعی اصطلاح میں اس کو یتیم نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں تصریح ہے ’’لَا یُتْمَ بعد احتلام‘‘ یعنی بلوغ کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴، معارف القرآن ج ۲ ص ۲۸۲)

یتیم بچوں کی ملکیت میں اگر کچھ مال ہے جو ان کو کسی نے ہبہ کیا ہے، یا کسی کی میراث

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ان کو پہنچ گیا ہوتو یتیم کے ساتھ اس کے مال کی حفاظت بھی اس شخص کے ذمہ ہے جو یتیم کا ولی ہے، خواہ اس ولی کا تقرر اس کے مرنے والے باپ نے خود کردیا ہو، یا حکومت کی جانب سے کوئی ولی مقرر کیا گیا ہو، ساتھ ہی ولی میں یہ بھی لازم ہے کہ یتیم کے ضروری اخراجات تو اس کے مال سے پورے کرے، لیکن اس کا مال بالغ ہونے سے پہلے اس کے قبضہ میں نہ دے، کیونکہ وہ ناسمجھ بچہ ہے، کہیں ضائع کردے گا۔ تو آیت کے اس جملے میں جو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے مال ان کو اس وقت پہنچاؤ جب دیکھ لو کہ وہ بالغ ہوگئے، اور ان کو اپنے نفع ونقصان اور بھلے برے کی تمیز پیدا ہوگئی۔

اس لئے اس آیت میں یتیموں کے اموال ان کو پہنچانے کا مطلب یہ ہوا کہ ان اموال کی حفاظت کرو، تاکہ اپنے وقت پر یہ مال ان کو پہنچائے جاسکیں، اس کے علاوہ اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ولی یتیم کی ذمہ داری صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یتیم کے مال کو خود نہ کھائے یا خود ضائع نہ کرے، بلکہ اس کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی حفاظت کرکے اس قابل بنائے کہ بالغ ہونے کے بعد اس کو مل سکے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۸۲، ۲۸۳)

دوسرے جملہ میں ارشاد ہے ’’وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ‘‘ یعنی اچھی چیز کا بری چیز سے تبادلہ مت کرو، بعض لوگ ایسا کرتے تھے کہ یتیم کے مال کی تعداد تو محفوظ رکھتے تھے مگر اس میں جو اچھی چیز نظر آتی وہ خود لے لی اور اس کی جگہ اپنی خراب چیز رکھ دی، عمدہ بکری کے بدلہ میں لاغر بکری اس کے مال میں لگادی، یا کھرے نقد کے بدلے کھوٹا رکھ دیا، یہ بھی چونکہ مال یتیم میں خیانت ہے، اور ممکن تھا کہ کسی شخص کا نفس یہ حیلہ تراشے کہ ہم نے تو یتیم کا مال لیا نہیں بلکہ بدلا ہے، اس لئے قرآن کریم نے صراحۃً اس کی ممانعت فرمادی، اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

ممانعت میں جس طرح یہ داخل ہے کہ خود اپنی خراب چیز دے کر اچھی چیز لے لیں، اسی طرح یہ بھی داخل ہے کہ کسی دوسرے شخص سے تبادلہ کا ایسا معاملہ کرلیں جس میں یتیم بچے کا نقصان ہو۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۸۳)

تیسرے جملہ میں ارشاد فرمایا: ”وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ“یعنی یتیموں کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھاؤ، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد تو یتیم کے مال کو ناجائز طور پر کھا جانے کی ممانعت ہے، خواہ اپنے مال میں ملا کر کھا جائے یا علیحٰدہ رکھ کر کھائے، لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ یتیموں کا مال اپنے مال میں شامل رکھا، اس میں سے خود بھی کھایا یتیم کو بھی کھلا دیا، اس صورت میں جداگانہ حساب نہ ہونے کی وجہ سے ایک دیندار متبع شریعت کو بھی یہ دھوکہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں، اس لئے خاص طور سے اپنے اموال کے ساتھ ملا کر کھانے کی حرمت کا ذکر اور اس پر تنبیہ فرمادی کہ یا تو یتیم کے مال کو بالکل علیحٰدہ رکھو اور علیحٰدہ خرچ کرو جس میں کمی زیادتی کا خطرہ ہی نہ رہے، یا پھر ملا کر رکھو تو ایسا حساب رکھو جس میں یہ یقین ہو کہ یتیم کا مال تمھارے ذاتی خرچ میں نہیں آیا۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۲۸۳)

کیا یتیم کو اس کا مال بالغ ہونے سے پہلے دیدیا جائے گا

”وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا“(النساء: ۲)

اللہ تعالیٰ کا قول ”وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ“اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یتیم کو اس کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

مال دینا واجب ہے، علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے یتیم کو اس کا مال نہیں دیا جائے گا۔

باری تعالیٰ کے حسب ذیل ارشاد کی وجہ سے " وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّىٰٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ "

ترجمہ: اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھداری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کر دو۔

اس آیت میں شرط لگائی ہے بلوغ اور رشد یعنی سمجھ بوجھ پیدا ہونے کی، اس میں حکمت یہ ہے کہ صغیر کم سن بچہ اپنے مال میں مناسب تصرف نہیں کر سکتا اور بسا اوقات نفع کے بجائے نقصان والے معاملات میں خرچ کر دے گا اور مال کو تلف کر دے گا۔

(روائع البیان ج ۱، ص ۳۹۷)

دل قولہ تعالیٰ: "وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ"، علی وجوب دفع المال للیتیم وقد اتفق العلماء علی ان الیتیم لا یعطی مالہ قبل البلوغ لقولہ تعالی فی الایات التالیۃ "وَابۡتَلُوا الۡيَتٰمٰى حَتّىٰٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ" فقد شرطت البلوغ وایناس الرشد، والحکمۃ ان الصغیر لا یحسن التصرف فی مالہ وربما صرفہ فی غیر وجوہ النفع۔

(روائع البیان ج ۱، ص ۳۹۷) احکام القران جصاص ج۔ ص ۶۲)

یتیم لڑکیوں کی حق تلفی کا انسداد

"وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء: ۳)

ترجمہ: اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند آئیں دو، دو سے تین، تین سے اور چار، چار سے، ہاں اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں کے درمیان میں انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہارے ملکیت میں ہیں اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ (توضیح القرآن ج ۱، ص ۲۴۷)

تفسیر

زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کی ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جو شکل وصورت میں اچھی سمجھی جاتیں یا ان کی ملکیت میں کوئی مال جائیداد ہوتی ان کے اولیاء ایسا کرتے تھے کہ خود ان سے نکاح کرتے یا اپنی اولاد سے ان کا نکاح کر دیتے تھے، جو چاہا کم سے کم مہر مقرر کر دیا اور جس طرح چاہا ان کو رکھا کیونکہ وہی ان کے ولی اور نگران ہوتے تھے، ان کا باپ موجود نہ ہوتا تھا، جو ان کے حقوق کی پوری نگرانی کر سکتا اور ان کے ازدواجی زندگی کے ہر پہلو پر نظر اور فلاح و بہبودی کا مکمل انتظام کر کے ان کا نکاح کر دیتا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی اور اس کا ایک باغ تھا، جس کی یہ لڑکی بھی شریک تھی، اس شخص نے خود اس یتیم لڑکی سے اپنا نکاح کر لیا اور بجائے اس کے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنے پاس سے مہر وغیرہ دیتا اس کے باغ کا حصہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ'' یعنی اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ یتیم لڑکیوں سے خود اپنا نکاح کرنے میں تم انصاف پر قائم نہ رہوں گے، بلکہ ان کی حق تلفی ہو جائے گی تو تمہارے لئے دوسری عورتیں بہت ہیں ان میں جو تمہارے لئے حلال اور پسند ہیں ان سے نکاح کر لو۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۲۸۵، ۲۸۶، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۹،
حاشیہ توضیح القرآن ج ا، ص ۲۴۷، تفسیرات احمدیہ ص ۱۴۶) (بخاری شریف ج ۲، ص ۶۵۸)

بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کی حرمت

زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی ایک شخص بیک وقت دس، دس، بیس، بیس عورتوں کو نکاح میں رکھ لیتا تھا، اس آیت نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار تک مقرر فرمادی اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ انسان تمام بیویوں کے درمیاں برابر کا سلوک کرے اور اگر بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے ایسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرمادیا گیا ہے۔

(توضیح القرآن ج ا، ص ۲۴۷، ۲۴۸، تفسیرات احمدیہ ص ۱۴۶، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۹۹،
احکام القران لابن عربی ج ا، ص ۳۱۲، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۸۶)

اگر متعدد بیویوں میں مساوات اور عدل پر قدرت نہ ہو تو صرف ایک بیوی پر اکتفاء کیا جائے

چار بیویوں کی اجازت دے کر فرمایا: ''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اَیۡمَانُکُمۡ" یعنی اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر بس کرو، یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک ہو اس سے گذارہ کرلو۔

اس سے معلوم ہوا ایک سے زیادہ نکاح کرنا اس صورت میں جائز اور مناسب ہے جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے، زمانہ جاہلیت میں یہ ظلم عام تھا، ایک ایک شخص کئی کئی بیویاں رکھ لیتا تھا جس کا ذکر چند احادیث کے حوالہ سے اس آیت کے ضمن میں پہلے گذر چکا اور بیویوں کے حقوق میں مساوات اور عدل کا مطلق خیال نہ تھا، جس کی طرف زیادہ میلان ہو گیا اس کو ہر حیثیت سے نوازے اور خوش رکھنے کی فکر میں لگ گئے اور دوسری بیویوں کے حقوق نظر انداز کر ڈالتے، قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا، اگر عدل نہ کر سکو تو ایک ہی بیوی رکھو، یا کنیز سے گذارہ کرلو، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مملوکہ کنیز جس کا ذکر آیت میں ہے اس کی خاص شرائط ہیں جو عموماً آج کل مفقود ہیں اس لئے اس زمانہ میں کسی کو مملوک شرعی کنیز کہہ کر بے نکاح رکھ لینا حرام ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۳، ۲۹۴ تفسیرات احمدیہ ص ۲۴۶، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۹۹)

"فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ" میں کیا امر وجوب کے لئے ہے یا اباحت کے لئے ہے

(۱) جمہور کا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" کہ نکاح کرو جو عورتیں تم کو اچھی لگے دو، دو، تین، تین، چار، چار سے اس میں امر اباحت کے لئے ہے، یعنی تمہارے لئے چار تک عورتوں سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

نکاح کرنا جائز ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کے قول میں اباحت کے لئے امر آیا ہے ”وَ کُلُوْا وَ اشْرَبُوْا“ کھاؤ پیو اس طرح ”کلوا من طیبات ما رزقناکم“ کہ کھاؤ ان پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے، اس سے صرف اباحت ثابت ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا اسی طرح ”فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ“ الخ۔ سے صرف اباحت ثابت ہوگی۔

(روائع البیان ج ا، ص ۳۹۸)

اور آیت میں سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت پر دلالت ہے اور تمام علماء و فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امت کے لئے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے ایک ساتھ نکاحاً چار عورتیں رکھ سکتا ہے، ایک ساتھ چار عورتوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔

(مستفاد روائع البیان ج ا، ص ۳۹۷)

مہر کے متعلق عورتوں پر ظلم

”وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا (النساء: ۴)

ترجمہ: تم لوگ بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کوئی جزء (اور یہی حکم کل کا ہے) تو (اس حالت میں) تم اس کو کھاؤ، مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر۔ (بیان القرآن ج ا، ص ۳۲۰)

تفسیر

مہر کے متعلق عرب میں کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک یہ کہ مہر جو لڑکی کا حق ہے اس کو نہ دیا جاتا تھا بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے وصول کر لیتے تھے، جو سراسر ظلم تھا اس کو دفع کرنے کے لئے قرآن کریم نے فرمایا ”وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ“ یعنی دو عورتوں کو ان کے مہر اس کے مخاطب شوہر بھی ہیں کہ وہ اپنی بی بی کا مہر خود بی بی کو دیں اور دوسروں کو نہ دیں اور لڑکیوں کے اولیاء بھی مخاطب ہیں کہ اگر لڑکیوں کے مہر ان کو وصول ہو جائیں تو یہ لڑکیوں ہی کو دیدیں، ان کی اجازت کے بغیر اپنے تصرف میں نہ لائیں۔

دوسرا ظلم یہ تھا کہ اگر کبھی کسی کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بہت تلخی کے ساتھ بادل ناخواستہ، تاوان سمجھ کر دیتے تھے، اس ظلم کا ازالہ آیت مذکورہ کے اس لفظ ”نحلہ“ سے فرمایا گیا کیونکہ نحلہ لغت میں اس دینے کو کہتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ دیا جائے۔

غرض اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے اس کی ادائیگی ضروری ہے، اور جس طرح تمام حقوق واجبہ کو خوش دلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہئے۔

تیسرا ظلم مہر کے بارے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ بہت سے شوہر یہ سمجھ کر کہ بیوی ان سے مجبور ہے مخالفت کر نہیں سکتی، دباؤ ڈال کر ان سے مہر معاف کرا لیتے تھے جس سے درحقیقت معافی نہ ہوتی تھی، مگر وہ یہ سمجھ کر بےفکر ہو جاتے تھے کہ مہر معاف ہو گیا اس ظلم کے انسداد کے لئے آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا ”فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا“ یعنی اگر وہ عورتیں خوش دلی کے ساتھ اپنے مہر کا کوئی حصہ تمہیں دیدیں تو تم اس کو کھا سکتے ہو، تمہارے لئے مبارک ہو۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۷، ۲۹۸، تفسیرات احمدیہ ص ۱۴۹، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۰، احکام القرآن لابن عربی ج ۱ ص ۳۱۶، احکام القرآن قرطبی ج ۳ جزء ۵ ص ۱۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا سفیہ یعنی نادان بچوں کا مال روکا جائے گا

وَلَاتُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء:۵)

ترجمہ: اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایا بنایا ہے؛ ہاں ان کو اِن میں سے کھلاؤ اور پہناؤ، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو　　(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن سورۃ النساء:۵)

تفسیر

فقہاء نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ سفیہ یعنی نادان سے مال کو روکنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نادانوں کو ان کے مال سپرد کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ سمجھ دار ہوجائیں نابالغ ہو تو سن بلوغ کو پہنچ جائیں۔

''حجر'' یعنی روکنا، یہ چار قسم کا ہوتا ہے

صغر یعنی بچپن کی وجہ سے مال سے روکا جاتا ہے کیونکہ قاصر النظر اور مسلوب العبارت ہوتا ہے اور بچہ ناسمجھ نادان ہوتا ہے اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اس کو نفع اور نقصان کا احساس نہیں ہوتا۔

دوسرا حجر ''روکنا'' جنون کی وجہ سے ہوتا ہے

کیونکہ مجنون (پاگل) میں عقود کی اہلیت نہیں ہوتی کیونکہ وہ بے عقل ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تیسرا حجر سفیہ یعنی نادان ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے

''سفہ'' یعنی نادانی کی وجہ سے وہ فضول خرچی کرے گا یا مال میں غلط، بیجا، تصرف کرے گا اپنے عقل اور دین کی نقص کی وجہ سے۔

چوتھا حجر ''روکنا'' افلاس کی وجہ سے ہوتا ہے

وہ شخص کہ جس کے قرض اس کے پورے مال کو گھیر لے بلکہ قرض زیادہ ہو جائے اس کے مال سے، پس جب غرماء ''قرضخواہ'' حاکم وقت سے حجر کا مطالبہ کرے کہ اس کو مال میں تصرف کرنے سے روکا جائے اور ہمارے قرض ادا کئے جائیں تو حاکم اس پر روک لگا دے گا۔ (روائع البیان ج ۱ ص ۴۱۱)

کیا کبیر یعنی بڑی عمر والے پر حجر یعنی مال کے روکنے کا حکم لگایا جائے گا؟

(۱) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جیسے صغیر پر حجر کا حکم لگایا جاتا ہے، اسی طرح کبیر پر بھی حجر کا حکم لگایا جائے گا، اگر وہ سفیہ یعنی نادان ہو۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب بچہ ۲۵ رسال کا ہو جائیگا تو اس کا مال اس کو سپرد کر دیا جائے گا، چاہے وہ عقل مند ہو یا ناسمجھ اور نادان ہو۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک کبیر پر بھی حجر کا حکم لگایا جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس پر حجر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جو عقلمند ہونے کی حالت میں بالغ ہوا ہو، مگر اس صورت میں حجر کا حکم لگایا جاسکتا ہے جب کہ وہ اپنے مال کو خراب اور برباد کرتا ہو پس اگر ایسا ہے تو اس کو مال سپرد نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

پچیس سال کا ہو جائے، پس جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو ہر حال میں اس کا مال اس کو سپرد کر دیا جائے گا چاہے وہ اپنے مال کو برباد کرنے والا ہو یا نہ ہو، کیونکہ پچیس سال کی عمر میں وہ دادا ہو سکتا ہے اور مجھ کو شرم آتی ہے کہ وہ دادا بھی بن جائے اور اس پر مال کے تصرف میں روک کا حکم لگایا جائے۔

(روائع البیان ج ۱، ص ۴۱۲، ۴۱۳، قرطبی ج ۳، جزو ۵، ص ۲۲، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۲۲) احکام القرآن جصاص۔ ج ۲ ص ۶۲۔ص ۸۰، ۸۱)

عورتوں بچوں اور کم عقلوں کو ان کے اموال سپرد نہ کئے جائیں

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّ ارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (انساء:۵)

ترجمہ: اور ناسمجھ یتیموں کو اپنے مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے، ہاں اُن کو اِن میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔ (توضیح القرآن ج ۱، ص ۲۴۸)

مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی اس آیت میں یہ ہدایت فرمائی کہ اپنا پورا مال کم عقل بچوں عورتوں کے سپرد کر کے خود اس کے محتاج نہ بنو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوام اور منتظم بنایا ہے تم مال کو خود اپنی حفاظت میں رکھ کر بقدر ضرورت ان کے کھلانے پہنانے پر خرچ کرتے رہو اور اگر وہ مال کو اپنے قبضہ میں لے نے کا مطالبہ بھی کریں تو ان کو معقول بات کہہ کر سمجھا دو جس میں دل شکنی بھی نہ ہو اور مال بھی ضائع ہونے نہ پائے۔ مثلاً یہ کہہ دو یہ سب تمہارے ہی لئے رکھا ہے، ذرا تم ہوشیار ہو جاؤ گے تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمہیں دیدیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس تفسیر پر آیت کا مفہوم ان سب عورتوں بچوں اور کم عقلوں ناتجربہ کار لوگوں کو شامل ہے جن کو مال سپرد کرنے پر مال میں نقصان کا خطرہ ہے خواہ وہ اپنے بچے ہوں یا یتیم بچے اور خواہ وہ مال ان بچوں اور یتیموں کا اپنا ہو یا اولیاء کا ہو۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۰۲،احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵،ص ۲۱،تفسیرات احمدیہ ۱۵۲،فوائد عثمانیہ مع ترجمہ شیخ الہند ۱۰۰، احکام القرآن ابن عربی ج ا،ص ۳۱۸،احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۱۰۸،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۷۶)

نابالغوں کی سمجھ اور صلاحیت جانچنے کا حکم

”وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَ مَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (النساء:٦)

ترجمہ:اور یتیم کو جانچتے رہوں یہاں تک کہ جب نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائے تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھ داری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کردو اور یہ مال فضول خرچی کر کے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھوں کہ وہ کہیں بڑے نہ ہوجائیں (اور یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مالدار ہو تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے،ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے،پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنالو،اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ (توضیح القرآن ج ا،ص ۲۴۹)

پہلی آیت میں جب یہ معلوم ہوگیا کہ جب تک معاملات میں نابالغوں کی ہوشیاری

toobaa-elibrary.blogspot.com

ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک ان کو اموال سپرد نہ کئے جائیں، اس لئے دوسری آیت میں بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام اور پھر امتحان کر کے ان کی صلاحیت معلوم کرنے کے احکام دیئے گئے۔

ارشاد ہوا" وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ "یعنی بالغ ہونے سے پہلے ہی چھوٹے چھوٹے معمولی معاملات خرید وفروخت ان کے سپرد کر کے ان کی صلاحیت کا امتحان لیتے رہو اور یہاں تک کہ وہ جب نکاح کے قابل یعنی بالغ ہوجائیں تو اب خاص طور سے اس کا اندازہ لگاؤ کہ وہ اپنے معاملات میں ہوشیار ہوگئے یا نہیں جب ہوشیاری محسوس کرلو تب ان کے اموال ان کے سپرد کردو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ بچوں کی مخصوص طبیعت اور ان میں عقل وہوش کے نشونما کے اعتبار سے ان کے تین درجے کردیئے گئے۔

(۱)ایک بلوغ سے پہلے۔

(۲)دوسرے بلوغ کے بعد۔

(۳)ہوشیاری کے بعد بلوغ سے پہلے۔

بچوں کے اولیاء کو یہ حکم ہے

کہ ان کی تعلیم وتربیت کی کوشش کریں ومعاملات میں ان کو ہوشیار کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے معاملات خرید وفروخت کے ان کے ہاتھ سے کرائیں،آیت میں "وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى " کا یہی مطلب ہے اس سے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نابالغ بچے جو معاملات خرید و فروخت اپنے ولی کی اجازت سے کریں وہ بھی صحیح اور نافذ ہیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ جب وہ بالغ اور نکاح کے قابل ہو جائیں تو اب معاملات اور تجربہ کے اعتبار سے ان کے احوال کی جانچ کرو اگر دیکھو کہ وہ اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے ہیں اور معاملات سلیقہ سے کرتے ہیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۰۴،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۲۴،تفسیرات احمدیہ ۱۵۳، فوائد عثمانیہ مع ترجمہ شیخ الہند ۱۰۰،احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۳۱۹،تا ۳۲۲،احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۱۱۳،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۸۰)

تفسیر

”وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی“ یعنی یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو، بلوغ کے وقت تک پھر بلوغ کے بعد اگر ان میں اپنے نفع ونقصان کی سمجھ اور حفاظت وانتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو، یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی ان سے خرید وفروخت کرالی جائے اور اس کا طریقہ ان کو بتایا جائے اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع وشراء اجازت سے جو ہوگی وہ درست ہوگی، امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور اگر بالغ ہو کر بھی اس میں ہوشیاری نہ آئے تو امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو، اس درمیان میں جب اس کو سمجھ آجائے مال اس کے حوالے کر دو، ورنہ پچیس سال پر ہر حال میں اس کا مال اس کو دیدو، پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔

(فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ۱۰۰،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۲۴،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۷۸)

یتیموں کے مال بے جا خرچ کرنے کی ممانعت

”وَلَا تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّ بِدَارًا اَنۡ يَّكۡبَرُوۡا“ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اس آیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں اس بات کی ہدایت دی گئی ہے کہ یتیموں کے مال ان کو اس وقت تک نہ حوالہ نہ کروں جب تک ان میں کسی قدر ہوشیاری اور تجربہ نہ آجائے اور اس کے لئے ظاہر ہے کہ مزید کچھ عرصہ انتظار کرنا ہوگا۔

اس حالت میں یہ امکان تھا کہ اولیا یتیم کی طرف سے کوئی ایسی زیادتی ہو جس سے یتیم کا نقصان ہو اس لئے آگے اس آیت میں ارشاد فرمایا "وَ لَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا" یعنی اموال کو ضرورت سے زائد اٹھا کر اور اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے تو ان کو دینا پڑے گا، جلدی جلدی اڑا کر مت کھا ڈالوں، اس میں اولیاء یتیم کو دو چیزوں سے روکا گیا۔

(۱) ان کے مال میں اسراف یعنی ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے۔

(۲) دوسرے اس بات سے کہ ان کا مال ضرورت پیش آنے سے پہلے جلد جلد خرچ کرنے لگیں اس خیال سے کہ عنقریب یہ بڑے ہو جائیں گے تو ان کا مال ان کو دینا پڑے گا ہمارا اختیار ختم ہو جائے گا۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۳۰۵، ۳۰۶، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۸۱ فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ۱۰۰، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۲۳)

یتیم کا ولی اس کے مال سے ضرورۃً کچھ لے سکتا ہے

آخر آیت میں اس کا ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی یتیم بچے کی تربیت اور اس کے مال کی حفاظت میں اپنا وقت اور محنت خرچ کرتا ہے اس کو یہ حق ہے کہ یتیم کے مال سے اپنا حق الخدمت کچھ لے لے چنانچہ فرمایا "وَ مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ" یعنی جو شخص حاجت مند نہ ہو اپنی ضرورت کا تکفل کسی دوسرے ذرائع سے کر سکتا ہو اس کو چاہئے یتیم کے مال میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے حق الخدمت نہ لیا کرے کیونکہ یہ خدمت اس کے ذمہ فرض ہے اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ (احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۸۲)

پھر فرمایا ''وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ'' یعنی جو ولی یتیم فقیر محتاج ہو اور دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ رکھتا ہو وہ یتیم کے مال میں سے ایک مناسب مقدار کھا سکتا ہے جس سے حاجات ضروریہ پوری ہوجائیں۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۰۶،تفسیرات احمدیہ ص ۱۵۰،فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہند ص ۱۰۰، احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۳۲۵،احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۱۲۷،احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۸۳)(بخاری شریف ج ۲،ص ۶۵۸)

مال سپرد کرتے وقت گواہ بنایا جائے

''فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا''(النساء:۶)

یعنی جب آزمائش کے بعد یتیموں کے اموال ان کے سپرد کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو گواہ بنالیا کرو،تاکہ آئندہ کسی نزاع اور جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں ہر چیز ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۰۶،تفسیرات احمدیہ ص ۱۵۰،فوائد عثمانی ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۰،احکام القرآن جصاص۔ج ۲ ص،۸۷)

اوقاف اور دوسری ملکی اور ملی خدمات کا معاوضہ کا حکم

آیت کے سیاق سے ایک فقہی ضابطہ اور اصول معلوم ہوگیا کہ جو لوگ اوقاف کے نگراں ہیں یا مساجد اور مدارس کے منتظم ہیں یا مسلم حکومتوں کے اداروں کے ذمہ دار ہیں یا ایسی ہی دوسری ملکی اور ملی خدمات جن کا انجام دینا فرض کفایہ ہے،ان پر مامور ہیں ان حضرات کے لئے بھی اعلیٰ اور افضل یہ ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا اثاثہ ہو اور وہ اپنے بچوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں، لیکن اگر اپنے پاس گذارے کے لئے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقات ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں تو بقدر ضرورت ان اداروں سے مال لینے کا اختیار ہے مگر قدر ضرورت کا لفظ پیش نظر رہے، بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر کاغذی خانہ پوری کے لئے اپنا ماہانہ کچھ حصہ مقرر کر لیتے ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ اپنی ذات پر اور بال بچوں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں، اس بے احتیاطی کا مداویٰ بجز خوف الٰہی کے کچھ نہیں جس کی طرف آیت کے اخیر ٹکڑے میں "وَ کَفٰی بِاللہ حَسِیْبًا" فرما کر جملہ عوام وخواص کو توجہ دلا دی گئی ہے جسے اللہ کے محاسبہ کا خیال ہو وہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے، وباللہ التوفیق۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۰۶، ۳۰۷)

کیا یتیم کے مال کا ذمہ دار یتیم کا مال لے سکتا ہے؟

"وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:٦)

ترجمہ: اور یہ مال فضول خرچی کرکے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں، اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مالدار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریق کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

علامہ محمد علی صابونی فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ قول "مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ"
اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر وصی فقیر اور محتاج ہو تو یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کر سکتا ہے، بغیر اسراف کے اور اگر وہ غنی ہے تو یتیم کے مال میں سے خرچ کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے اس مال سے بچنا واجب ہے۔

"دل قولہ تعالی "وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ"
علی ان للوصی ان یأکل من مال الیتیم اذا کان فقیراً بمقدار الحاجة من غیر اسراف و اذا کان غنیا وجب علیه ان یتعفف عن مال الیتیم ویقنع بما رزقه الله من الغنی وقد التفق العلماء علی جواز اخذ قدر الکفایة بالمعروف عند الحاجة۔

(روائع البیان ج ا،ص ۱۳ ۴ ،قرطبی ج ۳، جزو ۵، ص ۲۸) احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۸۲۸۱)

فقیر محتاج وصی یتیم کا مال خرچ کرنے کے بعد مالدار ہو گیا تو اب کیا اس مال کا ضامن ہو گا

(۱) بعض علماء نے فرمایا کہ مالدار ہونے کے بعد اس پر کوئی ضمان نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اس کو معروف طریقہ سے کھانے کے لئے اجازت دی تھی پس یہ اجرت کی طرح ہو گا اور یہ قول امام احمدؒ سے مروی ہے۔

(۲) اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مالدار ہونے کے بعد اس پر ضمان واجب ہو گا، انہوں نے حضرت عمرؓ کے قول سے استدلال کیا ہے:

toobaa-elibrary.blogspot.com

”الا انی انزلت نفسی من مال اللہ منزلۃ الولی من مال الیتیم ان استنغیت استعففت و ان فتقرت اکلت بالمعروف فاذا ایسرت قضیت“

حضرت عمرؓ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مالدار ہو جائے تو مال واپس کرنا ہوگا۔

(۳) حنفیہ نے کہا جیسا کہ علامہ جصاصؒ نے بیان کیا ہے:

یتیم کا مال نہ بطور قرض لے سکتے ہیں نہ اور کسی طرح لے سکتے ہیں، چاہے غنی ہو یا فقیر اور احناف نے کئی آیات قرآنیہ سے استدلال کیا وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) ”وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ“

(۲) ”ان الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلماً“

(۳) ”و ان تقوموا للیتامیٰ بالقسط“

(۴) ”ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل“

علامہ جصاص رازیؒ نے فرمایا؛

کہ یہ سب آیات محکمات ہیں اور یہ سب یتیم کے مال سے متعلق جو وصی کے سلسلہ کی ہدایت دی گئی، سب کو گھیرے ہوئے ہیں، اور جس آیت سے فقیر کے لئے جواز کا حکم ہوتا ہے ”وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ“ یہ متشابہ محتمل المعانی ہے، پس اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو معلوم المراد واضح محکمات کی طرف لوٹا یا جائے گا، اس لئے ہم نے واضح اور معلوم محکمات پر عمل کیا اور کہا کہ یتیم کا مال کسی حالت میں وصی اپنے استعمال میں نہ لے۔

نیز حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”مَنْ كَانَ فَقِيْرًا“ یہ آیت منسوخ ہے ”ان الذین یأکلون اموال الیتامیٰ ظلما“ سے۔

(روائع البیان ج ۱، ص ۴۱۴) احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۸۲، تا ۸۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مستحقین میراث میں بچے اور عورتیں بھی ہیں

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا (النساء:۷)

ترجمہ: مردوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتے داروں نے چھوڑا ہو چاہے وہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

(توضیح القرآن ج۱ ص۲۴۹)

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے پہلے یہ رسم تھی بیٹیوں کو چھوٹی ہو یا بڑی میراث نہیں دیتے تھے اور بیٹے جو نابالغ ہوتے ان کو بھی میراث نہیں ملتی تھی، صرف مردوں کو جو بڑے اور دشمنوں سے مقابلہ کے کام کے ہوتے تھے وہ وارث سمجھے جاتے تھے جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ بھی نہ ملتا تھا، ان کے بارے یہ آیت اتری جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے

ماں باپ اور دیگر قربت والوں کے مال متروکہ میں سے مردوں یعنی بیٹوں کو خواہ وہ بچے ہوں یا جوان ان کا حصہ ملے گا اور عورتوں یعنی بیٹیوں کو بھی بالغ ہوں یا نابالغ ماں باپ وغیرہ اقارب کے ترکہ میں سے ان کا حصہ دیا جائیگا اور یہ حصے مقرر کئے ہوئے ہیں، جن کا دینا ضروری ہے خواہ وہ مال تھوڑا یا بہت ہو، اس سے اہل جاہلیت کی رسم مذموم کا ابطال ہو گیا، اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی کو روک دیا۔ (فوائد عثمانیہ مع ترجمہ شیخ الہند ۱۰۰، احکام القرآن جصاص ج۲ ص۸۸، احکام القرآن قرطبی ج۳، جزء ۵، ص۳۱، ۳۶، تفسیرات احمدیہ ۱۵۴، احکام القرآن ابن عربی ج۱ ص۳۲۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

استحقاق میراث کا ضابطہ

"مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ" اس آیت نے وراثت کے چند احکام کے ضمن میں قانون وراثت کا ضابطہ بیان فرمادیا "مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ" ان دو لفظوں نے وراثت کے دو بنیادی اصول بتلائے۔

(۱) ایک رشتہ ولادت جو اولاد اور ماں باپ کے درمیان ہے، جس کو لفظ "والدان" سے بیان کیا ہے دوسرے عام رشتہ داری جو لفظ "اقربون" کا مفہوم ہے، اور صحیح یہ ہے کہ لفظ "اقربون" ہر قسم کی قرابت اور رشتہ داری کو حاوی ہے خواہ وہ رشتہ داری باہمی ولادت کا ہو جیسے اولاد اور ماں باپ ہیں یا دوسری طرح کا جیسے عام خاندانی رشتوں میں یا وہ رشتے جو ازدواجی تعلق سے پیدا ہوئے ہیں لفظ "اقربون" سب پر حاوی ہے، لیکن والدین کو ان کی اہمیت کی وجہ سے بطور خاص جدا کر دیا گیا، پھر اس لفظ نے یہ بھی بتلادیا کہ مطلق رشتہ داری وراثت کے لئے کافی نہیں، بلکہ رشتہ داری میں اقرب ہونا شرط ہے، کیونکہ اگر اقربیت کی معیاری شرط نہ پائی جائے تو ہر مرنے والے کی وراثت پوری دنیا کی تمام انسانی آبادی پر تقسیم کرنا ضروری ہوجائے گا، کیونکہ سب ایک ماں باپ آدم علیہما السلام کی اولاد ہیں، دور قریب کا کچھ نہ کچھ رشتہ سب میں موجود ہے، اور یہ اول تو امکان سے باہر ہے، دوسرے اگر کسی طرح کوشش کے بعد اس کا انتظام کر بھی لیا جائے تو متروکہ مال جزء "لایتجزّیٰ" بن کر ہی تقسیم ہوسکے گا جو کسی کے کام نہ آئے گا، اس لئے ضروری ہوا کہ جب وراثت کا مدار رشتہ داری پر ہو تو اصول یہ بنایا جائے کہ اگر نزدیک و دور کے رشتہ دار جمع ہوں تو قریبی رشتہ دار کو بعید پر ترجیح دے کر اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو حصہ نہ دیا جائے، ہاں اگر کچھ رشتہ دار

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسے ہوں جو بیک وقت سب کے سب اقرب قرار دیئے جائیں، اگرچہ وجوہ اقربیت ان میں مختلف ہوں تو پھر یہ سب مستحقِ وراثت ہوں گے، جیسے اولاد کے ساتھ ماں باپ یا بیوی وغیرہ، کہ یہ سب اقرب ہیں اگرچہ اقربیت کی وجوہ مختلف ہیں۔

نیز ایک اور بات اسی لفظ ''اقربون'' نے یہ بتلائی کہ جس طرح مردوں کو مستحق وراثت سمجھا جاتا ہے اسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ رشتہ اولاد کا یا ماں باپ کا ہو، یا دوسری قسم کے رشتے ہر ایک میں رشتہ داری کی حیثیت لڑکے اور لڑکی میں یکساں ہے، جس طرح لڑکا ماں باپ سے پیدا ہوا ہے، اسی طرح لڑکی بھی انہی سے پیدا ہوئی ہے، جب حق وراثت کا مدار رشتہ داری پر ہوا تو چھوٹے بچے یا لڑکی کو محروم کرنے کے کوئی معنٰی نہیں رہتے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۱۰، ۳۱۱)

متوفٰی کی ملکیت میں جو کچھ ہو سب میں وراثت کا حق ہے

اس آیت میں ''مما قل منه او كثر'' فرما کر ایک دوسری جاہلانہ رسم کی اصلاح فرمائی گئی وہ یہ کہ بعض قوموں میں بعض اقسام مال کو بعض خاص وارثوں کے لئے مخصوص کرلیا جاتا تھا، مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ اسلحہ، یہ سب صرف نوجوان مردوں کا حق ہے، دوسرے وارثوں کو ان سے محروم کردیا جاتا تھا، قرآن کریم کی اس ہدایت نے بتلا دیا کہ میت کی ملکیت میں جو چیز ہو اس کو خواہ بڑی ہو یا چھوٹی ہر چیز میں وراثت کا حق ہے کسی وارث کو کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا جائز نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

میراث کے مقرر حصے اللہ کے جانب سے طے شدہ ہے

آخر آیت میں جو ارشاد فرمایا "نصیباً مفروضاً" اس سے یہ بھی بتلایا کہ مختلف وارثوں کے جو مختلف حصے قرآن نے مقرر فرمائے ہیں یہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں، ان میں کسی کو اپنی رائے اور قیاس سے کمی بیشی یا تغیر وتبدل کا کوئی حق نہیں۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۱۲،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندص ۱۰۰)

وراثت یہ جبری ملک ہے اس میں مالک ہونے والے کی رضامندی شرط نہیں

"نصیباً مفروضا" اور سی لفظ مفروضا سے ایک مسئلہ اور بھی معلوم ہوا کہ وراثت کے ذریعہ جو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے ملکیت جبری ہے، نہ اس میں وراثت کا قبول کرنا شرط ہے، نہ اس کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے، بلکہ اگر وہ زبان سے بصراحت یوں بھی کہے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی وہ شرعاً اپنے حصے کا مالک ہو چکا، یہ دوسری بات ہے کہ وہ مالک بن کر شرعی قاعدہ کے مطابق کسی دوسرے کو ہبہ کردے یا بیچ ڈالے یا تقسیم کردے۔ (معارف القرآن ج ۲،ص ۳۱۲،احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۱۳۴)

محروم الارث رشتہ داروں کی دلداری ضروری ہے

"وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا" (النساء:۸)

ترجمہ: اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین

toobaa-elibrary.blogspot.com

لوگ آجائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دیدو اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔

(توضیح القرآن ج ا ص ۲۵۰)

میت کے رشتے داروں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے جن کو ضابطہ شرعی کے تحت اس کی میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ فرائض کی تفصیلات کا علم ہر شخص کو نہیں ہوتا۔ عام طور سے ہر رشتہ دار خواہش مند ہوتا ہے کہ اس کو بھی میراث میں سے حصہ ملے اس لئے وہ رشتہ دار جو شرعی ضابطۂ میراث کے تحت محروم قرار دیئے گئے ہیں۔

تقسیم میراث کے وقت وہ موجود بھی ہوں، ایسی حالت میں جبکہ دوسرے رشتہ دار اپنا اپنا حصہ لے جارہے ہوں اور یہ کھڑے دیکھ رہے ہوں ان کی حسرت و یاس اور دل شکنی کا اندازہ کچھ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن پر کبھی یہ کیفیت گذری ہو۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۱۲، ۳۱۳، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۹۱، ۹۲، تفسیرات احمدیہ ص ۱۵۴، فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہند ص ۱۰۰، احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۳۲۹، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲ ص ۱۳۴)

اب قرآنی نظام کی خوبی وخوش اسلوبی کو دیکھئے کہ ایک طرف تو خود قرآن کا بتایا ہوا عادلانہ ضابطہ یہ ہے کہ اَقْرَب کے مقابلہ میں اَبعدُ کو محروم کیا جائے، دوسری طرف محروم ہونے والے اَبْعَد کی حسرت اور دل شکنی بھی گوارہ نہیں کی جاتی اس لئے ایک مستقل آیت میں ہدایت کی گئی۔

”وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا“ (النساء:۸)

یعنی جو دور کے رشتہ دار اور یتیم مسکین میراث یعنی حصہ پانے سے محروم ہورہے ہوں، اگر وہ تقسیم میراث کے وقت آموجود ہوں تو میراث پانے والوں کا اخلاقی فرض ہے کہ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

مال میں سے باختیار خود کچھ حصہ ان کو بھی دیدیں جو ان کے لئے ایک قسم کا صدقہ اور موجب ثواب ہے اور ایسے وقت میں جبکہ ایک مال بغیر کسی سعی و عمل کے محض خدا تعالیٰ کے دین سے انہیں مل رہا ہو تو صدقہ خیرات فی سبیل اللہ کا خود بھی داعیہ دل میں ہونا چاہئے، جیسا کہ اس کی نظیر دوسری آیت میں مذکور ہے۔

"كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" یعنی اپنے باغ کا پھل کھاؤ جبکہ وہ پھل دینے لگے اور جس روز پھل کاٹو تو اس کا حق نکال کر فقراء اور مساکین کو دیدو۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۱۳، فوائد عثمانی ص ۱۰۰)

یتیموں کا مال ظلماً کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (النساء: ۱۰)

یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور انہیں جلدی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔ (توضیح القرآن ج ۱، ص ۲۵۰)

اس آیت میں یتیموں کے مال میں ناجائز تصرف کرنیوالوں کے لئے وعیدِ شدید کا بیان ہے کہ جو شخص ناجائز طور پر یتیم کا مال کھاتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔

اس آیت نے یتیم کے مال کو جہنم کی آگ قرار دیا ہے، بہت سے مفسرین نے اس کو تشبیہ اور کنایہ پر محمول کیا ہے۔ یعنی یتیموں کا مال ناحق کھانا ایسا ہے جیسے کوئی پیٹ میں آگ بھرے، کیونکہ اس کا انجام بالآخر قیامت میں ایسا ہی ہونے والا ہے، مگر اہل تحقیق کا قول یہ ہے کہ آیت میں کوئی مجاز اور کنایہ نہیں ہے بلکہ جو مال یتیم کا ناجائز طریقہ سے کھایا جائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ حقیقت میں آگ ہی ہے، اگرچہ اس وقت اس کی صورت آگ کی معلوم نہ ہوتی ہو، جیسے کوئی شخص دیا سلائی کو کہے کہ یہ آگ ہے، یا سنکھیاں کو کہے کہ قاتل ہے، تو ظاہر ہے کہ دیا سلائی کو ہاتھ میں لینے سے ہاتھ نہیں جلتا اور سنکھیا کو ہاتھ میں لینے سے بلکہ منہ میں رکھنے سے بھی کوئی آدمی نہیں مرتا، البتہ ذراسی رگڑ کھانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جس نے دیا سلائی کو آگ کہا تھا وہ صحیح کہا تھا، اسی طرح حلق کے نیچے اترنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سنکھیا کو قاتل کہنے والا سچا تھا، قرآن کریم کے عام اطلاقات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان جو عمل نیک یا بد کر رہا ہے یہی عمل جنت کے درخت اور پھل پھول ہیں، یا جہنم کے انگارے ہیں، اگرچہ ان کی صورت یہاں اور ہے مگر قیامت کے روز اپنی شکلوں میں متشکل ہو کر سامنے آئیں گی، قرآن کریم کا ارشاد ہے "وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا" یعنی قیامت کے روز اپنے کئے ہوئے کو موجود پائیں گے، یعنی جو عذاب وثواب ان کو نظر آئے گا وہ حقیقت میں ان کا اپنا عمل ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ یتیم کا مال ناحق کھانے والا قیامت کے روز اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ پیٹ کے اندر سے آگ کی لپٹیں اس کے منہ، ناک، اور کانوں، آنکھوں سے نکل رہی ہوں گی۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک قوم قیامت کے روز اس طرح اٹھائی جائے گی کہ ان کے منہ آگ سے بھڑک رہے ہوں گے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا "اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا"۔ "ابن کثیر۔ج ا ص ۴۵۶"

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۱۴، ۳۱۵، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۹۴، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

عورتوں اور مردوں کے متعین حصے

”یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ وَلِاَبَوَیْہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَہٗٓ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ فَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا (النساء: ۱۱)

ترجمہ: اللہ تمہاری اولاد کے بارے تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے اور اگر صرف عورتیں ہی ہو، دو یا دو سے زیادہ تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہوا نہیں اس کا دو تہائی حصہ ملے گا اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصہ کی حق دار ہے، ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہو تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی، جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمہ کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد، تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بھائیوں میں سے کون فائدہ پہونچانے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے؟ یہ تو اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں، یقین رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے حکمت کا بھی مالک ہے۔ (توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ا، ص ۲۵۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اولاد کا حصہ

"یُوصِیکُمُ اللہُ فِیۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ"

جیسا کہ اوپر گزرا کہ میراث کی تقسیم "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر ہوگی، مرنیوالے کی اولاد اور اس کے والدین چونکہ اقرب ترین ہیں، اس لئے ان کو ہر حال میں میراث ملتی ہے، یہ دونوں رشتے انسان کے قریب ترین اور بلاواسطہ رشتے ہیں، دوسرے رشتے بالواسطہ ہوتے ہیں۔

قران شریف میں پہلے انہی کے حصے بیان فرمائے اور اولاد کے حصہ سے شروع فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے

"یُوصِیکُمُ اللہُ فِیۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ"

یہ ایک ایسا قاعدۂ کلیہ ہے جس نے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو میراث کا مستحق بھی بنادیا اور ہر ایک کا حصہ بھی مقرر کردیا اور یہ اصول معلوم ہوگیا کہ جب مرنے والے کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے حصہ میں جو مال آئے گا اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دوگناہ مل جائے مثلاً کسی نے ایک لڑکا دو لڑکیاں چھوڑے تو مال کے چار حصے کرکے دو بٹا چار لڑکے کو اور ایک بٹا چار ہر لڑکی کو دیدیا جائے گا۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۲۱، فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہند ص ۱۰۱، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۰۱،
احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۴۲، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۳۵،
احکام القرآن تھانویؒ ۲، ص ۱۳۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

لڑکیوں کو حصہ دینے کی اہمیت

"لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"

قرآن مجید نے لڑکیوں کو حصہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصہ کو اصل قرار دیکر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتلایا ہے۔اور بجائے "لِلْاُنْثَیَیْنِ مِثْلُ حَظِّ الذکر"(دولڑکیوں کو ایک لڑکے کے حصہ کے بقدر)فرمانے کہ "لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" "لڑکے کو دولڑکیوں کے حصہ کے بقدر" کے الفاظ سے تعبیر فرمایا، جولوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور وہ یہ سمجھ کر بادل ناخواستہ شرما شرمی معاف کردیتی ہیں کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو کیوں بھائیوں سے برائی لی،ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی،ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے۔یہ میراث دبانے والے سخت گناہگار ہیں،ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں،ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے ایک گناہ وارث شرعی کے حصہ کو دبانے کا اور دوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۲۱،تفسیرات احمدیہ ص ۱۵۵، احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۴۲)

ایک سے زیادہ لڑکیوں کا حصہ

"فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ"یعنی اگر نرینہ اولاد نہ ہو اور صرف لڑکیاں ہوں اور ایک سے زائد ہوں تو ان کو مال موروث سے دوتہائی مال ملے گا۔

جن میں سب لڑکیاں برابر کی شریک ہوں گی اور باقی ایک تہائی دوسرے ورثاء مثلاً میت کے والدین ،بیوی یا شوہر وغیرہ میراث کے حق داروں کو ملے گا دولڑکیاں اور دو سے زائد دوتہائی میں شریک ہوں گی۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۲۲،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۱۰۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک لڑکی کا حصہ

”وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ“

یعنی اگر مرنے والے نے اپنی اولاد میں صرف ایک لڑکی چھوڑی اور اولاد نرینہ بالکل نہ ہو تو اس کو اس کے والد یا والدہ کے چھوڑے ہوئے مال موروث کا آدھا حصہ ملے گا، باقی دوسرے ورثہ لے لیں گے۔(معارف القرآن ج۲،ص ۳۲۳،احکام القرآن جصاص ج۲،ص۱۰۲،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص۱۰۱،تفسیرات احمدیہ ص۱۵۵،احکام القرآن تھانویؒ ج۱،ص۳۳۵)

ماں باپ کا حصہ

”وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (النساء: ۱۱)

<u>اس کے بعد خداوند قدوس نے مرنے والے کے ماں باپ کا حصہ بتایا اور تین حالتیں ذکر فرمائی۔</u>

(۱)اول یہ کہ والدین دونوں زندہ چھوڑے ہوں اور اولاد بھی چھوڑی، خواہ ایک ہی لڑکا یا لڑکی ہو اس صورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا، دیگر ورثہ اولاد و بیوی یا شوہر لے لیں گے، اور بعض حالات میں کچھ بچا ہوا پھر والد کو پہنچ جاتا ہے جو اس کے لئے مقررہ چھٹے حصے کے علاوہ ہوتا ہے، علم فرائض کی اصطلاح میں اس طرح کے استحقاق کو ”استحقاق تعصیب“ کہتے ہیں۔(احکام القرآن جصاص ج۲،ص۱۰۲،احکام القرآن قرطبی ج۳،جزء۵،ص۴۶، تفسیرات احمدیہ ص۱۵۶،فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ ص ۱۰۱،احکام القرآن ابن عربی ج۱، ص۳۳۷،۳۳۹،احکام القرآن تھانویؒ ۲،ص۱۴۰)

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری حالت

یہ بتائی کہ مرنے والے کی اولاد اور بھائی بہن نہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں اس صورت میں مال موروث کا تہائی ۱-۳ ماں کو اور باقی دو تہائی والد کو مل جائیں گے، یہ اس صورت کا حکم ہے جبکہ مرنے والے کے ورثہ میں اس کا شوہر اور اس کی بیوی بھی موجود نہ ہو، اگر شوہر یا بیوی موجود ہے تو سب سے پہلے ان کا حصہ الگ کیا جائے گا، اور باقی میں ۱-۳ والدہ کو ۲-۳ والد کو مل جائے گا۔

تیسری حالت

یہ جبکہ مرنے والے کی اولاد تو نہ ہوں لیکن بھائی بہن ہوں جن کی تعداد دو ہو، خواہ دو بھائی ہوں، خواہ دو بہنیں ہوں، یا دو سے زیادہ ہوں، اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر اور کوئی وارث نہیں تو بقیہ ۵ ۶ حصہ باپ کو مل جائیں گا، بھائیوں اور بہنوں کی موجودگی سے ماں کا حصہ کم ہو گیا، لیکن بھائی بہن کو بھی کچھ نہ ملے گا، کیونکہ باپ بہ نسبت بھائی بہن کے اقرب ہے، جو بچے گا باپ کو مل جائے گا، اس صورت میں ماں کا حصہ ۳۱ کے بجائے ۶۱ ہو گیا، ''فرائض'' کی اصطلاح میں اس کو حجب نقصان کہتے ہیں، اور یہ بہن بھائی جن کی وجہ سے والدین کا حصہ کٹ رہا ہے، خواہ حقیقی ہوں خواہ باپ شریک ہوں ، خواہ ماں شریک ہوں، ہر صورت میں ان کے وجود سے ماں کا حصہ گھٹ جائے گا، بشرطیکہ ایک سے زیادہ ہوں۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۲۳، تفسیرات احمدیہ ص ۱۵۶، ۱۵۷، فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہند ص ۱۰۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

شوہر اور بیوی کا حصہ

”وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ (النساء:۱۲)

ترجمہ:اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں اس کا آدھا تمہارا ہے،بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہواور اگر کوئی اولاد ہوتو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جوانہوں نے کی ہو،اوران کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا،اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی ان (بیویوں) کا ہے،بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو،اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہوتو اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جوتم نے کی ہو،اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کوتمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا،اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہو،نہ اولاد اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہوتو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حقدار ہے،اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوگے (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمہ جو قرض ہو اس کی ادئیگی کے بعد بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو،یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا،بردبار ہے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج۱،۲۵۲،۲۵۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مندرجہ بالا سطور میں شوہر اور بیوی کے حصوں کی تعین کی گئی ہے اور پہلے شوہر کا حصہ بتایا، شاید اس کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ اس کی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، کیونکہ عورت کی وفات کے بعد شوہر دوسرے گھر کا آدمی ہوجاتا ہے، اگر اپنے میکہ میں عورت کا انتقال ہوا ہوا اور اس کا مال وہیں ہو تو شوہر کا حصہ دینے سے گریز کیا جاتا ہے، گویا اس زیادتی کا سد باب کرنے کے لئے شوہر کا حصہ پہلے بیان فرمایا، اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ فوت ہونے والی عورت نے اگر کوئی بھی اولاد نہ چھوڑی ہو، تو شوہر کو بعد اداء دین وانفاذ وصیت کے مرحومہ کے کل کا نصف ملے گا، اور باقی نصف میں دوسرے ورثہ مثلاً مرحومہ کے والدین بھائی بہن، حسب قاعدہ حصہ پائیں گے۔

اور اگر مرحومہ نے اولاد چھوڑی ہو، ایک ہو یا دو ہوں، یا اس سے زائد ہوں، لڑکا ہو یا لڑکی ہو، اس شوہر سے ہو جس کو چھوڑ کر وفات پائی ہے، یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو تو اس صورت میں موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداءِ دین وانفاذِ وصیت کے بعد کل مال کا چوتھائی ملے گا، اور بقیہ تین چوتھائی حصے دوسرے ورثہ کو ملیں گے، یہ شوہر کے حصہ کی تفصیل تھی۔

اور اگر میاں بیوی میں سے مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو اداءِ دین وانفاذ وصیت کے بعد بیوی کو مرنے والے کے کل مال کا چوتھائی ملے گا، اور اگر اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے، خواہ اس بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے تو اس صورت میں بعد اداءِ دین ووصیت کے آٹھواں حصہ ملے گا، اگر بیوی ایک سے زائد ہے تو بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق ایک بیوی کے حصہ میں جتنی میراث آئے گی وہ سب بیویوں میں تقسیم کی جائے گی، یعنی ہر عورت کو چوتھائی اور آٹھواں حصہ نہیں ملے گا بلکہ سب بیویاں چوتھائی اور آٹھویں حصہ میں شریک ہوں گی، اور ان دونوں حالتوں میں شوہر بیوی کو ملنے کے بعد جو کچھ ترکہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بچے گا وہ ان کے دوسرے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۲۶،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۱۰۴، ۱۰۵،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء۵،ص ۵۱،تفسیرات احمدیہ ص ۱۵۹،فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ ص ۱۰۱، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۱۵۸)

کلالہ کی میراث

”وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ م بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (النساء: ۱۲)

ترجمہ: اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں، نہ اولاد، اور اس کا بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصہ کا حق دار ہوگا، اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمہ جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہونچایا ہو یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ۱،ص ۲۵۳)

تفسیر

اس آیت میں کلالہ کی میراث بیان کی گئی ہے، کلالہ کی بہت سی تعریفیں کی گئیں ہیں جو علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کی ہیں مشہور تعریف یہی ہے کہ جس مرنے والے کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصول، فروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنیٰ میں ہے اور کلال کے معنیٰ تھک جانا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے باپ بیٹے والی قرابت کے سوا قرابت کو کلالہ کہا گیا اس لئے کہ وہ قرابت باپ بیٹے کی قرابت کی نسبت سے کمزور ہے۔

پھر کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا جس نے نہ اولاد چھوڑی اور نہ والد اور اس وارث پر بھی اطلاق کیا گیا جو مرنے والے کا ولد اور والد نہ ہو، لغت کے اعتبار سے جو اشتقاق بتلایا گیا اس کا تقاضا ہے کہ لفظ "ذو" مقدر ہو، اور کلالہ بمعنیٰ "ذو کلالہ" ہوگا، یعنی ضعیف رشتہ والا، پھر اس مال موروث پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا جو ایسے میت نے چھوڑا ہو جس کا کوئی ولد اور والد نہ ہو۔

حاصلِ کلام

حاصل کلام یہ کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ، نہ دادا اور نہ اولاد ہو، اور اس نے ایک بھائی یا بہن ماں شریک چھوڑے ہوں، تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا، اور نہیں ہے تو بہن کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں، مثلاً ایک بھائی، ایک بہن ہو، یا دو بھائی، دو بہنیں ہوں تو یہ سب مرنے والے کے کل مال کے تہائی حصے میں شریک ہوں گے، اور اس میں مذکر کو مؤنث سے دوہرا نہیں ملے گا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں "ولیس فی الفرائض موضع یکون فیہ الذکر و الانثی سواء الا فی میراث الاخوۃ للام"

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۲۸، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۰۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳،

toobaa-elibrary.blogspot.com

جزء۵،ص۵۱،تفسیرات احمدیہ ص۱۶۰،فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہندص ۱۰۲،
احکام القرآن ابن عربی ج۱،ص۳۴۶۔۳۴۷،احکام القرآن تھانویؒ ج۲،ص۱۶۰)

وصیت کے مسائل

”فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ
اَوۡ دَيۡنٍ (النساء:۱۲)

تفسیر

اس رکوع میں تین مرتبہ میراث کے حصے بیان کر کے یہ فرمایا کہ حصوں کی یہ تقسیم وصیت اور دین کے بعد ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ میت کی تجہیز وتکفین کے بعد کل مال سے قرضے ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی، اگر اس سے زیادہ وصیت ہوتو اس کا شرعاً اعتبار نہیں، ضابطہ میں ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے، اگر تمام مال ادائے دیون میں لگ جائے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث چلے گی، اس رکوع میں تینوں جگہ جہاں جہاں وصیت کا ذکر آیا ہے وہاں وصیت کا ذکر دین سے پہلے کیا گیا ہے، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کا حق دین سے مقدم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرتے ہوئے فرمایا؛

”انکم تقرؤن هذه الآية من بعد وصية توصون بها او دين وان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضى بالدين قبل الوصية۔“ ”مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی ص ۲۶۳“

(معارف القرآن ج۲،ص۳۲۹،احکام القرآن جصاص ج۲،ص۱۲۰،تفسیرات احمدیہ ص۱۶۱،
فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہندص ۱۰۲،احکام القرآن تھانویؒ ج۲،ص۱۳۸،۱۴۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنے کی تاکید

”فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (النساء:۱۲)

تفسیر

میراث کے حصے بیان کرنے کے بعد اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ”وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ“ یعنی جو کچھ حصے مقرر کئے گئے ہیں اور دین اور وصیت کے بارے میں جو تاکید کی گئی ہے، ان سب پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے، اللہ پاک کی طرف سے ایک عظیم وصیت اور مہتم بالشان حکم ہے، اس کی خلاف ورزی نہ کرنا۔

پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ”وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ“ یعنی اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور اس نے اپنے علم سے ہر ایک کا حال جانتے ہوئے حصے مقرر فرمائے، جو احکام مذکورہ پر عمل کرے گا اللہ کے علم سے اس کی یہ نیکی باہر نہ ہوگی، اور جو خلاف ورزی کریگا، اس کی یہ بدکرداری بھی اللہ کے علم میں آئے گی جس کی پاداش میں اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

نیز جو کوئی مرنے والا دین یا وصیت کے ذریعہ سے ضرر پہنچائے گا اللہ کو اس کا بھی علم ہے، اس کے مواخذہ سے بے خوف نہ رہو، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلاف ورزی کرنے پر اس دنیا میں سزا نہ دے، اس لئے کہ وہ حلیم ہے خلاف ورزی کرنے والے کو یہ دھوکا نہ لگنا چاہئے کہ میں بچ گیا۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۳۰، ۳۳۱، فوائد عثمانی ص ۱۰۲، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۵۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

مہر کی قلت اور کثرت کے سلسلہ میں احکام

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا (۱۹) وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا اَتَاْخُذُوْنَہٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا (النساء:۲۰)

اکثرِ مہر کے بارے میں شریعت کا حکم

مہر شریعت اسلامیہ میں ہبہ اور عطیہ ہے اور اس کی حد شریعت نے متعین نہیں کی کیونکہ لوگ غنٰی اور فقر میں مختلف ہیں، اور حالات بدلتے رہتے ہیں، تنگی اور وسعت پیش آتی رہتی ہے، اس لئے شریعت نے تحدید کو ترک کیا تا کہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق اور اپنی گنجائش اور حالت کے مطابق دے۔اس میں فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے، اکثر مہر کی کوئی حد مقرر اور متعین نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا“

علامہ قرطبیؒ کا قول

علامہ قرطبی نے فرمایا آیت مذکورہ میں کثرت مہر کے جواز کی دلیل موجود ہے، اس لئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ مباح اور جائز ہی کی مثال ذکر فرماتے ہیں اور حضرت عمرؓ کا قصہ ذکر فرمایا اس سے ثابت کیا کہ کثرت مہر کی کوئی حد نہیں ہے، اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(روائع البیان ج ۱ص ۴۲۴)(تفسیرات احمدیہ ص ر ۱۶۹۔درمختار مع الشامی ج ۳۔ص ر ۱۰۱۔مکتبہ تجاریہ، مکہ مکرمہ)

اقل مہر میں ائمہ کا اختلاف

تین مذہب ہے۔

(۱)امام مالکؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار تین درہم یعنی ربع دینار ہے۔

(۲)امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی اقل مقدار دس دراہم ہیں۔

(۳)امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اقل مہر کی کوئی حد متعین نہیں ہے، ہر وہ چیز جس کی کوئی قیمت ہوسکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے۔

امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حقیر شیٔ مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی مہر میں مال کی مقدار معلوم کا ہونا ضروری ہے اور جب چور کا ہاتھ ایک دینار سے کم کی چوری میں کاٹا نہیں جاتا ،امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اور (ربع دینار سے کم کی چوری میں)امام مالکؒ کے نزدیک اس مقدار کا مہر میں بھی اعتبار کیا جائے گا ،حدِ سرقہ پر قیاس کرتے ہوئے ،اور حنفیہ نے حضرت جابرؓ کے حدیث سے بھی استدلال کیا ہے''لاصداق دون عشرۃِ دراہم'' کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہے

(روائع البیان ج ۱ص ۴۲۴، ۴۲۵)(مظاہر حق جدید ج ۴۔ص ر ۱۰۴)

اسلام سے پہلے عورتوں پر ہونے والے مظالم کا انسداد

''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْھًا وَ لَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا (النساء: ۱۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھوں اور ان کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اڑو، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور ان کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اور اگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔

”وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (النساء: ۲۰)

ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مہر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے (مہر) واپس لو گے؟

”وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (النساء: ۲۱)

ترجمہ: اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے اور انہوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا؟

(توضیح القرآن آسان ترجمۂ قرآن ج ۱، ص ۲۵۵ تا ۲۵۷)

تفسیر

ان تینوں آیتوں میں ان مظالم کی روک تھام ہے جو اسلام سے پہلے صنف نازک پر روا رکھے جاتے تھے، ان میں ایک بہت بڑا ظلم یہ تھا کہ مرد عورتوں کی جان و مال کا اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے، عورت جس کے نکاح میں آ گئی وہ اس کی جان کو بھی اپنی ملک سمجھتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھا، اوراس کے مرنے کے بعد اس کے وارث جس طرح اس کے متروکہ مال کے وارث اور مالک ہوتے تھے، اسی طرح اس کی بیوی کے بھی وارث اور مالک مانے جاتے تھے، چاہیں تو وہ خود اس سے نکاح کر لیں، یا دوسرے کسی سے مال لے کر اس کا نکاح کر دیں، شوہر کا لڑکا جو دوسری بیوی سے ہوتا وہ خود بھی باپ کے بعد اس کو اپنے نکاح میں لا سکتا تھا اور جب عورت کی جان ہی اپنی ملک سمجھ لی گئی تو مال کا معاملہ ظاہر ہے اور اس بنیادی غلطی کے نتیجہ میں عورتوں پر طرح طرح کے صدہا مظالم ہوا کرتے تھے، مثلاً:

ایک ظلم یہ تھا

کہ جو مال عورت کو کہیں سے وراثت میں ملا یا اس کے میکہ والوں کی طرف سے بطور ہدیہ، تحفہ ملا، بیچاری عورت اس سب سے محروم و بے تعلق رہتی، اور یہ سب مال سسرال کے مرد ہضم کر لیتے تھے۔

دوسرا ظلم

یہ ہوتا تھا کہ اگر عورت نے اپنے حصہ مال پر کہیں قبضہ کر ہی لیا تو مرد اس کو نکاح کرنے سے اس لئے روکتے تھے کہ یہ اپنا مال باہر نہ لے جا سکے بلکہ یہیں مر جائے، اور مال چھوڑ جائے تو ہمارے قبضہ میں آ جائے۔

تیسرا ظلم

کہیں کہیں یہ بھی ہوتا تھا کہ بعض اوقات بیوی کا کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود محض طبعی طور پر وہ شوہر کو پسند نہ ہوتی تو شوہر اس کے حقوق زوجیت ادا نہ کرتا، مگر طلاق دے کر اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی گلوخلاصی بھی اس لئے نہیں کرتا کہ تنگ آ کر زیور اور زرِ مہر جو وہ اسے دے چکا ہے واپس کر دے، یا اگر ابھی نہیں دیا تو معاف کر دے تب اس کو آزادی ملے گی۔

اور بعض اوقات شوہر طلاق بھی دیدیتا لیکن پھر بھی اپنی اس مطلقہ کو کسی دوسرے سے نکاح نہیں کرنے دیتا، تاکہ وہ مجبور ہو کر اس کا دیا ہو مہر واپس کر دے، یا واجب الادا مہر کو معاف کر دے۔

چوتھا ظلم

بعض اوقات یوں ہوتا تھا کہ شوہر مر گیا، اس کے وارث اس کی بیوہ کو نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، یا جاہلانہ عار کی وجہ سے یا اس طمع میں کہ اس کے ذریعہ کچھ مال وصول کریں۔

یہ سب مظالم اس بنیاد پر ہوتے تھے کہ عورت کے مال بلکہ اس کی جان کا بھی اپنے آپ کو مالک سمجھا جاتا تھا، قرآن نے اس فساد کی اس جڑ کو اکھاڑ ڈالا، اور اس کے تحت ہونے والے تمام مظالم کے انسداد کے لئے ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ کَرْھًا" اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم جبراً عورتوں کے مالک بن بیٹھو۔

جبراً کی قید اس جگہ بطور شرط کے نہیں کہ عورتوں کی رضامندی سے ان کا مالک بنجانا صحیح قرار دیا جائے، بلکہ بیان واقعہ کے طور پر ہے کہ عورتوں کے جان و مال کا بلا وجہ شرعی و عقلی مالک بن بیٹھنا ظاہر ہے کہ جبراً ہی ہوسکتا ہے، اس پر کوئی ہوش و عقل والی عورت راضی کہاں ہوسکتی ہے۔ (بحر محیط)

اسی لئے شریعت نے اس معاملہ میں اس کی رضاء کو مؤثر نہیں قرار دیا، کوئی عورت بیوقوفی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے کسی کی مملوک بننے پر راضی بھی ہو جائے تو اسلامی قانون اس پر راضی نہیں کہ کوئی آزاد انسان کسی کا مملوک ہو جائے۔

ظلم و فساد کی ممانعت کا عام طریقہ یہ ہے کہ بصیغۂ نہی اس سے منع کر دیا جائے، لیکن اس جگہ قرآن کریم نے اس عام طریقہ کو چھوڑ کر لفظ ''لا یحل'' سے اس کو بیان فرمایا ہے، اس میں اس معاملہ کے شدید گناہ ہونے کے علاوہ اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے کسی بالغ عورت سے بغیر اس کی اجازت و رضاء کے نکاح کر بھی لیا تو وہ نکاح شرعاً حلال نہیں، بلکہ کالعدم ہے، ایسے نکاح سے نہ ان دونوں کے درمیاں میاں بیوی کا رشتہ قائم ہوتا ہے، اور نہ وراثت یا نسب کے احکام اس سے متعلق ہوتے ہیں۔

اگر کسی نے کسی عورت کو مجبور کر کے اس سے اپنا دیا ہو مہر واپس لے لیا یا واجب الاداء مہر کو جبراً معاف کرالیا تو یہ جبری واپسی یا معافی شرعاً معتبر نہیں، نہ اس سے لیا ہوا مال مرد کے لئے حلال ہوتا ہے، نہ کوئی حق واجب معاف ہوتا ہے۔

''وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ''

اور اس مضمون کی مزید توضیح کے لئے اللہ نے ارشاد فرمایا ''وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ'' یعنی عورتوں کو اپنی مرضی کا نکاح کرنے سے نہ روکو اس خیال پر کہ جو مال تم نے یا تمہارے عزیز نے ان کو بطور مہر یا بطور ہدیہ تحفہ کے دیدیا ہے وہ اس سے واپس لے لو،، مہر دینے اور واپس لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ جو مہر دینا مقرر کر چکے ہیں اس کو معاف کرایا جائے، غرض دیا ہوا مہر جبراً واپس لیں یا واجب الاداء کو جبراً معاف کرائیں، یہ سب ناجائز اور حرام ہیں، اسی طرح جو مال بطور مالکانہ ہدیہ، تحفہ کے طور پر بیوی کو دیا جا چکا ہے، ان کا واپس لینا نہ خود شوہر کے لئے حلال ہے نہ اس کے وارثوں کے لئے، مالکانہ طور پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اگر شوہر نے کوئی زیور یا اور کوئی استعمالی چیز بیوی کو محض عاریۃً استعمال کے لئے دی ہے مالک بنا کر نہ دی ہو تو وہ بیوی کی ملکیت میں داخل ہی نہیں ہوتی ،اس لئے اس کی واپسی بھی ممنوع نہیں۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۵۲،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۶۲، ۶۳،تفسیرات احمدیہ ۱۶۷، فوائد عثمانی ص ۱۰۴،احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۳۶۱)

بعض صورتوں میں دیا ہوا مہر واپس لینا جائز ہے

"اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ" اس آیت میں بعض ایسی صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا گیا ہے جن میں شوہر کے لئے اپنا دیا ہوا مال مہر وغیرہ واپس لینا جائز ہو جاتا ہے۔

معنیٰ یہ ہیں کہ اگر عورت کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت ایسی صادر ہو جائے جس کی وجہ سے طلاق دینے کے لئے آدمی طبعاً مجبور ہو جائے ،تو ایسی صورت میں مضائقہ نہیں کہ شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک یہ اس کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس نہ کرے یا واجب الاداء مہر کو معاف نہ کرے۔

اور اس جگہ لفظ فاحشہ یعنی ناشائستہ حرکت سے مراد حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ضحاکؒ وغیرہ کے نزدیک تو شوہر کی نافرمانی اور بدزبانی ہے۔

اور ابوقلابہؒ،حسن بصریؒ نے "فاحشہ" سے مراد اس جگہ بے حیائی اور زنا لیا ہے،تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ان عورتوں سے کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو گیا، یا وہ نافرمانی اور بدزبانی سے پیش آتی ہیں،جس سے مجبور ہو کر مرد طلاق پر آمادہ ہو رہا ہے،تو چونکہ قصور عورت کا ہے اس لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو اس وقت تک اپنے نکاح میں روکے رکھے جب تک اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس وصول نہ کرے یا مقرر کردہ مہر معاف نہ کرا لے۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۳۵۳، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۶۳، تفسیرات احمدیہ ص ۱۶۸، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۶۲، ۳۶۳)

مہر کے رقم کی واپسی کے ظلم ہونے کا پہلا مرحلہ

”اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا“

اس رقم کی واپسی کو ظلم و گناہ ہونے کے تین مرحلوں میں بیان فرمایا گیا:

پہلا مرحلہ

”اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا“

یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بیوی پر زنا وغیرہ کے بہتان لگانے کا کھلا گناہ کر کے اپنا مال واپس لینے کا راستہ نکالو“ یعنی جب یہ معلوم ہو چکا کہ دیا ہوا مال واپس لینا صرف اس وقت جائز ہے، جبکہ بیوی کسی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہو تو اب اس سے مال واپس لینا درحقیقت اس کا اعلان کرنا ہے کہ اس نے کوئی ناشائستہ حرکت بے حیائی کی ہے، خواہ زبان سے اس پر تہمت زنا لگائے یا نہ لگائے، بہرحال یہ ایک صورت تہمت اور بہتان کی ہے جس کا ”اثم مبین“ یعنی کھلا گناہ عظیم ہونا ظاہر ہے۔

دوسرا مرحلہ

ظلم کا بتلایا ہے ”وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ“ یعنی اب تم اپنا مال ان سے کیسے واپس لے سکتے ہو، جبکہ صرف عقد نکاح ہی نہیں بلکہ خلوتِ صحیحہ اور ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرے سے بے حجابانہ ملنا بھی ہو چکا ہے، کیونکہ اس صورت میں دیا ہوا مال اگر مہر کا ہے تو عورت اس کی پوری مستحق اور مالک ہو چکی ہے، کیونکہ اس نے اپنے نفس کو شوہر کے سپرد کر دیا، اب اس کی واپسی کے کوئی معنیٰ نہیں، اور اگر دیا ہوا مال ہدیہ، تحفہ کا ہے تو بھی اب اس کی واپسی ممکن نہیں، کیونکہ میاں بیوی جو آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کریں اس کی واپسی نہ شرعاً جائز ہے اور نہ قانوناً نافذ کی جاتی ہے، غرض ازدواجی تعلق ہبہ کی واپسی سے مانع ہے۔

تیسرا مرحلہ

"وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا" اس مضمون کو تیسرے جملہ میں ارشاد فرمایا: وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا" یعنی ان عورتوں نے تم سے پختہ اور مضبوط عہد لے لیا ہے اس سے مراد عقد نکاح کا عہد ہے جو اللہ کے نام اور خطبہ کے ساتھ مجمع کے سامنے کیا جاتا ہے۔

خلاصہ

یہ ہے کہ اس ازدواجی عہد و میثاق اور باہم بے حجابانہ ملنے کے بعد دیا ہوا مال واپس کرنے کے لئے عورت کو مجبور کرنا کھلا ہوا ظلم و جور ہے، مسلمانوں کو اس سے اجتناب لازم ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۵۳، ۳۵۴، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۶۵، ۶۶، تفسیرات احمدیہ ص ۱۶۸، فوائد عثمانی ص ۱۰۴، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۶۷، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۱۹۹)

باپ کی منکوحہ کی حرمت

"وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭاِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭوَسَاۗءَ سَبِيْلًا" (النساء: ۲۲)

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا کسی وقت نکاح کر چکے ہوں تم انہیں نکاح

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں نہ لاؤ، البتہ پہلے جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا یہ بڑی بے حیائی گھناؤنا عمل ہے اور بے راہ روی کی بات ہے۔ (توضیح القرآن ج ا ص ۲۵۷)

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ (باپ، دادا، نانا) نے نکاح کیا ہو مگر (خیر) جو بات گزر گئی گزر گئی (آئندہ کبھی ایسا نہ ہو) بے شک یہ (بات عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے اور (اہل طبائع سلیمہ کے عرف میں بھی) نہایت نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) بہت برا طریقہ ہے۔ (بیان القرآن ج ا ص ۳۳۷ مکتبہ تھانوی)

تفسیر

گزر گئی کا مطلب یہ کہ جاہلیت میں بعض لوگ ایسا کرتے تھے مگر شائستہ لوگ اس زمانہ میں بھی اس کو برا جانتے تھے اور اس کو "نکاحِ مقت" کہتے تھے اور جو اس نکاح سے اولاد ہوتی تھی اس کو "مقتی" کہتے تھے "کذافی الکشاف" اسی لئے احقر نے اس میں عرف بڑھا دیا کیونکہ اس کے عرف میں اس کا لقب مقت مشہور تھا اور عقلاً بے حیائی ہونا اور شرعاً بوجہ منہی عنہ ہونے کے اس کا برا طریقہ ہونا ظاہر ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی ایجاب وقبول کر بھی لے وہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، پس باطل محض ہے۔

(بیان القرآن ج ا ص ۳۳۷ مکتبہ تھانوی، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۱۵۴، ۱۵۵، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵ ص ۶۸ تفسیرات احمدیہ ص ۱۲۹، فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہند ص ۱۰۴، احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۳۶۸، ۳۶۹، احکام القرآن تھانوی ج ۲ ص ۱۹۰)

جاہلیت کے زمانہ میں اس میں کوئی باک نہیں کیا جاتا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے، اس آیت میں اللہ پاک نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمایا اور اس کو موجب مقت یعنی خدا پاک کی ناراضگی کا باعث بتایا، ظاہر ہے کہ یہ کیسی اخلاق کی موت اور کردار کی خرابی ہے کہ جس کو ایک عرصے تک ماں کہتے رہے، اس کو باپ کی موت کے بعد بیوی بنا کر رکھ لیا۔

آیت شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی ہے کہ باپ نے ان سے وطی بھی کی ہو، لہٰذا کسی بھی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لئے نکاح کبھی بھی حلال نہیں۔

اسی طرح بیٹے کی بیوی سے باپ کو نکاح کرنا درست نہیں اگر چہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہے۔

"قال الشامی وتحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها اولا"

مسئلہ: اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۷، ۳۵۸ تفسیرات احمدیہ ص ۱۶۹، فوائد عثمانی ص ۱۰۴)

محرمات نسبیہ کا بیان

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ" (النساء:۲۳)

ترجمہ: اول محرمات نسبیہ وہ یہ ہیں، تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں (اور ان میں سب اصول وفروع بواسطہ وبلا واسطہ سب داخل ہیں) اور تمہاری بہنیں (خواہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی) اور تمہاری پھوپھیاں (اس میں باپ کی اور سب مذکر اصول کی تینوں قسمیں کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہنیں آ گئیں)اور تمہاری خالائیں (اس میں ماں کی اور سب مؤنث اصول کی تینوں قسموں کی بہنیں آ گئیں)اور بھتیجیاں (اس میں تینوں قسموں کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ وبلا واسطہ سب آ گئیں)اور بھانجیاں (اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد بواسطہ وبلاواسطہ سب آ گئیں)۔ (بیان القرآن مکتبہ تھانوی ج ا ص ۳۳۸)

”حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ أُمَّهَٰتُكُمۡ“

یعنی اپنی والدہ سے نکاح کرنا حرام ہے اور لفظ ”**امھاتکم**“ کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۸، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۱۵۵، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۷۰،
تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۰، فوائد عثمانی مع ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ ص ۱۰۴،
احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۳۷۱، ۳۷۲، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲ ص ۲۰۵)

”وبناتکم“ اپنی صلبی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے اور لڑکی کی لڑکی سے بھی اور بیٹے کی لڑکی سے بھی۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ بیٹی، پوتی، پر پوتی، نواسی، پرنواسی، ان سب سے نکاح کرنا حرام ہے، اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو اس سے نکاح کرنے نہ کرنے میں تفصیل ہے، جو آگے آرہی ہے۔

اور لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آتی ہو، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے اس سے بھی نکاح

toobaa-elibrary.blogspot.com

درست نہیں۔

’’اخواتکم‘‘ اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے اور اس بہن سے بھی جو علاتی (باپ شریک) اور اس بہن سے بھی جو اخیافی (ماں شریک) ہو۔

’’وعماتکم‘‘ اپنے باپ کی حقیقی بہن علاتی اخیافی بہن ان تینوں سے نکاح حرام ہے غرض کہ تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۸)

’’خالاتکم‘‘ اپنی والدہ کی بہن، حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی، ہر ایک سے نکاح حرام ہے۔

’’وبنات الاخ‘‘ بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے حقیقی ہوں یا علاتی ہو یا اخیافی ہو، تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حلال نہیں ہے۔

’’وبنات الاخت‘‘ بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ بہنیں خواہ حقیقی ہوں، علاتی ہوں یا اخیافی ان کی لڑکیاں شرعاً نکاح میں نہیں آسکتیں۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۸، ۳۵۹، فوائد عثانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۴، احکام القرآن ابن عربی ج ۱ ص ۳۷۱، ۳۷۲)

دوسری قسم محرمات رضاعیہ

’’وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ‘‘ (النساء: ۲۳)

ترجمہ: دوسری قسم کے محرمات رضاعیہ اور وہ یہ ہیں، تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔ (یعنی انّا) اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہیں (یعنی تم نے ان کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، یا اس نے تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے گو مختلف وقت میں پیا ہو) (بیان القرآن ج ا، ص ۳۳۸)

تفسیر

"وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ" جن عورتوں کا دودھ پیا ہو اگرچہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہے اور ان سے بھی نکاح حرام ہے تھوڑا سا دودھ پیا ہو یا زیادہ ایک مرتبہ پیا ہو یا متعدد دفعہ پیا ہو، ہر صورت میں یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں اس کو "حرمت رضاعت" سے تعبیر کرتے ہیں۔

البتہ اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمتِ رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: "انما الرضاعة من المجاعة" یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں دودھ پینے ہی سے بچے کا نشو نما ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور یہ مدت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بچہ کی پیدائش سے لیکر ڈھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جن میں امام ابو حنیفہؒ کے مخصوص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمھما اللہ تعالیٰ بھی ہیں، صرف دو سال کی مدت تک رضاعت ثابت ہو سکتی ہے اور اسی پر امام محمدؒ کا فتویٰ بھی ہے، اگر کسی لڑکے لڑکی نے اس عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

"وَ اَخَوٰتُکُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ"

یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہے ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، تفصیل اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

یوں ہے کہ جب کسی لڑکی یا لڑکے نے ایام رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لیا وہ عورت ان کی رضاعی والدہ بن گئی اور اس عورت کا شوہر اس کا رضاعی باپ بن گیا اور اس عورت کی نسبی اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے، اور اس عورت کی بہنیں اس کی خالائیں بن گئیں، اور اس عورت کا جیٹھ، دیوران بچوں کے رضاعی چچا بن گئے اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں اور باہم ان سب میں حرمت رضاعت ثابت ہوگئی نسب کے رشتے سے جو نکاح آپس میں حرام ہے، رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة" (بخاری)

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

"ان اللہ حرم من الرضاعة ما حرم من النسب" بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۷۳،

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۷، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۰، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۴، احکام القرآن جصاص ج ۱ ص ۷۳ ۳، احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲ ص ۲۰۶)

"وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ وَاَخَوٰتُکُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ"

ترجمہ: اور حرام کی گئی تم پر وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا اور رضاعی بہنیں۔

فائدہ

محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں، ماں اور بہن، اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں، چنانچہ حدیثوں میں یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکم موجود ہے۔

(فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۴،احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۲۰۶)

تیسری قسم محرمات بالمصاہرت

بیویوں کی مائیں بھی حرام ہیں

"امھات نسائکم" بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں، یہاں بھی "امھات" میں تفصیل ہے۔

اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں نسبی ہو یا رضاعی سب داخل ہیں، جس طرح منکوحہ بیوی کی ماں حرام ہے اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس کے ساتھ شبہ میں ہم بستری کی ہو یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے۔

مسئلہ:

نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہوجاتی ہے حرمت کے لئے دخول وغیرہ ضروری نہیں ۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۶۱،احکام القرآن جصاص ۔ج ۲،ص ۱۵۵،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵، ص ۷۰،۷۱،تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۱،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندص ۱۰۴،احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۳۷۳)

منکوحہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

"وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ" جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہم بستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے، اسی طرح اس کی پوتی ،نواسی حرام ہوگئیں ،ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ،لیکن اگر ہم

toobaa-elibrary.blogspot.com

بستری نہیں کی صرف نکاح ہوا تو صرف نکاح سے مذکورہ قسمیں حرام نہیں ہوجاتیں۔

لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کے اندام نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہم بستری کے حکم میں ہے اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہوجاتی ہے۔ (احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۶۱)

مسئلہ:

یہاں بھی "نسائکم" میں تعمیم ہے، لہٰذا اس عورت کی لڑکی پوتی اور نواسی بھی حرام ہو گئیں، جس کے ساتھ شبہ میں ہم بستری کی ہو یا اس کے ساتھ زنا کیا ہو۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۱، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۷۴، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۱، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۴، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۷۸، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۱۰)

"اُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ"

فائدہ

اب محرمات مصاہرہ کا ذکر ہے یعنی علاقۂ نکاح کی وجہ سے جس سے نکاح حرام ہوتا ہے، اور اس کی یہ دو قسمیں ہیں۔

(۱) اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اس زوجہ کی بیٹی ہے جس سے تم نے صحبت کی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دیدو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہوسکتا۔

اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی عورتیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

داخل ہیں کہ ان سے تمہارا نکاح درست نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے، اس وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اس عورت کو طلاق دیدی یا وہ مرگئی تو ان سے ان کا نکاح درست ہوجائے گا، اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہوسکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا۔

(فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۴، احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲، ص ۲۱۰)

بیٹے کی بیوی حرام ہے

"وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ" بیٹے کی بیوی حرام ہے اور بیٹے کے عموم میں پوتا، نواسا بھی داخل ہے، لہٰذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

"مِنْ اَصْلَابِکُمْ" کی قید سے متبنیٰ (لے پالک) کو نکالنا مقصود ہے، اس کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا بھی نسبی بیٹے کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ (احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۶۳، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۱۳، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۷۵)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے

"وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ" دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں، یہ حکم سب کو شامل ہے، البتہ طلاق ہوجانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت

toobaa-elibrary.blogspot.com

گذرنے کے بعد ہے، عدت کے دوران نکاح جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۶۳)

مسائل:

(۱) جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

"قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یجمع بین المرءۃِ و عمتھا و لا بین المرءۃ و خالتھا۔

(بخاری و مسلم)

(۲) فقہاء کرام نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مذکر فرض کر لیا جائے تو شرعاً ان دونوں کا آپس میں نکاح درست نہ ہو، اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۱، ۳۶۲، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۷۷، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۱، فوائد عثمانی ص ۱۰۴، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۷۹، احکام القرآن تھانوی ج ۲، ص ۲۱۴)

جاہلیت میں جو کچھ ہوتا رہا اس پر مواخذہ نہیں

"وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

(النساء: ۲۳)

ترجمہ: اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (توضیح القرآن)

"اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ" یعنی جاہلیت میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ الفاظ "وَ لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ" کی آیت میں بھی ذکر ہوئے ہیں اور وہاں پر بھی یہی معنیٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں کہ جاہلیت میں جو کچھ تم سے صادر ہوا سو ہوا، اب اسلام لانے کے بعد اس کا مواخذہ نہیں ہوگا اور آئندہ کے لئے اجتناب لازم ہے۔

اسی طرح اگر نزول تحریم کے وقت میں باپ کی منکوحہ یا دو بہنیں نکاح میں ہوں تو تفریق ضروری ہے اور دو بہنوں کی صورت میں ایک بہن کو الگ کر دینا لازم ہے۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بُردہ بن نیار کو ایک آدمی کے قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس لئے کہ اس شخص نے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا تھا۔ ”مشکوٰۃ ص ۲۷۴“

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۲، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۹۷، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۳، فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۸۰، روائع البیان ج ۱، ص ۴۲۶ تا ۴۲۸)

محرمات کی چوتھی قسم شوہر والی عورتیں

”وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ“

(النساء: ۲۴)

ترجمہ: اور وہ عورتیں جو کہ شوہر والیاں ہیں، مگر (اس قسم میں وہ مستثنیٰ ہیں) جو کہ (شرعاً) تمہاری مملوک ہو جائیں (اور ان کے حربی شوہر دار الحرب میں موجود ہوں اور بعد ایک حیض آجانے کے یا وضع حمل کے حلال ہیں کذا فی الہدایہ)

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور (باقی) عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے (نکاح میں لانا چاہو یعنی مہر ہونا نکاح میں ضروری ہے) اس طرح کہ تم (ان کو) بیوی بناؤ جس کی شرطیں شرع میں مشہور ہیں مثلاً گواہ بھی ہوں نکاحِ مؤقت بھی نہ ہو، وغیرہ) صرف مستی ہی نکالنا نہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو (اس کے عموم میں زنا اور متعہ سب داخل ہو گیا گو اس میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے) پھر نکاح ہو جانے کے بعد جس طرح سے (منجملہ طرقِ شرعیہ معتبرہ کے) تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو تو ان (ان کے عوض) ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں اور (یہ نہ سمجھو کہ اس مقررہ میں کسی طرح مثل نماز روزہ کے کمی بیشی نہ ہو بلکہ) مقرر ہونے کے بعد بھی جس (مقدار) پر تم (میاں بیوی) باہم رضا مند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں (مثلاً) خاوند نے اور مہر بڑھا دیا یا عورت نے کم کر دیا یا معاف ہی کر دیا ہر طرح درست ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں۔ (تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں) بڑے حکمت والے ہیں (ان مصلحتوں کی رعایت سے احکام مقرر فرمائے ہیں، گو تمہاری سمجھ میں نہ آوے)۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۵۶، ۳۵۷، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵،ص ۷۹ تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۳، فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۳۸۰، ۳۸۱، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۲۱۷)

"وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ"

(النساء: ۲۴)

تفسیر

"وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاۗءِ" یعنی شوہر والی عورتیں بھی حرام کی گئیں، جب تک کوئی عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو، دوسرا شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہوسکتی ہے۔

اس دور کے بعض جاہل ملحد کہنے لگے ہیں مردوں کو جب (ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ہے تو عورتوں کو بھی ایک سے زائد شوہروں سے متمتع ہونے کی اجازت ملنی چاہئے، یہ مطالبہ اس آیت شریفہ کے بالکل خلاف ہے، ایسی جاہلانہ باتیں کرنے والے لوگ یہ نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمجھتے کہ مردوں کے لئے کثرت ازدواج ایک نعمت ہے، جسے ہر مذہب وملت میں جائز قرار دیا گیا ہے، جس پر انسان کی تاریخ شاہد ہے لیکن عورت کے لئے ایک وقت میں ایک سے زائد شوہر ہونا اس عورت کے لئے بھی باعث ننگ وعار ہے، اور سراسر بے شرمی ہے، نیز اس میں کسی بچہ کے ثابت النسب ہونے کا بھی کوئی راستہ باقی نہیں رہتا، جب کئی مرد کسی عورت سے استمتاع کریں گے تو پیدا ہونے والی اولاد کو ان میں سے کسی ایک کا بیٹا تجویز کرنے کا کوئی طریق باقی نہ رہے گا، اس طرح کا بدترین مطالبہ وہیں لوگ کرسکتے ہیں جو انسانیت کے سراپا دشمن ہوں اور جن کی غیرت وحیاء کا جنازہ نکل چکا ہو ایسے لوگ اولاد اور والدین کے حقوق کی لائن سے وجود میں آنے والی رحمتوں سے پوری انسانیت کو محروم کرنے کی حمایت میں لگے ہوئے ہیں۔

جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو باہمی حقوق وفرائض کی ذمہ داری کس پر عائد کی جائے گی خالص طبعی اور عقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو ایک عورت کے لئے متعدد شوہر ہونے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا۔

(۱) ازدواج کا بنیادی مقصد تناسل ہے، اس اعتبار سے متعدد عورتیں تو ایک مرد سے حاملہ ہوسکتی ہیں لیکن ایک عورت متعدد مردوں سے حاملہ نہیں ہوسکتی وہ ایک ہی سے حاملہ ہوگی، اس لئے متعدد شوہروں کی صورت میں ایک کے علاوہ باقی شوہروں کی قوت ضائع گئی شہوت رانی کے سوا ان کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔

(۲) تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں صنف نازک ہے وہ سال کے اکثر حصہ میں استمتاع کے بھی قابل نہیں رہتی، بعض حالات میں اس کے لئے ایک ہی شوہر کے حقوق پورے کرنا ممکن نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ایک سے زیادہ شوہر ہوں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) چونکہ مرد جسمانی اعتبار سے عورت کے مقابلہ میں زیادہ صحت مند ہے، اس لئے اگر کسی مرد کی جنسی قوت معمول سے زیادہ ہو، اور ایک عورت سے اس کی تشفی نہ ہوسکتی ہو تو اسے جائز طریقہ سے دوسرے اور تیسرے نکاح کا موقع ملنا چاہئے ورنہ وہ دوسرے ناجائز طریقے اختیار کریگا اور پورے معاشرہ کو بگاڑ دیگا، لیکن عورت سے اپنے بگاڑ کا اندیشہ نہیں ہے۔

شریعت اسلامیہ میں اس مسئلہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ نہ صرف کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کے دوسرے نکاح کو حرام قرار دیا ہے بلکہ کسی عورت کا کوئی شوہر طلاق دیدے یا مرجائے تو اس کی عدت گزرنے تک بھی کسی دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۳، ۳۶۴، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۷۰، فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۸۱، ۳۸۲)

"وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ"

(النساء: ۲۴)

تفسیر

"اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" یہ جملہ "والمحصنٰت من النساء" سے استثنا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر والی بیوی سے کسی دوسرے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ کوئی عورت مملوکہ باندی ہو کر آجائے، جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دارالحرب کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کر کے لے آئے، ان عورتوں میں جو عورت دارالاسلام میں لائی گئی اور اس کا شوہر دارالحرب میں رہ گیا تو اس عورت کا نکاح

toobaa-elibrary.blogspot.com

دارالاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہر سے ختم ہو گیا، اب یہ عورت اگر کتابیہ یا مسلمہ ہو تو اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کر سکتا ہے اور اگر امیر المومنین اس کو باندی بنا کر کسی فوجی سپاہی کو مال غنیمت کی تقسیم میں دیدی تب بھی اس سے استمتاع جائز ہے، لیکن یہ نکاح و استمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے اور اگر حمل ہے تو وضع حمل ضروری ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۳، ۳۶۴، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۷۱، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۴، فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۸۲، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۲۰)

مسائل:

(۱) اگر کوئی کافر عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہے تو تین حیض گذرنے کے بعد وہ اس کے نکاح سے جدا ہو جائے گی۔

(۲) اور اگر دارالاسلام میں کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو تو حاکم شرع اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے اور یہ تفریق طلاق شمار ہو گی اس کے بعد عدت گذار کر وہ عورت کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے "کتب اللہ علیکم" یعنی جن محرمات کا ذکر ہوا ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے۔

"قال القرطبی ای حرمت ھذہ النساء کتاباً من اللہ علیکم"

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۴، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۴، فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۸۲، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۲۰)

"وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" یعنی وہ محرمات اب تک مذکور ہوئیں، ان کے علاوہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں ،مثلاً چچا کی لڑکی ،خالہ کی لڑکی ماموں زاد بہن ، ماموں، چچا کی بیوی ان کی وفات یا طلاق دینے کے بعد بشرطیکہ یہ مذکورہ اقسام اور کسی رشتہ سے محرم نہ ہو اور اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی ،جب وہ طلاق دیدے یا وفات پا جائے بیوی مرجائے تو اس کی بہن کے ساتھ، وغیرہ، بے شمار صورتیں بنتی ہیں ان سب کو ”مَاوَرَآئَ ذٰلِکُمْ“ کے عموم میں داخل فرما دیا۔

(۳) بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ،اس کا حکم سورۂ نساء کے شروع میں گذر چکا،قریب کی آیت میں اس کا ذکر نہ دیکھ کر کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو جائے کہ ”مَاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ“ کے عموم میں بغیر کسی پابندی کے عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ نیز بہت سی محرمات وہ ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں ہے اور ان کی طرف آیات میں اشارہ بھی ہے۔

”اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ“ یعنی محرمات کا بیان تمہارے لئے اس لئے کیا گیا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو اور ان کو اپنے نکاح میں لاؤ۔

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ نکاح مہر سے خالی نہیں ہو سکتا (حتٰی کہ اگر زوجین آپس میں یہ طے کرلیں کہ نکاح بغیر مہر کے ہو گا تب بھی مہر لازم ہو گا،جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے)

دوسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر وہ چیز ہونی چاہئے جس کو مال کہا جا سکے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہونا چاہئے ،ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۶۵،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۱۷۵،۱۷۶،تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۴، فوائد عثمانی ص ۱۰۵،احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۳۸۴،احکام القرآن تھانویؒ)

toobaa-elibrary.blogspot.com

”مُحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ“ یعنی اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں طلب کرو اور یہ سمجھ لو کہ عورتوں کی تلاش عفت عصمت کے لئے ہے جو نکاح کا اہم مقصد ہے اور نکاح کے ذریعہ اس چیز کو حاصل کرو، مال خرچ کر کے زنا کے لئے عورتیں تلاش نہ کرو۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر زنا کار بھی مال خرچ کرتے ہیں، لیکن وہ مال خرچ کرنا بھی حرام ہے، اور اس مال کے ذریعہ جو عورت حاصل کی جائے اس سے استمتاع حلال نہیں ہوتا۔

لفظ ”غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ“ بڑھا کر زنا کی ممانعت فرماتے ہوئے، اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ زنا میں صرف شہوت رانی ”سفح ماء“ پانی بہانا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ اس سے طلب الولد اور بقاء النسل کا ارادہ نہیں ہوتا، مسلمانوں کو پاک دامن رہنے اور تکثیر نسل انسانی کے لئے اپنی قوت کو برمحل خرچ کرنا چاہئے جس کا طریقہ ملک نکاح اور ملک یمین ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۶۵، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۱۸۲، ۱۸۳، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۸۴، تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۴، فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۳۸۸، ۳۸۹)

”فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً“

یعنی نکاح کے بعد جن عورتوں سے نکاح کر لو تو ان کے مہر دیدو، یہ دینا تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے۔

اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہمبستر ہونا اور وطی کرنا مراد ہے اگر محض نکاح ہو جائے اور رخصتی نہ ہو اور شوہر کو استمتاع کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے تو آدھا مہر واجب ہوتا ہے، اور اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے، اس آیت میں خصوصی توجہ دلائی ہے کہ جب کسی عورت سے استمتاع کر لیا تو اس کا مہر دینا ہر طرح سے واجب ہو گیا، اس میں کوتاہی کرنا شریعت اسلامیہ کے خلاف

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے،اور انسانی غیرت کا بھی یہ تقاضٰی ہے کہ جب نکاح کا مقصد حاصل ہوگیا تو بیوی کے حق میں کوتاہی اور ٹال مٹول نہ ہو۔

البتہ شریعت عورت کو یہ حق بھی دیتی ہے کہ مہر اگر معجّل ہے تو مہر کی وصولی تک وہ شوہر کے پاس جانے سے انکار کرسکتی ہے۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۶۵،۳۶۶،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۳۸۴،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۸۵،تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۵،فوائد عثانی ص ۱۰۵،احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۲۳۰،۲۳۱)

”وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ“

یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہوچکی ان کے سواسب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ۔

(۱)اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول دونوں طرف سے ہوجائے۔

(۲)دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔

(۳) تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کیلئے وہ اس کی زوجہ ہوجائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہوگیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے۔

(۴)چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہیکہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ ہو اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب وقبول ہوگیا تو وہ نکاح درست نہ ہوگا زنا سمجھا جائیگا۔

(فوائد عثانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۵،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۱۷۵،۱۷۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی عدم استطاعت کے احکام

”وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِكُمۡ ؕ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ اَهۡلِهِنَّ وَ اٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَیۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَی الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَ اَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (النساء:۲۵)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکیں تو وہ ان مسلمان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کر سکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہو اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے تم سب آپس میں ایک جیسے ہو، لہٰذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر کے انہیں پاک دامن بنایا جائے نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے کوئی (ناجائز) کام کریں اور خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں، پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آ جائیں اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزاء سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر ہی کئے رہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور اللہ بہت

toobaa-elibrary.blogspot.com

بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (توضیح القرآن ج۱، ۲۵۹، ۲۶۰)

تفسیر

"وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا" طول قدرت اور غناء کو کہتے ہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو، یا اس کا سامان میسر نہ ہو، تو مؤمن باندیوں سے نکاح کرسکتا ہے اس سے پتہ چلا کہ جہاں تک ممکن ہو آزاد عورت ہی سے نکاح کرنا چاہئے باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرنا ہی پڑ جائے تو مؤمن باندی تلاش کرے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کی قدرت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرلینا یا کتابیہ باندی سے نکاح کرلینا مکروہ ہے۔

اور حضرت امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کی قدرت ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرنا حرام ہے، اور کتابیہ باندی سے نکاح کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

بہر حال باندی کے نکاح سے بچنا آزاد مرد کے لئے ہر حال میں بہتر ہے، اور اگر مجبوراً کرنا ہو تو مؤمن باندی سے نکاح کریں، وجہ اس کی یہ ہے کہ باندی سے اولاد پیدا ہو وہ اس شخص کی غلام ہوتی ہے جو باندی کا مالک ہے، اور غیر مؤمن باندی سے جو اولاد ہو گی اندیشہ ہے کہ وہ ماں کے ڈھنگ پر غیر دین اختیار کریں، اور اولاد کو غلامی سے بچانے اور مؤمن بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بچوں کی ماں آزاد ہو، اور اگر باندی ہو تو کم از کم مؤمنہ ضرور ہو، تاکہ بچہ کا ایمان محفوظ رہے اسی لئے علماء کرام نے فرمایا ہے کہ کتابی عورت جو آزاد ہو اس سے اگر چہ نکاح کرنا درست ہے لیکن بچنا بہتر ہے، اور اس دور میں تو اس کی اہمیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہت زیادہ ہے، کیونکہ یہود ونصاریٰ کی عورتیں مسلمانوں سے اس لئے نکاح کرتی ہیں کہ خود شوہر کو اور شوہر کی اولاد کو اپنے دین پر لاسکیں۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۳۷۱،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۱۹۹،فوائد عثمانی ص ۱۰۵،
احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۲۳۳،۲۳۵)

باندیوں سے متعلق اہم ہدایت

"فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" یعنی باندیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو، اگر وہ اجازت نہ دیں تو باندیوں سے نکاح درست نہ ہوگا اس لئے کہ باندی کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، یہی حکم غلام کا بھی ہے کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔

پھر فرمایا کہ باندیوں سے نکاح کرو تو ان کے مہر خوبی کے ساتھ ادا کرو یعنی ٹال مٹول نہ کرو اور پورا ادا کردو باندی سمجھ کر اس بارے میں تکلیف نہ دو اس سلسلہ میں امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ مہر باندی کا حق ہے اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ باندی کے مہر میں جو مال ملے اس کا مالک بھی باندی کا مالک ہے۔ (احکام القرآن جصاص ج ۱،ص ۲۰۷)

"مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ" یعنی مؤمن باندیوں سے نکاح کرو اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں، نہ وہ مسافحات ہوں (یعنی علانیہ زنا کرنے والی) اور نہ خفیہ طریقہ پر آشنا رکھنے والی ہوں گو اس جگہ پر باندیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ نکاح کے لئے پاک دامن باندیوں کو تلاش کرو لیکن آزاد عورت جو زانیہ ہو اس کے نکاح سے بچنا بھی افضل اور بہتر ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ حرہ کے ساتھ نکاح کی قدرت نہ تو باندی کے ساتھ نکاح کرو اس سے یہ بھی ثابت ہوا متعہ جائز نہیں، اس لئے کہ اگر متعہ جائز ہوتا تو حرہ کے ساتھ نکاح کے عدم استطاعت کی صورت میں کسی شخص کے لئے آسان ترین صورت متعہ کرنے کی تھی کہ اس میں جنسی خواہش بھی پوری ہو جاتی ہے اور مالی بوجھ بھی نکاح کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۷۲، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۱۱، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۹۴،
فوائد عثمانی ص ۱۰۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱ ص ۴۰۰، ۴۰۱، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۲۹)

باندی کے زنا کی سزاء

”فَاِذَآ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ“

یعنی جب باندیاں نکاح میں آگئیں اوران کے پاک دامن رہنے کا انتظام ہو گیا تو اب اگر زنا کر بیٹھیں تو ان کو اس سزاء سے آدھی سزاء ملے گی جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے اس سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں، غیر شادی شدہ آزاد مرد و عورت سے اگر زنا کا صدور ہو جائے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے لگائے جائیں گے جس کا ذکر سورۂ نور کی دوسری آیت میں ہے اور جو کوئی شادی شدہ مرد و عورت زنا کر لے تو اس کی سزا رجم ہے یعنی پتھروں سے مار مار کر قتل کر دیا جائیگا، چونکہ اس میں تنصیف نہیں ہو سکتی، اس لئے چاروں اماموں کا مذہب یہی ہے کہ غلام یا باندی خواہ شادی شدہ ہوں خواہ کنوارے ہوں اگر ان سے زنا سرزد ہو جائے تو ان کی سزاء پچاس کوڑے ہیں، باندیوں کا حکم تو آیت شریفہ میں مذکور ہے اور بطور دلالت النص غلام کا مسئلہ بھی اسی سے سمجھ میں آ رہا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ" یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جس کو زنا میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

"وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ" یعنی باوجود اندیشہ زنا کے بھی اگر صبر کرلو اور اپنے نفسوں کو پاک دامن رکھ سکو تو یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ باندیوں سے نکاح کرو۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۷۳، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۱۲، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵ ص ۹۵، ۹۶، فوائد عثمانی ص ۱۰۶، احکام القرآن ابن عربی ج ۱ ص ۴۰۴، ۴۰۶)

باندیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے

آیت کے ختم پر فرمایا "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" یعنی باندیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے اگر اس کراہت پر عمل کرلو گے تب بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے اور وہ رحم کرنیوالا ہے کیونکہ اس نے باندیوں سے نکاح کی اجازت دیدی اور اس کو ممنوع قرار نہیں دیا۔

فائدہ

آیت بالا کی تفسیر میں جو غلام و باندی کا ذکر آیا ہے ان سے شرعی غلام و باندی مراد ہیں، جو کافر مرد و عورت جہاد کے موقع پر قید کر لئے جاتے تھے، اور امیر المؤمنین ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا تھا، یہ قیدی غلام باندی بن جاتے تھے، پھر ان کی نسل بھی غلام رہتی تھی (باستثناء بعض صورتوں کے) جن کا تفصیلی ذکر فقہ کی کتابوں میں ہے، جب سے مسلمانوں نے شرعی طور پر جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے اور اپنے جہاد اور صلح و جنگ کا مدار دشمنان دین کے اشاروں پر رکھ دیا ہے اور غیر شرعی اصولوں کے پابند ہو گئے ہیں اس وقت سے غلام اور باندی سے بھی محروم ہو گئے، موجودہ نوکر چاکر اور گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں غلام

toobaa-elibrary.blogspot.com

باندی نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ آزاد ہیں۔

بعض علاقوں میں بچوں کو بیچ دیتے ہیں اور غلام بنا لیتے ہیں، یہ سراسر حرام ہے، اور ایسا کرنے سے یہ غلام باندی نہیں بن جاتے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۷۳، فوائد عثمانی ص ۱۰۶، احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۴۰۷،
احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۳۳)

اپنا مال بھی باطل طریقہ پر خرچ کرنا جائز نہیں

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (النساء: ۲۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق (یعنی غیر مباح طور پر مت کھاؤ (برتو) لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو (بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرائطِ شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں (یہ تو مالی تصرف تھا آگے تصرف نفسی کو فرماتے ہیں) اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو بلا شبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں۔ (بیان القرآن ج ا، ص ۳۴۴)

جس طرح باطل طریقہ سے غیر کا مال کھانا جائز نہیں ہے خود اپنا مال بھی باطل طریقہ سے خرچ کرنا جائز نہیں

آیت کے الفاظ میں "اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ" کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ ہیں (اپنے مال آپس میں) اس میں یہ بات تو باتفاق مفسرین داخل ہے ہی کہ کوئی شخص دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہ کھائے، ابوحیان نے تفسیر بحر محیط میں فرمایا کہ اس کے مفہوم میں یہ بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

داخل ہے کہ کوئی اپنا ہی مال ناجائز طور پر کھائے مثلاً ایسے کاموں میں خرچ کرے جو شرعاً گناہ یا اسراف بے جا ہیں، وہ بھی آیت کے رو سے ممنوع و ناجائز ہے۔

آیت میں ''لَا تَاْكُلُوْٓا'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ ہے (مت کھاؤ) مگر عام محاورہ کے اعتبار سے اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ دوسرے کے مال میں ناحق طور پر کسی قسم کا تصرف نہ کرو خواہ کھانے پینے کا ہو یا اس کو استعمال کرنے کا عرف عام میں کسی کے مال میں تصرف کرنے کو اس کا کھانا ہی بولا جاتا ہے، اگرچہ وہ چیز کھانے کی نہ ہو، لفظ ''باطل'' جس کا ترجمہ ''ناحق'' سے کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور جمہور صحابہؓ کے نزدیک، تمام ان صورتوں پر حاوی ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، جس میں چوری، ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت، اور سود و قمار تمام معاملات فاسدہ داخل ہیں۔ ''بحر محیط''

(تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۹، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۱۵، ۲۱۶)

باطل طریقہ سے مال کھانے کی تفصیل

قرآن کریم نے ایک لفظ ''بِالْبَاطِلِ'' فرما کر تمام ناجائز طریقوں سے حاصل کئے ہوئے مال کو حرام قرار دیا پھر ان ناجائز طریقوں کی تفصیلات رسول کریم ﷺ کے حوالہ فرمائی، آپ ﷺ نے ہر ناجائز معاملہ کی تفصیل بیان فرمادی، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا جو تفصیلات ناجائز خرید و فروخت یا ناجائز اجارہ وغیرہ کی رسول کریم ﷺ کی احادیث میں مذکور ہیں وہ درحقیقت اس قرآنی حکم کی تشریح ہے، اس لئے وہ سب احکام اس حیثیت سے قرآن ہی کے احکام ہیں، احادیث رسول کریم ﷺ میں جتنے احکامِ شرعیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مذکور ہوئے ہیں، سب کا عام طور پر یہی حال ہے کہ وہ کسی نہ کسی قرآنی اشارہ کی تشریح ہوتی ہے، خواہ ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو کہ یہ فلاں آیت کی تشریح ہے۔

آیت کے پہلے جملہ میں ناحق اور ناجائز طریقوں سے کسی کے مال میں تصرف کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، دوسرے جملہ میں جائز طریقوں کو حرمت سے مستثنیٰ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" یعنی دوسروں کا وہ مال حرام نہیں جو بذریعہ تجارت باہمی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو۔

جائز طریقے اگرچہ تجارت کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً عاریت ، ہبہ، صدقہ، میراث، لیکن عام طور پر ایک شخص کا مال دوسرے کے تصرف میں آنے کی معروف وجاری صورت تجارت ہی ہے۔

پھر تجارت کے معنیٰ عام طور پر صرف بیع وشراء کے لئے جاتے ہیں، مگر تفسیر مظہری میں اجارہ یعنی ملازمت ومزدوری اور کرایہ کے معاملات کو بھی تجارت میں داخل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ بیع میں تو مال کے بدلہ میں مال حاصل کیا جاتا ہے، اور اجارہ میں محنت وخدمت کے بدلہ میں مال حاصل ہوتا ہے، لفظ تجارت ان دونوں کو حاوی ہے۔

مضمونِ آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کا مال ناحق کھانا حرام ہے، لیکن اگر رضامندی کے ساتھ یعنی بیع وشراء یا ملازمت ومزدوری کا معاملہ ہو جائے تو اس طرح دوسرے کا مال حاصل کرنا اور اس میں مالکانہ تصرفات کرنا جائز ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۷۸، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۱۷، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۹۹، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۶ تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۹، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۰۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعمالِ صالحہ صغائر کا کفارہ ہو جاتے ہیں

"اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا" (النساء: ۳۱)

ترجمہ: جن کاموں سے تم کو (شرع میں) منع کیا جاتا ہے (یعنی گناہ کے کام) ان میں جو بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ ہیں) اگر تم ان سے بچتے رہو تو اس بچنے پر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمال حسنہ کے کرنے سے جبکہ وہ مقبول ہو جاویں) ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے جھوٹے گناہ جو کہ (دوزخ میں لے جا سکتے ہیں) تم سے دور (یعنی معاف) فرما دینگے، پس دوزخ سے محفوظ رہو گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ (یعنی بہشت) میں داخل کر دیں گے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۴۶)

تفسیر

کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال صالحہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بے باق کر دیں گے اور بجائے عذاب کے ثواب اور بجائے جہنم کے جنت نصیب ہوگی۔

جیسے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو ہر عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ ہو گیا، چہرہ دھویا، آنکھ، کان، ناک وغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو گیا کلی کر لی تو زبان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، پاؤں دھوئے تو پاؤں کے گناہ دھل گئے، پھر جب وہ مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۸۳، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۶، احکام القرآن قرطبی ج ۳ جزء ۵، ص ۱۰۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

امور اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تمنا کرنے کے احکام

”وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا“

(النساء:۳۲)

ترجمہ: اور تم (سب مردوں اور عورتوں حکم ہوتا ہے کہ فضائل وہبیہ میں سے) ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (مثلاً مردوں کو) بعضوں پر (مثلاً عورتوں پر بلا دخل ان کے کسی عمل کے) فوقیت بخشی (جیسے مرد کا ہونا یا مردوں کا دونا حصہ ہونا یا ان کی شہادت کا کامل ہونا وغیرہ ذالک کیونکہ) مردوں کے لئے ان کے اعمال (کے ثواب) کا حصہ (آخرت) میں ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال (کے ثواب) کا حصہ (آخرت میں) ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست یعنی دعا کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

(بیان القرآن ج ا،ص ۳۴۷)

تفسیر

آیت میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں، وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسرے سے مال ودولت آرام وعیش، حسن وخوبی، علم وفضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضا کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کے سعی وعمل کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

کوئی دخل نہیں وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا یا کسی اعلیٰ خاندانِ نبوت میں یا خاندانِ حکومت میں پیدا ہونا، یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے یا خاندانی سید بن جائیں اس کا ناک نقشہ قدوقامت حسین ہو جائے تو یہ اس کی قدرت میں نہیں نہ کسی دواء اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کرسکتا ہے، اور جب دوسروں کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھین جائے تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائے اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرمناک اور مضر خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات قتل وغارت گیری کا سبب ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

”وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ“

یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت ومصلحت جو کمالات وفضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں کسی کو کوئی وصف دیدیا کسی کو کوئی کسی کو کم کسی کو زیادہ اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہیئے دوسرے کے فضائل وکمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہیئے کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج وغم اور حسد کے گناہ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنادیا وہ اس پر شکر ادا کرے جس کو عورت بنادیا وہ اس پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہو جاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرسکتی اور گناہگار ہو جاتی، جس کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اس میں خیر مقدر ہوگی، اگر

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجھے حسن جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتا، جو شخص نسب کے اعتبار سے سید ،ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے کیونکہ یہ چیز کسی کو کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں ہے اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلاء کر دے گی اور بجز رنج وغم کے کچھ حاصل نہ ہوگا، بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمال صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیاتِ قرآنی اور ارشادات نبویؐ میں مسابقت فی الخیرات یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی اور جدوجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ ان اعمال وافعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہے اور کسب واکتساب سے حاصل ہو سکتے ہیں، مثلاً علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات کسی کے دیکھ کر ان کو حاصل کرنے کی جدوجہد مستحسن وپسندیدہ عمل ہے، یہ آیت اس کے، منافی نہیں بلکہ آیت کا آخری حصہ اس کی تائید کر رہا ہے۔

جس میں ارشاد ہے:

”لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ“

یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔

اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ فضائل وکمالات کی تحصیل میں کسب واکتساب اور جدوجہد بے کار نہیں بلکہ ہر مرد وعورت کو اس کی سعی وعمل کا حصہ ضرور ملے گا۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کے علمی، عملی، اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا اور پھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمنا پوری کرنے کے لئے سعی وعمل اور جد وجہد کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔

یہاں ایک مغالطہ بھی رفع ہو گیا جس میں بہت سے ناواقف مبتلا ہوا کرتے ہیں بعض کو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش وآرام وسکون واطمینان کو دنیا ہی میں برباد کر لیتے ہیں اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برد بار ہوئی، کیونکہ حسد کے گناہ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

اور بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی کم ہمتی بلکہ بے غیرتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عملی پر پردہ ڈالنے کے لئے قسمت اور تقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا کہ جو کمالات وفضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب وعمل مؤثر نہیں ہے جیسے کسی کا اعلیٰ نسب یا حسین وخوبصورت پیدا ہونا وغیرہ ایسے فضائل کو تو حوالہ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے اسی پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور نقد رنج وغم ہے۔

اور جو فضائل وکمالات اختیاری ہیں جو کسب وعمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وعمل اور جد وجہد بھی ہو اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی وعمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی بلکہ ہر ایک کو بقدر محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۹۱، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۷، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۲۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۰۶، ۱۰۷، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۱۲، احکام القرآن تھانوی ج ۲، ص ۲۵۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

فضل خداوندی کے طلب کرنے کی ہدایت

"وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ"

اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی مال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں کرنا یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کی درخواست کرو، کیونکہ فضل خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال ودولت فضل الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہوجائے تو گناہ وکفر میں مبتلاء ہوجائے، اور کسی کے لئے تنگی اور تنگدستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مالدار ہوجائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہوجائے، اسی طرح کسی کی عزت وجاہ کی صورت میں فضل خداوندی ہوتا ہے کسی کے لئے گمنامی اور کسمپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقتِ حال پر نظر کرے تو معلوم ہوجائے کہ اگر اس کو عزت وجاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصفِ معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو، تاکہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۹۲، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۳۰، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۰۷)

تقسیم خداوندی عین عدل وانصاف وحکمت کے مطابق ہے

"اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا"

آخری آیت میں فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا" یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والا ہے، اس میں اشارہ فرمادیا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عین حکمت اور عین عدل وانصاف ہے، جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت وعدل تھا، مگر چونکہ انسان کو اپنے اعمال کے عواقب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے۔

آیت مذکورہ کی شانِ نزول میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جب میراث میں مردوں کا دوہرا حصہ مقرر ہوا تو بعض عورتوں نے یہ تمنا کی کہ ہم مرد ہوتے تو ہمیں بھی دوہرا حصہ ملتا، اس کے مناسب دوسری آیت میراث کے قانون کا اعادہ اس انداز سے کردیا گیا کہ اس میں جو کچھ حصے مقرر کئے گئے ہیں وہ عین حکمت اور مطابق عدل ہیں، انسانی عقل چونکہ تمام عالم کے مصالح ومفاسد کا احاطہ نہیں کرسکتی، اس لئے وہ ان حکمتوں کو بھی نہیں پہنچ سکتی، جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون میں ملحوظ ہیں، اس لئے جو حصہ کسی کے لئے مقرر کردیا گیا ہے اس کو اسی پر راضی رہنا اور شکر گذار ہونا چاہیئے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۹۲، ۳۹۳، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۳۰، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ۴۱۳)

مرد حاکم اور نگران ہے عورتوں پر

”اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء: ۳۴)

ترجمہ: مرد عورتوں کے نگران ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں چنانچہ نیک عورتیں فرمابردار ہوتی ہیں مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کی حقوق کی) حفاظت کرتی ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کاروائی کا راستہ تلاش نہ کرو۔یقین رکھو کہ اللہ سب کے اوپر سب سے بڑا ہے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ا ص ۲۶۳، ۲۶۴)

تفسیر

پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ مرد اور عورتوں کے حقوق کی پوری رعایت فرمائی گئی اگر رعایت حقوق میں فرق ہوتا تو عورتوں کو شکایت کا موقع ہوتا، اب اس آیت میں مرد اور عورت کے درجہ کو بتلاتے ہیں۔

کہ مرد کا درجہ بڑھا ہوا ہے عورت کے درجہ سے اس لئے فرق مدارج کے باعث جو احکام میں فرق ہوگا وہ سراسر حکمت اور قابل رعایت ہوگا اس میں عورت اور مرد بقاعدۂ حکمت ہرگز برابر نہیں ہو سکتے عورتوں کو اس کی خواہش کرنا بالکل بے جا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے حاکم اور نگران حال بنایا دو وجہ سے

اول: بڑی اور وہبی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصل سے بعضوں کو بعضوں پر یعنی مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں کہ جن دونوں پر کمالات کا مدار فضیلت اور بڑائی عطا فرمائی جس کی تشریح احادیث میں موجود ہے۔

دوم: دوسری وجہ جو کسبی ہے یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور مہر اور خوراک اور پوشاک جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی حکم برداری کرنا چاہئے۔

فائدہ

ایک صحابیہؓ نے اپنے خاوند کی نافرمانی بہت کی آخر کو مرد نے ایک طمانچہ مارا عورت نے اپنے باپ سے فریاد کی عورت کے باپ نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آکر احوال ظاہر کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ خاوند سے بدلہ لیوے اتنے میں یہ آیت اتری اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا اور اللہ نے کچھ اور چاہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا وہی خیر ہے۔

(فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۸، تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۱، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۳۶، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۱۰، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۱۶، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۵۸)

نافرمان بیوی کے اصلاح کے طریقے

”اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا“ (النساء: ۳۴)

اس کے بعد ان عورتوں کا ذکر ہے جو اپنے شوہروں کی فرمابردار نہیں یا جن سے اس کام میں کوتاہی ہوتی ہے، قرآن کریم نے ان کی اصلاح کے لئے مردوں کو علی الترتیب تین طریقے بتلائیں

”وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ“

toobaa-elibrary.blogspot.com

یعنی عورتوں کی طرف سے اگر نافرمانی کا صدور یا اندیشہ ہو تو۔

(۱) پہلا درجہ

ان کی اصلاح کا یہ ہے کہ نرمی سے ان کو سمجھاؤ اور اگر وہ محض سمجھانے بجھانے سے باز نہ آئیں تو۔

(۲) دوسرا درجہ

یہ ہے کہ ان کا بستر اپنے بستر سے علاحدہ کردو تا کہ وہ اس علاحدگی سے شوہر کی ناراضی کا احساس کر کے اپنے فعل پر نادم ہوجائیں قرآن کریم کے الفاظ میں ’’فِی الْمَضَاجِع‘‘ کا لفظ ہے اس سے فقہاء نے یہ مطلب نکالا کہ جدائی صرف بستر میں ہو، مکان کی جدائی نہ کرے کہ عورت کو مکان میں تنہا چھوڑ دے اس میں ان کو رنج بھی زیادہ ہوگا اور فساد بڑھنے کا اندیشہ بھی اس میں زیادہ ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۳۹۹ تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۲، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۳۷،
احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۱۲، ۱۱۳، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۱۷، ۴۱۸)

(۳) تیسرا درجہ

اور جو اس شریفانہ سزا و تنبیہ سے بھی متأثر نہ ہو پھر اس کو معمولی مارنے کی بھی اجازت ہے جس سے اس کے بدن پر اثر نہ پڑے اور ہڈی ٹوٹنے یا زخم لگنے تک نوبت نہ آئے اور چہرہ پر مارنے کو مطلقاً منع فرمادیا گیا ہے۔

ابتدائی دو سزائیں تو شریفانہ سزائیں ہیں اس لئے انبیاء وصلحاء سے قولاً بھی ان کی اجازت منقول ہے اور اس پر عمل بھی ثابت ہے، مگر تیسری سزا یعنی مار پیٹ کی اگر چہ بدرجہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مجبوری ایک خاص انداز میں مرد کو اجازت دی گئی ،مگر اس کے ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی ارشاد ہے،"ولن یضرب خیارکم"یعنی اچھے مرد یہ مارنے کی سزاء عورتوں کو نہ دیں گے، چنانچہ انبیاء علیہم السلام سے کہیں ایسا عمل منقول نہیں۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۰۰،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندص ۱۰۸،تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۲، احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۲۳۷، احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۱۱۳،احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۴۲۰،روائع البیان ج ۱،ص ۴۴۰،۴۴۱)

جھگڑا اگر طول پکڑ جائے تو دونوں طرف سے برادری کے حکم سے صلح کردی جائے

"وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا"(النساء:۳۵)

ترجمہ:اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے)ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیاں اتفاق پیدا فرمادے گا بیشک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔

(توضیح القرآن ج ۱،ص ۲۶۴)

یہ نظام تو وہ تھا جس کے ذریعہ گھر کا جھگڑا گھر میں ختم ہوجائے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جھگڑا طول پکڑ لیتا ہے خواہ اس وجہ سے کہ عورت کی طبیعت میں تمرد و سرکشی ہو یا اس بنا پر کہ مرد کا تصور اور اس کی طرف سے بے جا تشدد ہو بہرحال اس صورت میں گھر کی بات کا باہر نکلنا تو لازمی ہے لیکن عام عادت کے مطابق تو یہ ہوتا ہے کہ طرفین کے حامی ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں اور الزام لگاتے پھرتے ہیں جس کا نتیجہ جانبین سے اشتعال اور پھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوشخصوں کی لڑائی خاندانی جھگڑے کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

اس دوسری آیت میں قرآن کریم نے اس فساد عظیم کا دروازہ بند کرنے کے لئے حکام وقت فریقین کے اولیاء اور حامیوں کو اور مسلمانوں کی جماعتوں کو خطاب کرکے ایک ایسا پاکیزہ طریقہ بتلایا جس سے فریقین کا اشتعال بھی ختم ہوجائے اور الزام تراشی کے راستے بھی بند ہوجائیں اور ان کے آپس میں مصالحت کی راہ نکل آئے اور گھر کا جھگڑا اگر گھر میں ختم نہیں ہوا تو کم ازکم خاندان ہی میں ختم ہوجائے، عدالت میں مقدمہ کی صورت میں کوچہ وبازار میں یہ جھگڑا نہ چلے۔

وہ یہ کہ ارباب حکومت یا فریقین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی مقتداء جماعت یہ کام کرے کہ ان کے آپس میں مصالحت کرانے کے لئے دو حکم مقرر کریں ایک مرد کے خاندان سے دوسرا عورت کے خاندان سے اور ان دونوں جگہ لفظ حکم سے تعبیر کرکے قرآن کریم نے ان دونوں شخصوں کے ضروری اوصاف کو بھی متعین کردیا کہ ان دونوں میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اس شخص میں ہوسکتی ہے جو ذی علم بھی ہو اور دیانت دار بھی ہو۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ایک حکم مرد کے خاندان کا اور ایک عورت کے خاندان کا مقرر کرکے دونوں میاں بیوی کے پاس بھیجے جائیں، اب وہاں جاکر یہ دونوں کیا کام کریں اور ان کے کیا اختیارات ہیں، قرآن کریم نے اس کو متعین نہیں فرمایا۔

البتہ آخر میں ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا "اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا" یعنی اگر

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ دونوں حکم اصلاح حال اور باہمی مصالحت کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے کام میں امداد فرمادیں گے اور میاں بیوی میں اتفاق پیدا کرادیں گے اس جملہ سے دو باتیں مفہوم ہوئیں۔

اول بات

اول بات یہ کہ مصالحت کرانے والے دونوں حکم اگر نیک نیت ہوں اور دل سے چاہیں کہ باہم صلح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد ہوگی کہ یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور ان کے ذریعہ دونوں میاں بیوی کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اتفاق ومحبت فرمادیں گے۔

اس کے نتیجہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جہاں باہمی مصالحت نہیں ہو پاتی تو دونوں حکمین میں سے کسی جانب اخلاص کے ساتھ صلح جوئی میں کمی ہوئی ہے۔

دوسری بات

دوسری بات اس جملہ سے یہ بھی سمجھی جاتی ہے کہ ان دونوں حکمین کے بھیجنے کا مقصد میاں بیوی میں صلح کرانا ہے، اس سے زیادہ کوئی کام حکمین کے بھیجنے کے مقصد میں شامل نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ فریقین رضامند ہو کر انہیں دونوں حکموں کو اپنا وکیل مختار یا ثالث بنادیں، اور یہ تسلیم کرلیں کہ تم دونوں مل کر جو فیصلہ بھی ہمارے حق میں دو گے ہمیں منظور ہوگا، اس صورت میں یہ دونوں حکم کلی طور پر ان کے معاملہ کے فیصلہ میں مختار ہو جائیں گے، دونوں طلاق پر متفق ہو جائیں تو طلاق ہو جائے گی، دونوں مل کر خلع وغیرہ کی کوئی صورت طے کردیں تو وہی فریقین کو ماننا پڑے گی، سلف میں حسن بصریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی یہی تحقیق ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۰۴، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ص۱۰۸،تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۲،احکام القرآن جصاص ج۲،ص۲۳۸،احکام القرآن ابن عربی ج ۱ ، ص۴۲۶،احکام القرآن تھانویؒ ج۲،ص۲۵۹)

قرآن کریم کی اس تعلیم سے لوگوں کے باہمی جھگڑوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے متعلق ایک نئے باب کا نہایت مفید اضافہ ہوا جس کے ذریعہ عدالت وحکومت تک پہونچنے سے پہلے ہی بہت سے مقدمات اور جھگڑوں کا فیصلہ برادریوں کی پنچایت میں ہوسکتا ہے۔

(معارف القرآن ج۲،ص۴۰۵،احکام القرآن قرطبی ج۳،جزء۵،ص۱۱۵)

دوسرے نزاعات میں بھی حکم کے ذریعہ مصالحت کرائی جائے

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ باہم صلح کرانے کے لئے دو حکموں کے بھیجنے کی تجویز صرف میاں بیوی کے جھگڑوں میں محدود نہیں بلکہ دوسرے نزاعات میں بھی اس سے کام لیا جاسکتا ہے اور لینا چاہئے ،خصوصاً جب کہ جھگڑنے والے آپس میں عزیز رشتہ دار ہوں ،کیونکہ عدالتیں فیصلوں سے وقتی جھگڑا تو ختم ہوجاتا ہے،مگر وہ فیصلے دلوں میں کدورت وعداوت کے جراثیم چھوڑ جاتے ہیں جو بعد میں نہایت ناگوار شکلوں میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کے لئے یہ فرمان جاری فرمادیا تھا کہ

”ردوا القضاء بین ذوی الارحام حتیٰ یصطلحوا فان فصل القضاء یورث الضغائن“(معین الحکام ص ۲۱۴)

ترجمہ:رشتہ داروں کے مقدمات کوانہی میں واپس کردو تاکہ وہ خود برادری کی امداد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں کیونکہ قاضی کا فیصلہ دلوں میں کینہ وعداوت پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔

فقہاءحنفیہ میں سے قاضی علاءالدین طرابلسی نے اپنی کتاب ”معین الحکام“ میں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابن شحنہ نے ''لسان الحکام'' میں اس فرمان فاروقی کو ایسے پنچائیتی فیصلوں کی خاص بنیاد بنایا ہے جن کے ذریعہ فریقین کی رضامندی سے صلح کی کوئی صورت نکالی جائے، اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ فاروقی فرمان میں یہ حکم رشتہ داروں کے باہمی جھگڑوں سے متعلق ہے، مگر اس کی جو علت وحکمت اسی فرمان میں مذکور ہے کہ عدالتی فیصلے دلوں میں کدورت پیدا کر دیا کرتے ہیں، یہ حکمت رشتہ دار اور غیر رشتہ داروں میں عام ہے، کیونکہ باہمی کدورت اور عداوت سے سب ہی مسلمانوں کو بچانا ہے، اس لئے حکام اور قضاۃ کے لئے مناسب یہ ہے کہ مقدمات کی سماعت سے پہلے اس کی کوشش کر لیا کریں کہ کسی صورت سے ان کے آپس میں رضامندی کے ساتھ مصالحت ہو جائے۔

غرض ان دونوں آیتوں میں انسان کی خانگی اور عائلی زندگی کا ایک ایسا جامع اور مکمل نظام ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر اس پر پورا عمل ہو جائے تو دنیا کے اکثر جھگڑے اور جنگ و جدال مٹ جائیں، مرد اور عورتیں سب مطمئن ہو کر اپنی خانگی زندگی کو ایک جنت کی زندگی محسوس کرنے لگیں اور خانگی جھگڑوں سے جو قبائلی اور پھر جماعتی اور ملکی جھگڑے اور جنگیں کھڑی ہو جاتی ہیں، ان سب سے امن ہو جائے۔

آخر میں پھر اس عجیب وغریب قرآنی نظام محکم پر ایک اجمالی نظر ڈالئے، جو اس نے گھریلو جھگڑوں کے ختم کرنے کے لئے دنیا کو دیا ہے۔

(۱) گھر کا جھگڑا گھر ہی میں تدریجی تدبیروں کے ساتھ چکا دیا جائے۔

(۲) یہ صورت ممکن نہ رہے تو حکام یا برادری کے لوگ دو حکموں کے ذریعہ ان میں مصالحت کرا دیں تاکہ گھر میں نہیں تو خاندان ہی کے اندر محدود رہ کر جھگڑا ختم ہو سکے۔

(۳) جب یہ بھی ممکن نہ رہے تو آخر میں معاملہ عدالت تک پہونچے، وہ دونوں کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حالات ومعاملات کی تحقیق کر کے عادلانہ فیصلہ کرے۔

آخر آیت میں "اِنَّ اللہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا" فرما کر دونوں حکموں کو بھی متنبہ فرما دیا کہ تم کوئی بے انصافی یا کج روی کروگے تو تم کو بھی ایک علیم وخبیر سے سابقہ پڑنا ہے اس کو سامنے رکھو۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۰۵، ۴۰۶، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۸۔ احکام القرآن جصاص ج ۲ ص، ۲۴۲)

حقوق کے بیان سے پہلے توحید کے ذکر کی حکمت

"وَاعۡبُدُوا اللہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ وَمَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا"

(النساء: ۳۶)

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی پر، دور والے پڑوسی ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام یا باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو) بیشک اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ۱، ص ۲۶۴، ۲۶۵)

"وَاعۡبُدُوا اللہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا" حقوق کی تفصیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت اور توحید کا مضمون اس طرح ارشاد فرمایا "وَاعۡبُدُوا اللہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا" یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ ٹھیراؤ۔

بیان حقوق سے پہلے مضمون عبادت اور توحید کو ذکر کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں جن

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں سے ایک یہ ہے۔

حکمت الٰہی

ایک حکمت یہ ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کے حقوق کا اہتمام نہ ہو تو اس سے دنیا میں اور کسی کے حقوق کے اہتمام کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے برادری، سوسائٹی کی شرم یا حکومت کے قانون سے بچنے کے لئے ہزاروں راہیں ڈھونڈ لیتا ہے۔

وہ چیز جو انسان کو انسانی حقوق کے احترام پر حاضر و غائب مجبور کرنے والی ہے وہ صرف خوف خدا اور تقویٰ ہے، اور یہ خوف و تقویٰ صرف توحید ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اس لئے مختلف تعلقات اور رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کی یاددہانی مناسب تھی۔

"وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا"

اس کے بعد تمام رشتے داروں اور تعلق والوں میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کا بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے متصل والدین کے حقوق کو بیان فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ کردیا کہ حقیقت اور اصل کے اعتبار سے تو سارے احسانات وانعامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات انسان پر اس کے والدین کے ہیں کیونکہ عام اسباب میں وہی اس کے وجود کا سبب ہیں اور آفرینش سے لیکر اس کے جوان ہونے تک جتنے کٹھن مراحل ہیں ان سب میں بظاہر اسباب ماں باپ ہی اس کے وجود اور پھر اس کے بقاء وارتقاء کے ضامن ہیں اسی لئے قرآن کریم میں دوسرے مواقع میں بھی ماں باپ کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کے متصل بیان فرمایا گیا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

"ان اشکر لی ولوالدیک"

یعنی میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"واذاخذنا میثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الا اللہ وبالوالدین احسانا"

ان دونوں آیتوں میں والدین کے معاملہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو یا ان کی خدمت ادا کرو بلکہ لفظ "احسان" لایا گیا جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت ان کے نفقہ میں اپنا مال خرچ کریں۔

اور یہ بھی داخل ہے کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق جسمانی خدمات انجام دیں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو، کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو، ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی کوئی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو بلکہ ان کو آرام پہونچانے اور خوش رکھنے کے لئے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی ہو جب بھی اولاد کے لئے بدسلوکی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ نے دس وصیتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اگر چہ تمہیں قتل کردیا جائے یا آگ میں جلادیا جائے، دوسری یہ کہ اپنے والدین کی نافرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگر چہ وہ یہ حکم

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیں کہ تم اپنے اہل و مال کو چھوڑ دو'' مسند احمد''

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۰۹، ۴۱۰، تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۳، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۴۲، ۲۴۳، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵ ص ۱۱۹، ۱۲۰، احکام القرآن ابن عربی ج ۱ ص ۴۲۸)

قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید

"وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا" (النساء: ۳۶)

تفسیر

آیت میں والدین کے بعد عام ذوی القربیٰ یعنی تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید آئی ہے۔

قرآن کریم کی ایک جامع اور مشہور آیت میں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اپنے خطبات کے آخر میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا:

"ان اللہ یأمر بالعدل و الاحسان و ایتاء ذی القربیٰ"

یعنی اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں سب کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا جس میں رشتہ داروں کی حسب استطاعت مالی جانی خدمت بھی داخل ہے اور ان سے ملاقات و خبر گیری بھی۔

حضرت سلمان ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ عام مسکینوں فقیروں کو دینے میں تو صرف صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور اگر اپنے ذی رحم رشتہ داروں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو دیا جائے تو اس میں دو ثواب ہیں، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا یعنی رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا'' مسند احمد، نسائی، ترمذی''

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۱۰، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۹، تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۳، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۴۴، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۲۰)

یتیم اور مسکین کا حق

''وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ'' آیتِ مذکورہ میں اول والدین کے حقوق کی تاکید فرمائی پھر عام رشتہ داروں کی۔

تیسرے نمبر میں ارشاد فرمایا ''وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ'' یتیموں اور مساکین کے حقوق کا مفصل بیان اگر چہ شروع سورت میں آچکا ہے مگر اس کی یاددہانی رشتہ داروں کے ضمن میں فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ لاوارث بچوں اور بے کس لوگوں کی امداد، اعانت کو بھی ایسا ہی ضروری سمجھیں جیسا اپنے رشتہ داروں کے لئے کرتے ہیں۔

پڑوسی کا حق

چوتھے نمبر پر ارشاد ہے ''وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی''

اور پانچویں میں ''وَالْجَارِ الْجُنُبِ'' جار کے معنیٰ پڑوسی کے ہیں، اس آیت میں اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک جار ذی القربیٰ دوسرے جار جنب، ان دو قسموں کی تفسیر وتشریح میں صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال ہیں۔

عام مفسرین نے فرمایا کہ ''جارِ ذی القربی'' مراد وہ پڑوسی ہے جو تمہارے مکان کے متصل رہتا ہے اور ''جار جنب'' سے وہ پڑوسی مراد ہے جو تمہارے مکان سے کچھ فاصلہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی" سے وہ شخص مراد ہے جو پڑوسی بھی ہے اور رشتہ دار بھی اس طرح اس میں دو حق جمع ہو گئے، اور "جَارِ جُنُبِ" سے مراد وہ ہے جو صرف پڑوسی ہے رشتہ دار نہیں، اس لئے اس کا درجہ پہلے سے مؤخر رکھا گیا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ "جَارِ ذِی الْقُرْبٰی" وہ پڑوسی ہے جو اسلامی برادری میں داخل اور مسلمان ہے، اور "جار جنب" سے غیر مسلم پڑوسی مراد ہے الفاظ قرآن ان سب معانی کو محتمل ہے اور حقیقت کے اعتبار سے بھی درجہ میں فرق ہو جانا امر معقول ہے، اور معتبر ہے اور پڑوسی کے رشتہ دار یا غیر ہونے کے اعتبار سے بھی اور مسلم اور غیر مسلم ہونے کے اعتبار سے بھی، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پڑوسی خواہ قریب ہو یا بعید رشتہ دار ہو یا غیر مسلم ہو یا مسلم ہو بہر حال اس کا حق ہے بقدر استطاعت کے امداد و اعانت اور خبر گیری لازم ہے۔

البتہ جس کا حق علاوہ پڑوسی کے دوسرا بھی ہے وہ دوسرے پڑوسیوں سے درجہ میں مقدم ہے۔

ایک حدیث میں ہے: خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو واضح فرمادیا ارشاد فرمایا کہ بعض پڑوسی وہ ہیں جن کا صرف ایک حق ہے، بعض وہ ہیں جن کے حق دو ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے تین حق ہیں، ایک حق والا پڑوسی وہ غیر مسلم ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہیں، دو حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلمان بھی ہے، تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہے مسلمان بھی اور رشتہ دار بھی "ابن کثیر"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جبرئیل امین ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت و امداد کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت میں شریک کر دیا جائے گا (بخاری و مسلم)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترمذی اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی محلہ کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ایک پڑوسی کو پیٹ بھر کر کھانا جائز نہیں جبکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۴۱۲، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۰۹، تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۳، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۴۴، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۲۱، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۲۹)

ہمنشیں کا حق

"وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ"

چھٹے نمبر میں ارشاد فرمایا "وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ" اس کے لفظی معنیٰ "ہم پہلو ساتھی" کے ہیں، جس میں رفیق سفر بھی داخل ہے جو ریل میں، جہاز میں، بس میں، گاڑی میں، آپ کے برابر بیٹھا ہو، اور وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی عام مجلس میں آپ کے برابر بیٹھا ہو۔

شریعت اسلام نے جس طرح نزدیک دور کے دائمی پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے اسی طرح اس شخص کا بھی حق صحبت لازم کر دیا جو تھوڑی دیر کے لئے کسی مجلس یا سفر میں آپ کے برابر بیٹھا ہو، جس میں مسلم وغیر مسلم اور رشتہ دار وغیر رشتہ دار سب برابر ہیں، اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ہدایت فرمائی جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول و فعل سے اس کو ایذاء نہ پہنچے کوئی گفتگو ایسی نہ کریں جس سے اس کی دل آزاری ہو، کوئی کام ایسا نہ کریں جس سے اس کو تکلیف ہو۔

مثلاً سگریٹ پی کر اس کا دھواں اس کے منہ کی طرف نہ چھوڑیں، پان کھا کر پیک اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی طرف نہ ڈالیں اس طرح نہ بیٹھیں جس سے اس کی جگہ تنگ ہو جائے۔

قرآن کریم کی اس ہدایت پر لوگ عمل کرنے لگیں تو ریلوے مسافروں کے سارے جھگڑے ختم ہو جائے، ہر شخص اس پر غور کرے کہ مجھے صرف ایک آدمی کی جگہ کا حق ہے اس سے زائد جگہ گھیرنے کا حق نہیں، دوسرا کوئی قریب بیٹھا ہے تو اس ریل میں اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ''صاحب بالجنب'' میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی کام اور کسی پیشہ میں آپ کا شریک ہے، صنعت، مزدوری میں، دفتر کی ملازمت میں، سفر میں، حضر میں، ''روح المعانی''

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۱۳، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۹، تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۳، احکام القرآن جصاص، ج ۲، ص ۲۴۴، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۲۳)

راہ گیر کا حق

''وَابْنِ السَّبِيْل''

ساتویں نمبر میں ارشاد ہے ''وَابْنِ السَّبِيْلِ'' یعنی راہ گیر، اس سے مراد وہ شخص ہے جو دوران سفر، آپ کے پاس آجائے یا آپ کا مہمان ہو جائے، چونکہ اس اجنبی شخص کا کوئی تعلق والا یہاں نہیں ہے، تو قرآن نے اس کے اسلامی، بلکہ انسانی تعلق کی رعایت کر کے اس کا حق بھی آپ پر لازم کر دیا، کہ بقدر وسعت و استطاعت اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۱۳، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۴۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

غلام باندی اور ملازموں کا حق

"وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ"

آٹھویں نمبر میں ارشاد فرمایا "وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ "جس سے مراد مملوک غلام اور باندیاں ہیں ان کا بھی یہ حق لازم کردیا گیا کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کریں، استطاعت کے موافق کھلانے، پلانے، پہنانے میں کوتاہی نہ کریں اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ کام ان پر ڈالیں۔

اگرچہ الفاظ کا صریح مدلول مملوک اور غلام اور باندیاں ہیں لیکن اشتراک علت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کی بنا پر یہ احکام نوکروں او ملازموں پر بھی حاوی ہیں کہ ان کا بھی یہی حق ہے کہ مقررہ تنخواہ اور کھانا وغیرہ دینے میں بخل اور دیر نہ کریں، اوران کی طاقت سے زیادہ ان پر کام نہ ڈالیں۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۱۳، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۹ تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۳،
احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۴۹، ۲۵۰، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۲۴، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۳۱)

حقوق میں کوتاہی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں تکبر ہوتا ہے

آخر آیت میں ارشاد فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا "یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جو متکبر اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے والا ہو، آیت کا آخری جملہ پچھلے تمام ارشادات کا تکملہ ہے کہ پچھلے آٹھ نمبروں میں جن لوگوں کے حقوق کی تاکید آئی ہے، اس میں کوتاہی وہ ہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں تکبر اور فخر وغرور ہے، اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔آمین

(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۱۴،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندص ۱۰۹)

متکبرین کی مذمت کا ذکر

"اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا" (النساء:۳۷)

ترجمہ: ایسے لوگ خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں، اور اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں، اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ذلیل کردینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (توضیح القرآن النساء:۳۷)

تفسیر

"اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ" میں بیان ہے کہ جو لوگ متکبرین ہوتے ہیں وہ حقوقِ واجبہ میں بھی بخل کرتے ہیں، اپنی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتے اور دوسروں کو بھی اپنے قول وعمل سے اس بُری صفت کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

آیت میں بخل کا لفظ آیا جس کا اطلاق عرفِ عام میں حقوق مالیہ کے اندر کوتاہی کرنے پر ہوتا ہے، لیکن آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بخل کا لفظ عام معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے، جو بخل بالمال اور بخل بالعلم دونوں کو شامل ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۱۵،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندص ۱۰۹، احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۲۵۰)

متکبرین کی دوسری صفت ریاکاری

"وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

یَکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَهٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا"(النساء:۳۸)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روزِ آخرت پر اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے تو وہ بدترین ساتھی ہوتا ہے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ۱ ص ۲۶۵)

تفسیر

"وَالَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ" سے متکبرین کی ایک دوسری صفت بتلائی کہ یہ لوگ اللہ کے راستہ میں خود بھی خرچ نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں، البتہ لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے رہتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے اللہ کی رضا اور ثواب آخرت کی نیت سے خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایسے لوگ تو شیطان کے ساتھی ہیں لہٰذا اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کے ساتھی شیطان کا ہوگا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح حقوق واجبہ میں کوتاہی کرنا بخل کرنا، معیوب ہے اسی طرح لوگوں کو دکھانے کے لئے اور بے مقصد مصارف میں خرچ کرنا بھی بہت برا ہے ،وہ لوگ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بلکہ لوگوں کے دکھانے کو نیکی کرتے ہیں ان کا وہ عمل عنداللہ مقبول نہیں ہوتا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۱۶، ۴۱۷، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۰۹، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۵۱)

شراب کی حرمت کے تدریجی احکام کی حکمتیں

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النساء:۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو (نماز جائز نہیں) الا یہ کہ تم مسافر ہو (اور پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجب کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا (اس مٹی سے) مسح کرلو بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ا، ص ۲۶۷)

شراب کی حرمت کے تدریجی احکام کی حکمت

شریعت اسلامیہ کو حق تعالیٰ نے ایک خاص امتیاز یہ دیا ہے کہ اس کے احکام کو سہل اور آسان کردیا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ شراب نوشی عرب کی پرانی عادت تھی، اور پوری قوم اس عادت میں مبتلا تھی، بجز مخصوص حضرات کے جن کی طبیعت ہی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا سلیم بنادیا تھا کہ وہ اس خبیث چیز کے پاس کبھی نہیں گئے، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عادت کسی چیز کی بھی ہو اس کا چھوڑنا انسان پر بڑا مشکل ہوتا ہے، خصوصاً شراب اور نشہ کی عادت تو انسان کی طبیعت پر ایسا قبضہ کرلیتی ہے کہ اس سے نکلنا آدمی اپنے لئے موت سمجھنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شراب نوشی اور نشہ کرنا حرام تھا اور اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس سے بچانا مقصود و مطلوب تھا، مگر یکا یک اس کو حرام کر دیا جاتا تو لوگوں پر اس حکم کی تعمیل سخت مشکل ہو جاتی، اس لئے ابتداً اس پر جزوی پابندی عائد کی گئی، اور اس کے خراب اثرات پر تنبیہ کر کے ذہنوں کو اس کے چھوڑنے پر آمادہ کیا گیا، چنانچہ ابتداً اس آیت میں صرف یہ حکم ہوا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ، جس کا حاصل یہ تھا کہ نماز کے وقت نماز کا ارادہ کرنا تو فرض ہے، اوقات نماز میں شراب استعمال نہ کی جائے، جس سے مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایسی خراب چیز ہے جو انسان کے لئے نماز سے مانع ہے، بہت سے حضرات نے تو اسی وقت سے اس کے چھوڑنے کا اہتمام کر لیا اور دوسرے حضرات بھی اس کی خرابی اور برائی کو سوچنے لگے، آخر کار "سورۂ مائدہ" کی آیت میں شراب کے ناپاک اور حرام ہونے کا قطعی حکم آ گیا اور ہر حال میں شراب پینا حرام ہو گیا۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۲۴، بیان القرآن ج ۱، ص ۳۵۴)

مسئلہ

جس طرح نشہ کی حالت میں نماز حرام ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ ایسا ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں۔

جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے "اذا نعس احد کم فی الصلوٰۃ فلیر قد حتیٰ یذھب عنہ النوم فانہ لا یدری لعلّہ یستغفر فیسب نفسہ (قرطبی)

ترجمہ: اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تا کہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا اور بجائے دعاء واستغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۲۴،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۱۱،تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۵)

تیمم کا حکم ایک مخصوص انعام ہے جو صرف اس امت ہی کو عطا کیا گیا

”وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النساء:۴۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وضو وطہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے،اور ظاہر ہے کہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے ،حدیث میں ہے کہ یہ سہولت صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی ہے۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۲۴،تفسیر ات احمدیہ ص ۱۸۷،احکام القرآن قرطبی ج ۳،جزء ۵،ص ۱۵۰،احکام القرآن ابن عربی ج ۱،ص ۴۴۹)

اپنی مدح سرائی اور عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں

”اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (النساء:۴۹)

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ بتاتے ہیں،حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطاء کرتا ہے اور (اس عطا میں) ان پر ایک تاگے کے برابر

toobaa-elibrary.blogspot.com

بھی ظلم نہیں ہوگا۔ (توضیح القرآن ج ا ص ۲۷۰)

تفسیر

یہود اپنے آپ کو مقدس بتاتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ ذرا ان لوگوں کو دیکھوں جو اپنی پاکی بیان کر رہے ہیں ان پر تعجب کرنا چاہئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنی یا دوسروں کی پاکی بیان کرنا جائز نہیں ہے، یہ ممانعت تین وجہ سے ہے۔

(۱) اپنی مدح کا سبب اکثر کبر ہوتا ہے تو حقیقت میں ممانعت کبر سے ہوئی۔

(۲) یہ کہ خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے کہ تقویٰ وطہارت پر ہوگا یا نہیں، اس لئے اپنے آپ کو مقدس بتلانا خلاف خوف الٰہی ہے

چنانچہ ایک روایت میں حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس وقت چونکہ میرا نام برّہ تھا (جس کے معنیٰ ہیں گناہوں سے پاک) میں نے وہی بتلایا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "لاتزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البر منکم سمّوھا زینب"

(رواہ بحوالہ مشکوٰۃ)

یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے کون پاک ہے، پھر برّہ کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب نام رکھا (مظہری)

(۳) ممانعت کی تیسری وجہ یہ کہ اکثر اوقات اس دعوے سے لوگوں کو یہ وہم ہونے لگتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے یہ آدمی اللہ کے ہاں اس لئے مقبول ہے کہ یہ تمام نقائض اور عیوب سے پاک ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے، کیونکہ بہت سے عیوب بندہ میں موجود ہوتے ہیں۔

(بیان القرآن، معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۲، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۵۸)

مسئلہ

اگر مذکورہ عوارض نہ ہو تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی صفت بیان کرنے کی اجازت ہے۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۳۶۰، معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰، ۴۳۱، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲ ص ۲۸۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۶۰)

ادائے امانت کی تاکید

"اِنَّ اللہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا (النساء: ۵۸)

ترجمہ: مسلمانوں یقینا اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہونچاؤں اور جب لوگوں کے درمیاں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے بے شک اللہ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ (توضیح القرآن ج ۱ ص ۲۷۳)

ادائے امانت کی تاکید

"اِنَّ اللہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا"

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے امانتیں ان کے مستحقین کو پہونچایا کرو اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص امراء و حکام مخاطب ہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی ۔

حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہونچا دے ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادائے امانت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی خطبہ دیا ہو اور اس میں یہ ارشاد نہ فرمایا ہو **"لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له"** یعنی جس میں امانت داری نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں معاہدہ کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔ یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۴۶)

خیانت نفاق کی علامت ہے، بخاری و مسلم میں روایت موجود ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۴۶ ،بیان القرآن ج ا،ص ۳۶۴،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۴،تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۱، احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۲۵۹ ،احکام القرآن تھانوی ج ۲،ص ۲۹۰ ،احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵،ص ۱۶۵، ۱۶۶)

امانت کی اقسام

اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ امانات بصیغۂ جمع استعمال فرمایا، جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے، بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں، جو واقعہ آیت کے نزول کا ابھی ذکر کیا گیا خود اس میں بھی کوئی مالی امانت نہیں ، بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا، بلکہ یہ کنجی خدمتِ بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۴۶، بیان القرآن ج ا،ص ۳۶۴، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۲۹۰)

حکومت کے مناصب اللہ کی امانتیں ہیں

اس جگہ معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی مانتیں ہیں۔جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کریں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدہ کے لئے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے

پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دیدیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔ (جمع الفوائد ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کو سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اور سب مسلمانوں کی آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نا اہل اور نا قابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں اور سارا نظام حکومت برباد ہو جاتا ہے۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

"اذا وسد الامر الیٰ غیر اھلہ فالنتظر الساعة"

یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو، یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۴۷)

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ "امانات" بصیغہ جمع لا کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ امانت صرف اس کا نام نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہو بلکہ امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں حکومت کے عہدے بھی داخل ہیں۔

اور ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "**المجالس بالامانة**" یعنی مجلس امانت داری کے ساتھ ہونی چاہئیں۔

مطلب یہ ہے کہ مجلس میں جو بات کہی جائے وہ اس مجلس کی امانت ان کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے: "**المستشار مؤتمن**" یعنی جس شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے وہ امین ہے، اس پر لازم ہے کہ مشورہ وہی دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے والے کے حق میں مفید اور بہتر ہو، اگر جانتے ہوئے خلاف مشورہ دیا تو امانت میں خیانت کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرتکب ہو گیا، اسی طرح کسی نے آپ سے اپنا راز کہا تو وہ اس کی امانت ہے، بغیر اس کی اجازت کے کسی سے کہہ دینا خیانت ہے آیت مذکورہ میں ان سب امانتوں کا حق ادا کرنے کی تاکید ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۴۷، ۴۴۸، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۶۶)

فیصلہ کرنے والوں کے لئے ہدایت

"وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ"

یعنی جب تم لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو عدل وانصاف کے ساتھ کیا کرو۔

ظاہر ہے کہ اس کا خطاب حکام وامراء کو ہے جو خصومات ومقدمات کا فیصلہ کیا کرتے ہیں، اور اسی کے قرینہ سے بعض حضرات نے پہلے جملہ کا مخاطب بھی حکام وامراء کو قرار دیا ہے، اگر چہ پہلے جملہ کی طرح اس میں بھی گنجائش اس کی موجود ہے کہ حکام وعوام دونوں اس خطاب میں شامل ہوں، کیونکہ عوام میں اکثر فریقین کسی کو ثالث بنا کر فیصلہ کر دیا کرتے ہیں اسی طرح جھگڑوں کا فیصلہ کرنا عوام میں بھی پایا جا سکتا ہے، مگر اس میں شبہ نہیں کہ اول نظر میں ان دونوں جملوں کے مخاطب حکام وامراء ہی معلوم ہوتے ہیں۔

اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے مخاطب اول حکام وامراء ہیں اور ثانیاً یہ خطاب ہر اس شخص کے لئے بھی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں، اور جس کو کسی مقدمہ کا ثالث بنا دیا جائے۔

اس جملہ میں حق تعالیٰ نے "بین الناس" فرمایا، "بین المسلمین" یا "بین المومنین" نہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرمایا،اس میں اشارہ فرمادیا کہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان مساوی ہیں مسلم ہوں یا غیر مسلم اور دوست ہو یا دشمن اپنے ہم وطن ہوں یا ہمرنگ ہم زبان ہوں یا غیر فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ ان سب تعلقات سے الگ ہوکر جو بھی حق وانصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۴۸،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۴،تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۱،احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵،ص ۱۶۷)

عدل وانصاف امنِ عالم کا ضامن ہے

غرض آیت کے پہلے جملہ میں ادائے امانت کا حکم ہے اور دوسرے میں عدل وانصاف کا ان میں ادائے امانات کو مقدم کیا گیا،شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پورے ملک میں عدل وانصاف کا قیام اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا کہ جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار ہے وہ پہلے ادائے امانت کا فریضہ صحیح طور پر ادا کریں یعنی حکومت کے عہدوں پر صرف انہی لوگوں کو مقرر کریں جو صلاحیت کار اور امانت ودیانت کی رو سے اس عہدہ کے لئے،سب سے زیادہ بہتر نظر آئیں،دوستی وتعلقات یا محض سفارش یا رشوت کو اس میں راہ نہ دیں ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ نااہل ناقابل یا خائن اور ظالم لوگ عہدوں پر قابض ہوجائیں گے پھر اگر ارباب اقتدار دل سے بھی چاہیں کہ ملک میں عدل وانصاف کا رواج ہو تو ان کے لئے ناممکن ہوجائے گا،کیونکہ عہدہ دارانِ حکومت ہی حکومت کے ہاتھ پیر ہیں جب یہ خائن یا ناقابل ہوئے تو عدل وانصاف قائم کرنے کی کیا راہ ہے۔

اس آیت میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی قابل ہے کہ اس میں حق جل شانہ نے حکومت کے عہدوں کو بھی امانت قرار دے کر اول تو یہ واضح فرمادیا کہ جس طرح امانت

toobaa-elibrary.blogspot.com

صرف اسی کو ادا کرنا چاہئے جو اس کا مالک ہے کسی فقیر مسکین پر رحم کھا کر کسی کی امانت اس کو دینا جائز نہیں ہے، یا کسی رشتہ دار یا دوست کا حق ادا کرنے کے لئے کسی شخص کی امانت اس کو دینا درست نہیں، اسی طرح حکومت کے عہدے جن کے ساتھ عام خلق خدا تعالیٰ کا کام متعلق ہوتا ہے یہ بھی امانتیں ہیں اور ان امانتوں کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اپنی صلاحیت کار اور قابلیت اور استعداد کے اعتبار سے بھی اس عہدے کے لئے مناسب اور موجودہ لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور دیانت و امانت کے اعتبار سے بھی سب میں بہتر ہوں، ان کے سوا کسی دوسرے کو یہ عہدہ سپرد کر دیا تو یہ امانت ادا نہ ہوئی۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۴۸، ۴۴۹)

دستور مملکت کے چند زرین اصول

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ" اس طرح اس مختصر آیت میں دستور مملکت کے چند بنیادی اصول آگئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اول یہ کہ آیت کے پہلے جملے کو "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ" سے شروع فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اصل امر اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہے سلاطین دنیا سب اس کے مامور ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ملک میں اقتدار اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ حکومت کے عہدے باشندگان ملک کے حقوق نہ جن کو تناسبِ آبادی کے اصول پر تقسیم کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی امانتیں ہیں جو صرف ان کے اہل اور لائق لوگوں کو دیئے جا سکتے ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ زمین پر انسان کی حکمرانی صرف ایک نائب و امین کی حیثیت سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوسکتی ہے وہ ملک کی قانون سازی میں ان اصول کا پابند رہے گا جو حاکم مطلق حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی بتلا دیئے گئے ہیں۔

(۴) چوتھے یہ کہ حکام وامراء کا فرض ہے کہ جب کوئی مقدمہ ان کے پاس آئے تو نسل ووطن اور رنگ وزبان یہاں تک کہ مذہب ومسلک کا امتیاز کئے بغیر عدل وانصاف کا فیصلہ کریں۔

اس آیت میں دستور مملکت کے ذریعہ اصول بتلا کر آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو نصیحت کی ہے وہ بہت ہی اچھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی سنتا ہے اور جو بولنے اور فریاد کرنے پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو، اس کے حالات کو خود دیکھتا ہے، اس لئے اس کے بتلائے اور بنائے ہوئے اصول ہی ایسے ہیں جو ہمیشہ ہر ملک میں اور ہر دور میں قابل عمل ہوسکتے ہیں انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے اصول ودستور صرف اپنے ماحول کے اندر محدود ہوا کرتے ہیں اور تغیر حالات کے بعد ان کا بدلنا ناگریز ہوتا ہے جس طرح پہلی آیت کے مخاطب حکام وامراء تھے۔

دوسری آیت میں عوام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ:

اے ایمان والو! تم اللہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۴۹، ۴۵۰)

”اُولی الاَمر“ کون لوگ ہیں؟

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُواالرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلاً (النساء: ۵۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہو ان کی بھی، پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو، یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔

(توضیح القرآن ج ۱، ص ۲۷۳)

تفسیر

"اُولِی الْاَمْرِ" لغت میں ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا نظام وانتظام ہو، اسی لئے حضرت ابن عباس ؓ، مجاہد اور حسن بصری ؒ وغیرہ مفسرین قرآن نے "اُولِی الْاَمْرِ" کے مصداق علماء وفقہاء کو قرار دیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں اور نظامِ دین ان کے ہاتھ میں ہے۔

اور ایک جماعت مفسرین نے جن میں حضرت ابوھریرہ ؓ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ "اُولِی الْاَمْرِ" سے مراد حکام اور امراء ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ لفظ دونوں طبقوں کو شامل ہے، یعنی علماء کو بھی اور حکام وامراء کو بھی کیونکہ نظام امر، انہی دونوں کے ساتھ وابستہ ہے اس آیت میں ظاہراً تین کی اطاعتوں کا حکم ہے، اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اولی الامر، لیکن قرآن کی دوسری آیات نے واضح فرمادیا کہ حکم واطاعت دراصل صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ہے، "اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ" مگر اس کے حکم اور اس کی اطاعت کی عملی صورت چار حصوں میں منقسم ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکم اور اطاعت کی تین عملی صورتیں

(۱) ایک وہ جس چیز کا حکم صراحۃً خود حق تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرما دیا اور اس میں کسی تفصیل وتشریح کی حاجت نہیں جیسے شرک وکفر کا انتہائی جرم ہونا، ایک اللہ وحدہٗ کی عبادت کرنا، اور آخرت اور قیامت پر یقین رکھنا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا آخری برحق رسول ماننا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کو فرض سمجھنا، یہ وہ چیزیں ہیں جو براہِ راست احکام ربانی ہیں اور ان میں تعمیل بلا واسطہ حق تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(۲) دوسرا حصہ احکام کا وہ ہے جس میں تفصیلات وتشریحات کی ضرورت ہے، ان میں قرآن اکثر ایک مجمل یا مبہم حکم دیتا ہے اور اس کی تشریح وتفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کی جاتی ہے پھر وہ تفصیل وتشریح جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی احادیث کے ذریعہ فرماتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی وحی ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۴۵۰، ۴۵۱، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۱۴، تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۲، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۶۴، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۹۱، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۶۷، ۱۶۸)

(۳) تیسرا درجہ احکام کا وہ ہے جو نہ قرآن میں صراحۃً مذکور ہے نہ حدیث میں یا ذخیرۂ احادیث میں اس کے متعلق متضاد روایات ملتی ہیں، ایسے احکام میں علماء مجتہدین قرآن وسنت کے منصوصات اور زیر غور مسئلہ کے نظائر میں غور وفکر کر کے ان کا حکم تلاش کرتے ہیں ان احکام کی اطاعت بھی اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے قرآن وسنت سے مستفاد ہونے کی وجہ سے اطاعت خداوندی ہی کی ایک فرد ہیں، مگر ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ فقہی فتاویٰ کہلاتے ہیں، اور علماء کی طرف منسوب ہیں۔

اسی تیسری قسم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں کتاب وسنت کی رو سے کوئی پابندی عائد

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں، بلکہ ان میں عمل کرنے والوں کو اختیار ہے جس طرح چاہیں کریں جن کو اصطلاح میں مباحات کہا جاتا ہے،ایسے احکام میں عملی انتظام حکام وامراء کے سپرد ہے کہ حالات اور مصالح کے پیش نظر کوئی قانون بنا کر سب کو اس پر چلائیں،مثلاً شہر کراچی میں ڈاک خانے پچاس ہوں، یا سو، پولس اسٹیشن کتنے ہوں، ریلوے کا نظام کس طرح ہو، آباد کاری کا انتظام کن قواعد پر کیا جائے، یہ سب مباحات ہیں، ان کی کوئی جانب نہ واجب ہے نہ حرام بلکہ اختیاری ہے،لیکن یہ اختیار عوام کو دیدیا جائے تو کوئی نظام نہیں چل سکتا، اسلئے نظام کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔

آیت مذکورہ میں ”اولو الامر“ کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے،اس لئے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اطاعت واجب ہوگی۔

یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ جل شانہ کے احکام ہی کی اطاعت ہے،لیکن ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ احکام نہ قرآن میں ہیں نہ سنت میں، بلکہ ان کا بیان یا علماء کی طرف سے ہو یا حکام کی طرف سے،اس لئے اس اطاعت کو تیسرا نمبر جداگانہ قرار دے کر ”اولو الامر“ کی اطاعت نام رکھا گیا،اور جس طرح منصوصات قرآن میں قرآن کا اتباع اور منصوصاتِ رسول ﷺ میں رسول ﷺ کا اتباع لازم وواجب ہے،اسی طرح غیر منصوص فقہی چیز وں میں فقہاء کا اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اتباع واجب ہے،یہی مفہوم ہے اطاعت اولی الامر کا۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۵۰ تا ۴۵۲ ،تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۲)۔تفسیر ابن کثیر اردو ۔ج ا رص، ۵۴۔پ ۵ سورہ نساء آیت ۵۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلافِ شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں

وَاِذَا حَكَمتُم بَينَ النَّاسِ اَن تَحكُمُوا بِالعَدلِ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگرتم لوگوں کے درمیان فیصلہ کروتو عدل کے ساتھ کرو۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو آدمی عدل وانصاف کو قائم رکھنے کی طاقت اور صلاحیت نہ رکھتا ہوتو اس کو قاضی بھی نہیں بننا چاہیئے، کیونکہ حکم بالعدل بھی ایک امانت ہے۔جس کی حفاظت کمزور اور نااہل آدمی نہیں کرسکتا۔چنانچہ جب حضرت ابوذرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ مجھے کسی جگہ کا حاکم مقرر فرمالیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد "یا اَبَاذَر اِنَّک ضَعِیفٌ وَاِنَّھا اَمَانَۃ" و انها يوم القيامة خزى "و ندامة" الامن اخذ بحقها و ادى الذى عليه فيها۔

ترجمہ۔اے ابوذر آپ ضعیف آدمی ہیں،اور منصب ایک امانت ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن انتہائی ذلت اور رسوائی ہوگی سوائے اس شخص کے جس نے امانت کا حق پورا کردیا ہو،یعنی وہ ذلت سے بچ جائے گا۔(معارف القرآن ج۲،ص ۴۵۲، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۱۴،احکام القرآن جصاص ج۲،ص ۲۶۵،احکام القرآن تھانویؒ ج۲،ص ۲۹۲،احکام القرآن قرطبی ج۳، جزء۵،ص ۱۶۸)

اجتہاد وقیاس کا ثبوت

قولہ تعالیٰ: "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگرتمہارا کسی امر کے بارے میں اختلاف ہوجائے توتم اللہ اور رسول کی جانب رجوع کرو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کتاب وسنت کے احکام منصوصہ کی جانب رجوع کیا جائے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر احکام منصوصہ موجود نہیں ہیں تو ان کے نظائر پر قیاس کر کے رجوع کیا جائے گا۔ "فَرُدُّوْهُ" کے الفاظ عام ہیں جو دونوں صورتوں کو شامل ہیں۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۵۳، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۴، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۶۵، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۵۲، ۴۵۴)

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے فرمایا کہ آیت "لعلمه الذين يستنبطونه منهم" غیر منصوص علیہ احکام میں قیاس اور اجتہاد ورائے کے واجب اور لازم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

"وفی هذه الأية دلالة علیٰ وجوب القول بالقياس و اجتهاد الرأی فی احکام الحوادث وذلک لانه امر برد الحوادث الی الرسول ﷺ فی حیاته اذا کانوا بحضرته والی العلماء بعد وفاته والغيبة عن حضرته وهذا لامحالة فيما لانص فيه لان المنصوص عليه لايحتاج الی استنباطه فثبت بذالک ان من احکام الله ماهو منصوص عليه ومنها ماهو مودّع فی النص قد کلفنا الوصول الیٰ علمه بالاستدلال عليه واستنباطه"

(احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۷۰، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۲۹۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے

"فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (النساء: ٦٥)

ترجمہ: نہیں (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔

(توضیح القرآن ج ا، ص ۲۷۶)

تفسیر

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور علو مرتبت کے اظہار کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت جو بے شمار آیات قرآنیہ سے ثابت ہے اس کی واضح تشریح بیان فرمائی ہے۔

اس آیت میں قسم کھا کر حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن یا مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے کہ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۴۶۱، مستفاد بیان القرآن ج ا، ص ۳۶۹۔ احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۶۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت رسول خود امت کے حاکم اور پیش آنے والے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ کسی کے حکم بنانے پر موقوف نہیں، پھر اس آیت میں مسلمانوں کو حکم بنانے کی تلقین اس لئے فرمائی گئی ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ حاکم اور اس کے فیصلہ پر تو بہت سے لوگوں کو اطمینان نہیں ہوا کرتا جیسا کہ اپنے مقرر کردہ ثالث یا حَکَم پر ہوتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف حاکم نہیں بلکہ رسول معصوم بھی ہیں، رحمۃ اللعالمین بھی ہیں امت کے شفیق اور مہربان باپ بھی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لئے تعلیم یہ دی گئی کہ جب بھی کسی معاملہ میں یا کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو فریقین کا فرض ہے کہ رسول کریم ﷺ کو حکم بنا کر اس کا فیصلہ کرائیں اور پھر آپ کے فیصلہ کو دل جان سے تسلیم کر کے عمل کریں۔(معارف القرآن ج ۲،ص ۴۶۱،مستفاد بیان القرآن ج ۱ ص ۳۶۹،فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندص ۱۱۴،۱۱۵،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۲۶۸)

اختلافات میں آپ ﷺ کو حکم بنانا آپ ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارشاد قرآن پر عمل آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپ کا ہی فیصلہ ہے، اس لئے یہ حکم قیامت تک اس طرح جاری ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں خود بلا واسطہ آپ ﷺ سے رجوع کیا جائے اور آپ ﷺ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع ہے۔

(معارف القرآن،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۲۶۵)

چند اہم مسائل۔۔۔ (۱)اول

یہ کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو اپنے ہر جھگڑے اور ہر مقدمہ میں رسول کریم ﷺ کے فیصلہ پر مطمئن نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جو آنحضرت ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور پھر معاملہ کو حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا، اس مقتول کے اولیاء نے رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں حضرت عمرؓ پر دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلا وجہ قتل کر دیا، جب یہ استغاثہ آنحضرت ﷺ کی خدمت

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ہوا تو بے ساختہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا ”ما کنت اظن ان عمر یجترء علی قتل رجل مؤمن“ یعنی مجھے یہ گمان نہ تھا کہ عمر کسی مرد مؤمن کے قتل کی جرأت کریں گے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ حاکم اعلیٰ کے پاس اگر کسی ماتحت حاکم کے فیصلہ کی اپیل کی جائے تو اس کو اپنے حاکم ماتحت کی جانب داری کے بجائے انصاف کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔

جیسا کہ اس واقعہ میں آیت نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر اظہار ناراضی فرمایا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو حقیقت کھل گئی کہ اس آیت کی رو سے وہ شخص مؤمن نہیں تھا۔

(۲) دوسرا مسئلہ

اس آیت سے یہ نکلا کہ لفظ ”فِيمَا شَجَرَ“ صرف معاملات و حقوق کے ساتھ متعلق نہیں عقائد اور نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔ (بحر محیط)

اسی لئے ہر مسلمان کا فرض ہے جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

(۳) تیسرا مسئلہ

یہ معلوم ہوا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعف ایمان کی علامت ہے مثلاً جہاں شریعت نے تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی وہاں تیمم کرنے پر جس شخص کا دل راضی نہ ہو وہ اس کو تقویٰ نہ سمجھے بلکہ اپنے دل کا روگ سمجھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی متقی نہیں ہوسکتا جس

toobaa-elibrary.blogspot.com

صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت دی اور خود بیٹھ کر ادا فرمائی اگر کسی شخص کا دل اس پر راضی نہ ہو اور نا قابل برداشت محنت و مشقت اٹھا کر کھڑے ہی ہو کر نماز ادا کرے تو وہ سمجھ لے کہ اس کے دل میں روگ ہے، ہاں معمولی ضرورت یا تکلیف کے وقت اگر رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم کے مطابق درست ہے۔

مگر مطلقاً شرعی رخصتوں سے تنگدلی محسوس کرنا کوئی تقویٰ نہیں اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ تعالیٰ یحب ان تؤتیٰ رخصته کما یحب ان تؤتیٰ عزائمه" یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنے سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنے کو بھی پسند فرماتے ہیں۔

عام عبادات واذکار واوراد، درود، تسبیح میں سب سے بہتر طریقہ وہی ہے جو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا معمول رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کے صحابہ کرامؓ کا جس پر عمل رہا، مسلمانوں کا فرض ہے کہ حدیث کی مستند روایات سے اس کو معلوم کر کے اسی کو اپنا لائحہ عمل بنائیں۔(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۱، ۴۶۲، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۴، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۶۶، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۷۲)

ظاہری اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا

(النساء: ۷۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! (دشمن سے مقابلہ کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو پھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد کے لئے) نکلو یا سب لوگ اکھٹے ہو کر نکل جاؤ۔
(توضیح القرآن ج ۱،ص ۲۷۷)

تفسیر

اس آیت کے پہلے حصہ میں جہاد کرنے کے لئے اسلحہ کی فراہمی کا حکم دیا گیا اور دوسرے حصہ میں اقدام جہاد کا، اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی جس کو متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے کہ ظاہری اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہاں اسلحہ کی فراہمی کا حکم تو دے دیا گیا لیکن یہ وعدہ نہیں کیا گیا کہ اس کی وجہ سے تم یقیناً ضرور محفوظ ہی رہو گے اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا گیا کہ اسباب کا اختیار کرنا صرف اطمینان قلبی کے لئے ہوتا ہے ورنہ ان میں فی نفسہ نفع ونقصان کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

جیسے ارشاد ہے: ''قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا'' یعنی اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ ہم کو کوئی تکلیف نہیں پہونچے گی مگر وہی جو ہمارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔

(۱) اس آیت میں پہلے تو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا گیا اس کے بعد اس کے لئے نکلنے کا نظم بتلا دیا گیا، جس کے لئے دو جملے ذکر کئے گئے یعنی ''فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا'' ثبات، ''ثُبَۃٌ'' کی جمع ہے جس کے معنیٰ چھوٹی سی جماعت کے ہیں، جس کو فوجی دستہ (سَرِیَّہ) کہتے ہیں، یعنی اگر تم جہاد کے لئے نکلو تو اکیلے اور تنہا نہ نکلو بلکہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں نکلو یا ایک کثیر ''جمعا'' لشکر کی صورت میں جاؤ کیونکہ اکیلے لڑنے کے لئے جانے میں نقصان کا قوی احتمال ہوتا ہے اور دشمن اپنے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھا لیتا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ تعلیم تو جہاد کے موقع کے لئے مسلمانوں کو دی گئی ہے لیکن عام حالات میں بھی شریعت کی بھی تعلیم ہے کہ اکیلے سفر نہ کیا جائے، چنانچہ ایک حدیث میں تنہا مسافر کو ایک شیطان کہا گیا ہے اور دو مسافر کو دو شیطان اور تین کو جماعت فرمایا گیا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۷۴، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۶ تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۳،
احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۱، ص ۴۵۸، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۷۶، ۱۷۷)

حضرت تھانویؒ نے اس آیت کے ماتحت فرمایا کہ: یہاں دو حکم فرمائے ہیں۔

(۱) سامان بچاؤ کا کرنا۔

(۲) اور جہاد کرنا۔

اور مقصود اصلی مقام کا دوسرا حکم ہے جو انفراد کا بطور کنایہ کے مدلول ہے کہ حکم اول کو تقدیم اور تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا رحمت و شفقت الٰہیہ پر دلیل ہے کہ حفاظت کا زیادہ اہتمام فرمایا۔

(بیان القرآن ج ۱، ص ۳۷۲)

منافقین ومخالفین کے ساتھ معاملات سے متعلق ہدایت

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ وَاللهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ وَكَفٰى بِاللهِ وَكِيْلًا (النساء: ۸۱)

ترجمہ: اور (یہ منافق لوگ سامنے تو) اطاعت کا نام لیتے ہیں، مگر یہ تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کے وقت تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے اور یہ رات کے وقت جو مشورہ کرتے ہیں اللہ وہ سب لکھ رہا ہے، لہٰذا تم ان کی پرواہ مت کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے۔

(توضیح القرآن ج ۱، ص ۲۸۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دورُخی پالیسی رکھتے ہیں، زبان سے کچھ کہتے ہیں دل میں کچھ ہوتا ہے، اس کے بعد ایسے لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کے متعلق ایک خاص ہدایت ہے۔

پیشوا کے لئے ایک اہم ہدایت

"فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا"

جب منافقین آپ کے سامنے آتے تھے تو کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کا حکم قبول کیا اور جب واپس جاتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرنے کے لئے مشورے کرتے اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت کوفت ہوتی اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت دی کہ ان کی پرواہ نہ کیجئے آپ اپنا کام اللہ کے بھروسہ پر کرتے رہیں کیونکہ وہ آپ کے لئے کافی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص لوگوں کا پیشوا اور رہنما ہو اس کو طرح طرح کی دشواریوں سے گذرنا پڑتا ہے لوگ طرح طرح کے الٹے سیدھے الزامات اس کے سر ڈالیں گے، دوستی کے روپ میں دشمن بھی ہوں گے، ان سب چیزوں کے باوجود اس رہنما کو عزم واستقلال کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر اپنے کام سے لگن ہونی چاہئے، اگر اس کا رخ اور نصب العین صحیح ہوگا تو انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوگا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۸۷،۴۸۸، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۸، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۸۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تدبر قرآن کی دعوت

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا

(النساء:۸۲)

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور فکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ۱، ص ۲۸۲)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ قرآن میں غور وفکر کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اس میں چند چیزیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ" فرمایا "افلا یقراءون" نہیں فرمایا، اس سے بظاہر ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے یہ بات سمجھائی جارہی ہے کہ وہ اگر گہری نظر سے قرآن کو دیکھیں تو ان کو اس کے معانی ومضامین میں کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا، اور یہ مفہوم تدبر کے عنوان سے ہی ادا ہوسکتا ہے صرف تلاوت اور قرأت جس میں تدبر اور غور وفکر نہ ہو اس سے بہت سے اختلافات نظر آنے لگتے ہیں جو حقیقت کے خلاف ہے۔

دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور کرے، لہٰذا یہ سمجھنا کہ قرآن میں تدبر کرنا صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے لئے ہے صحیح نہیں ہے، البتہ تدبر اور تفکر کے درجات علم وفہم کے درجات کی طرح مختلف ہوں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ائمہ مجتہدین کا تفکر ایک ایک آیت سے ہزاروں مسائل نکالے گا، عام علماء کا تفکر ان کے مسائل سمجھنے تک پہونچے گا، عوام اگر قرآن کا ترجمہ اور تفسیر اپنی زبان میں پڑھ کر تدبر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت اور آخرت کی فکر پیدا ہوگی جو کلید کامیابی ہے۔

البتہ عوام کے لئے غلط فہمی اور مغالطوں سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی عالم سے قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھیں یہ نہ ہو سکے تو کوئی مستند ومعتبر تفسیر کا مطالعہ کریں اور جہاں کوئی شبہ پیش آئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں اور ماہر علماء سے رجوع کریں۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۸۸، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۸۷)

بے تحقیق باتوں کا پھیلانا گناہ اور بڑا فتنہ کا سبب ہے

”وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا“ (النساء: ۸۳)

ترجمہ: اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہونچتی ہے چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں، اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحابِ اختیار کے پاس لے جائے تو ان میں سے جو لوگ ان کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے، اور (مسلمانوں!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج ۱، ص ۲۸۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہئے،

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا "کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ماسمع" یعنی کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کردے۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من حدث بحدیث وھو یری انه کذب فھو احدالکاذبین" یعنی جو آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے یہ جھوٹی ہے تو دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۹۲، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہند ص ۱۱۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۸۸)

سفارش کی حقیقت اور اس کے احکام اور اقسام

"مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا (النساء:۸۵)

ترجمہ: اور جو شخص بھی اچھی سفارش کرتا ہے اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے اور جو کوئی بُری سفارش کرتا ہے اسے اس بُرائی میں سے حصہ ملتا ہے اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے

(توضیح القرآن ج ۱، ۲۸۳)

تفسیر

اس آیت میں شفاعت یعنی سفارش کو اچھی اور بری دو قسموں میں تقسیم فرما کر اس کی حقیقت کو بھی واضح کردیا اور یہ بھی بتلادیا کہ نہ ہر سفارش بری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

ساتھ میں یہ بھی بتلا دیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملے گا اور بری سفارش کرنے والے کو عذاب کا، آیت میں اچھی سفارش کے ساتھ ''نصیبٌ'' کا لفظ آیا ہے اور بُری سفارش کے ساتھ ''کفلٌ'' کا، اور لغت میں دونوں کے معنٰی ایک ہے، یعنی کسی چیز کا ایک حصہ لیکن عرف عام میں لفظ'' نصیبٌ '' اچھے حصہ کے لئے بولا جاتا ہے اور لفظ ''کفل'' اکثر بُرے حصہ کے لئے استعمال کرتے ہیں، اگر چہ کہیں کہیں اچھے حصہ کے لئے بھی ''کفل'' استعمال ہوا ہے، جیسے قرآن کریم میں ''کفلین من رّحمتہٖ'' ارشاد ہے۔

شفاعت کے لفظی معنیٰ ملنے یا ملانے کے ہیں، اسی وجہ سے لفظ شفعہ عربی زبان میں جوڑے کے معنی میں آتا ہے اور اس کے بالمقابل لفظ'' وتر'' بمعنی طاق استعمال کیا جاتا ہے اس لئے شفاعت کے لفظی معنیٰ یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملا کر اس کو قوی کر دیا جائے، یا کسی اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت وسفارش کے لئے ایک تو یہ شرط ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق وجائز ہو، دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا، آپ پہنچا دیں، اس سے معلوم ہوا کہ خلاف حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اس کے قبول پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ یعنی بری سفارش ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے طریقہ دباؤ اور اجبار کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی ظلم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، اسی لئے وہ بھی شفاعت سیئہ میں داخل ہے۔

خلاصہ مضمون آیت مذکورہ کا یہ ہو گیا کہ جو شخص کسی شخص کے جائز حق اور جائز کام کے لئے جائز طریقہ پر سفارش کرے تو اس کو ثواب کا حصہ ملے گا، اور اسی طرح جو کسی ناجائز کام کے لئے یا ناجائز طریقہ پر سفارش کرے گا اس کو عذاب کا حصہ ملے گا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے وہ جب اس مظلوم یا محروم کا کام کر دے تو جس طرح اس کام کرنے والے افسر کو ثواب ملے گا، اسی طرح سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۷، ۴۶۸، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۱۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۹۰، احکام القرآن ابن عربی ج ۱ ص ۴۶۳)

سفارش سے متعلق اہم ہدایات

حضرت تھانویؒ نے "مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً" کے ماتحت فرمایا ہے۔

ترجمہ: جو شخص اچھی سفارش کرے (یعنی جس کا طریق و مقصود دونوں مشروع ہوں) اس کو اس سفارش کی وجہ سے (ثواب کا حصہ) ملے گا۔

طریق کا غیر مشروع ہونا اس طرح کہ مثلاً کسی غریب کی امداد کے لئے کسی امیر سے کہا، مگر اس طرح کہ اس کو مجبور کیا اور اس پر گراں ہوا، گو غرض بری نہیں ہے مگر طریقہ برا ہے کہ ایذاء مسلم معصیت ہے۔

اور مقصود غیر مشروع یہ کہ کسی ظالم کی اعانت کے لئے کہا کہ غرض ہی حرام ہے جو سفارش دونوں سے منزہ ہو وہ عبادت ہے کہیں واجب کہیں مستحب۔

(بیان القرآن ج ۱ ص ۳۸۱، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ۱۹۰، ۱۹۱)

سفارش سے متعلق کچھ ضروری مسائل

سفارش پر بوجہ عبادت ہونے کے اس پر عوض لینا حرام ہے کہ عبادت محل اجرت نہیں اور شفاعت سیئہ پر بوجہ معصیت ہونے کے اجرت لینا حرام ہے اور اگر بمقابلہ کوشش کے اجرت سمجھی جاوے تو غلط ہے کیونکہ اگر کوئی غیر ذی اثر آدمی اس سے زیادہ کوشش کرے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کو اجرت نہیں دی جاتی اس سے معلوم ہوا کہ وہ بمقابلہ جاہ کے ہے اور جاہ غیر متقوم ہے اس لئے وہ بھی حرام ہے۔

(بیان القرآن ج۱ص۳۸۱،معارف القرآن ج۲،ص۵۰۰)

سلام کا جواب دینے اور سلام کرنے کے احکام وہدایات

”وَاِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِاَحسَنَ مِنهَا اَو رُدُّوهَا اِنَّ اللهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيئٍ حَسِيبًا (النساء:۸۶)

ترجمہ:اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اس کو اس سے بھی بہتر طریقہ پر سلام کرو یا (کم ازکم) انہیں الفاظ میں اس کا جواب دے دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے۔

(توضیح القرآن ج۱،۲۸۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اوراس کے جواب کے آداب بتلائے ہیں۔

لفظ”تحیہ“ کی تشریح اوراس کا تاریخی پہلو

تحیہ کے لفظی معنیٰ کسی کو”حیاک اللہ“ کہنا یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے قبل از اسلام عرب کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو ”حیاک اللّٰہ“یا”انعم اللہ بک عیناً“یا”انعم صباحاً“وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے اسلام نے اس طرز تحیہ کو بدل کر”السلام علیکم“ کہنے کا طریقہ جاری کیا۔جس کے معنی ہیں”تم ہر تکلیف اوررنج ومصیبت سے سلامت رہو“ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں سے ہے اور ''السلام علیکم'' کے معنی یہ ہیں کہ ''اللہ رقیب علیکم'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۰۱، تفسیرات احمدیہ ۱۹۴، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۳۰۲،
احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۹۱، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ۴۶۷)

اسلامی سلام تمام دوسری اقوام کے سلام سے بہتر ہے

دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس کی موانست اور اظہار محبت کے لئے کہیں لیکن موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا ایسا جامع نہیں، کیونکہ اس میں صرف اظہار محبت ہی نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات اور آلام سے سلامت رکھے، پھر دعا بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں بلکہ حیات طیبہ کی دعاء ہے یعنی تمام آفات وآلام سے محفوظ رہنے، اس کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ ہم اور تم سب اللہ کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس کے اذن کے نہیں پہونچا سکتا اس معنیٰ کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اور اپنے مسلمان بھائی کو خدا تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی۔

اس کے ساتھ اگر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات اور تکالیف سے محفوظ فرمادے تو اس کے ضمن میں وہ گویا یہ وعدہ بھی کررہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مأمون ہو، تمہاری جان، مال، ابرو کا میں محافظ ہوں۔

ابن عربیؒ نے احکام القرآن میں امام عیینہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''اتدری ما السلام؟ یقول انت اٰمنٌ منی'' یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیز ہے؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون ہو۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک عالمگیر جامعیت رکھتا ہے۔

(۱) اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے۔

(۲) تذکیر بھی ہے۔

(۳) اپنے بھائی مسلمان سے اظہار تعلق ومحبت بھی ہے۔

(۴) اس کے لئے بہترین دعاء بھی ہے۔

(۵) اور اس سے یہ معاہدہ بھی کہ میرے ہاتھ اور زبان سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہونچے گی، جیسا کہ حدیث رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ“ یعنی مسلمان تو وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے سب مسلمان محفوظ رہیں کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

کاش مسلمان اس کلمہ کو عام لوگوں کی رسم کی طرح اداء نہ کرے بلکہ اس کی حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرے، تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی کافی ہوجائے یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کے باہم سلام کو رواج دینے کی بڑی تاکید فرمائی اور اس کو ”افضل الاعمال“ قرار دیا، اور اس کے فضائل وبرکات اور اجر وثواب بیان فرمائے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:
تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو، میں تم کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر عمل کرلو تو تمہارے آپس میں محبت قائم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جائیگی وہ یہ کہ آپس میں سلام کو عام کرو، یعنی مسلمان کو سلام کرے خواہ اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہوں۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۵۰۲)

قرآن مجید کی جو آیت اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں یہ ارشاد ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر الفاظ میں دو یا کم از کم ویسے ہی الفاظ کہدو اس کی تشریح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمائی کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک صاحب آئے اور کہا ''السلام علیک یا رسول اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' پھر ایک صاحب آئے اور انہوں نے سلام میں یہ الفاظ کہے ''السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پھر ایک صاحب آئے انہوں نے اپنے سلام ہی میں تینوں کلمے بڑھا کر کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں صرف ایک کلمہ ''وعلیک'' ارشاد فرمایا، ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی، اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے جو حضرات آئے آپ نے ان کے جواب میں کئی کلمات دعاء کے ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''وعلیک'' پر اکتفاء فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اضافہ کرتے تم نے سارے کلمات اپنے سلام ہی میں جمع کر دیئے۔

اس لئے ہم نے قرآنی تعلیم کے مطابق تمہارے سلام کا جواب بالمثل دینے پر اکتفاء کرلیا۔

اس روایت کو ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مختلف اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱)اس حدیث مذکور سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب اس سے اچھے الفاظ میں دینے کا جو حکم آیت مذکورہ میں آیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سلام کرنے والے کے الفاظ سے بڑھا کر جواب دیا جائے مثلاً اس نے کہا ''السلام علیکم'' تو آپ جواب دیں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' اور اس نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' تو آپ جواب میں کہیں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ کلمات کی زیادتی صرف تین کلمات تک مسنون ہے اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں اور حکمت اس کی ظاہر ہے کہ سلام کا موقع مختصر کلام کرنے کا مقتضی ہے اس میں اتنی زیادتی مناسب نہیں جو کسی کام میں مخل یا سننے والے پر بھاری ہوجائے اسی لئے جب ایک صاحب نے اپنے ابتدائی سلام میں ہی تینوں کلمہ جمع کردئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آگے اور زیادتی سے احتراز فرمایا اس کی مزید توضیح حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس طرح فرمائی کہ مذکورہ تینوں سے زیادہ کرنے والے کو یہ کہہ کر روک دیا کہ ''ان السلام قد انتھیٰ الی البرکة'' (مظہری عن البغوی) یعنی سلام لفظ برکت پر ہوتا ہے، اس سے زیادہ کرنا مسنون نہیں ہے '' ابن کثیر'' (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۰۴، فوائد عثمانی ص ۱۲۰، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۹۳، احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۲۷۳)

(۳) تیسری بات حدیث مذکورہ سے معلوم ہوئی کہ سلام میں تین کلمے کہنے والے کے جواب میں اگر صرف ایک کلمہ ہی کہہ دیا جائے تو وہ بھی اداء بالمثل کے حکم میں حکم قرآنی ''اوردوھا'' کی تعمیل کے لئے کافی ہے، جیسا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف ایک کلمہ پر اکتفاء فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مضمون آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب کسی مسلمان کو سلام کیا جائے تو اس کے ذمہ جواب

toobaa-elibrary.blogspot.com

دینا تو واجب ہے اگر بغیر کسی شرعی عذر کے جواب نہ دیا تو گناہگار ہوگا۔

البتہ جواب دینے میں دو باتوں کا اختیار ہے، ایک یہ کہ جن الفاظ سے سلام کیا گیا ہے، ان سے بہتر الفاظ میں جواب دیا جائے دوسرے یہ کہ بعینہٖ انہی الفاظ سے جواب دیدیا جائے۔

اس آیت میں سلام کا جواب دینے کو لازم واجب صراحۃ بتلا دیا گیا لیکن ابتداءً سلام کرنے کا درجہ کیا ہے اس کا بیان صراحۃً نہیں ہے، مگر ''واذا حییتم'' میں اس کے حکم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے، کیونکہ اس لفظ کو بصیغہ مجہول بغیر تعین فاعل ذکر کرنے میں اشارہ ہوسکتا ہے کہ سلام ایسی چیز ہے جو عادۃً سب ہی مسلمان کرتے ہیں۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرے۔

اور سلام کی تاکید اور فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے ابھی آپ سن چکے ہیں ان سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً سلام کرنا بھی سنت مؤکدہ سے کم نہیں، تفسیر بحر محیط میں ہے کہ ابتدائی سلام تو اکثر علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اور حسن بصریؒ نے فرمایا ''السلام تطوع، والرد فریضۃ'' یعنی ابتداءً سلام کرنے میں تو اختیار ہے، لیکن سلام کا جواب دینا فرض ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم قرآنی کی مزید تشریح کے طور پر سلام اور جواب کے متعلق اور بھی کچھ تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہ بھی مختصر طور پر سن لیجئے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص سواری پر ہو اس کو چاہئے کہ پیادہ چلنے والے کو خود سلام کرے اور جو چل رہا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو لوگ تعداد میں قلیل ہوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ کسی بڑی جماعت پر گذریں تو ان کو چاہیئے کہ سلام کی ابتداء کریں۔

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب آدمی اپنے گھر میں جائے تو اپنے گھر والوں کو سلام کرنا چاہیئے کہ اس سے اس کے لئے بھی برکت ہوگی اور اس کے گھر والوں کے لئے بھی

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان سے بار بار ملاقات ہو تو ہر مرتبہ سلام کرنا چاہیئے اور جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام کرنا مسنون ہے اسی طرح رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے، ترمذی، ابوداؤد، میں یہ حکم بروایت قتادہ و ابو ہریرہؓ نقل کیا ہے

اور یہ حکم جو ابھی بیان کیا گیا ہے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے اس سے چند حالات مستثنٰی ہیں اور جو شخص نماز پڑھ رہا ہے، اگر کوئی اس کو سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں بلکہ مفسد نماز ہے، اسی طرح جو شخص خطبہ دے رہا ہے یا قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہے، یا اذان یا اقامت کہہ رہا ہے یا دینی کتابوں کا درس دے رہا ہے یا انسانی ضروریات استنجاء وغیرہ میں مشغول ہے اس کو اس حالت میں سلام کرنا بھی جائز نہیں اور اس کے ذمہ جواب دینا بھی واجب نہیں۔

اختتام مضمون پر تنبیہ

اختتام مضمون پر فرمایا "اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا" یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں، جن میں انسان اور اسلامی حقوق مثل سلام اور جواب سلام کے سب امور داخل ہیں، ان کا بھی اللہ تعالیٰ حساب لیں گے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۰۵، ۵۰۶، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۲۰، تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۴، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۷۳، ۲۷۴، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۳۰۳، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۱۹۶، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۶۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت تھانویؒ نے اس آیت کے ماتحت فرمایا "وَاِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا" اور جب تم کو کوئی (مشروع طور پر) سلام کرے تو تم اس (سلام) سے اچھے الفاظ میں سلام کرو۔(یعنی جواب دو)

حضرتؒ نے فرمایا کہ امر کے صیغہ سے اور لفظ "حسیبا" (جو آیت کے آخر میں آیا ہے) سے اس حکم ظاہر سے وجوب معلوم ہوتا ہے اور یہی مذہب ہے فقہاء کا۔

نیز یہ جو قید لگائی گئی ہے مشروع طور پر اس سے وہ سلام نکل گئے جو مکروہ ہیں مثلاً پاخانہ پھرنے والے کو سلام کرے یا اور کسی گناہ میں مبتلاء ہونے کی حالت میں یا جو کسی طاعت میں مثلاً نماز و تلاوت میں مشغول ہو، اور زیادہ تفصیل درمختار میں مذکور ہے، ایسی حالت میں جواب دینا اس کے ذمہ نہیں بلکہ بعض حالات میں جواب دینا مکروہ ہے۔

(بیان القرآن تھانویؒ ج ا ص ۳۸۳)

قتل کی اقسام اور اس کے احکام

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء: ۹۲)

ترجمہ: کسی مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے الا یہ غلطی سے ایسا ہو جائے جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

مسلمان غلام آزاد کرے اور دیت (یعنی خون بہا) مقتول کے وارثوں کو پہنچائے اور یہ کہ وہ معاف کردیں۔

اور مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمہاری دشمن ہے، مگر وہ خود مسلمان ہو تو بس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا فرض ہے۔ (خون بہا دینا واجب نہیں) اور اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں مگر) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے تو بھی یہ فرض ہے کہ خون بہا اس کے وارثوں تک پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے، ہاں اگر کسی کے پاس غلام نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے یہ توبہ کا طریقہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

(توضیح القران ج ا، ص ۲۸۷، ۲۸۸)

قتل کی قسمیں اور ان کے احکام

(۱) پہلی قسم: قتل عمد جو ظاہراً قصد سے ایسے آلہ کے ذریعہ سے واقع ہو جو آہنی یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو جیسے دھاروالا بانس یا دھاروالا پتھر وغیرہ۔

(۲) دوسری قسم قتل شبہ عمد ہے: وہ قتل ہے جو قصداً اور عمداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہوسکتی ہو۔

(۳) تیسری قسم قتل خطاء: یا تو قصد وظن میں کہ دور سے آدمی کو شکاری جانور یا کافر حربی سمجھ کر نشانہ لگادیا یا فعل میں کہ نشانہ تو جانور ہی کو لگا یا لیکن غلطی سے آدمی کو جالگا، اس میں خطا سے مراد غیر عمد ہے، پس دوسری تیسری دونوں قسمیں اس میں آگئیں، دونوں میں دیت بھی ہے اور گناہ بھی ہے، مگر ان دونوں امر میں دونوں قسمیں متفاوت ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیت کی تفصیلات

دیت دوسری قسم کی سواونٹ ہیں، پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے بیس بیس، اور اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں، اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے بوجہ قصد کے، اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا (کذافی الھدایہ)

چنانچہ تحریر رقبہ کا وجوب ونیز لفظ توبہ بھی اس پر دال ہے، اور یہ حقیقت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے، اور گناہ کے اعتبار سے عمد وغیر عمد ہونا، اس کا مدار قلبی قصد وارادہ پر ہے، جس پر وعید آئندہ کا مدار ہے، وہ خدا کو معلوم ہے، ممکن ہے کہ اس اعتبار سے قسم اول غیر عمد ہوجاوے اور قسم ثانی عمد ہوجائے۔ (بیان القرآن ج ا،۳۸۹ مکتبہ تھانوی، معارف القرآن ج ۲ ص ۵۱۵ تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۶، احکام القرآن ابن عربی ج ا، ص ۴۷۵، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۲۸۰) روائع البیان ج ا۔ص ۴۶۷۔۴۶۸)

قتل کی پانچ اقسام اور ان کے احکام

صاحب کمالین شارح جلالین نے قتل کی پانچ اقسام ذکر فرمائی ہے۔

فرمایا ہے: فقہاء نے قتل کی پانچ صورتیں قرار دی ہیں۔

(۱) قتل عمد۔ (۲) شبہ عمد۔ (۳) قتل خطاء۔ (۴) قتل قائم مقام خطاء (۵) قتل بالسبب۔

(۱) قتل عمد: یعنی دانستہ قتل کرنا، کسی ہتھیار وغیرہ سے بالقصد ماردینا۔

(۲) شبہ عمد: امام صاحبؒ کے نزدیک ہتھیار کے علاوہ کسی بڑے پتھر یا لاٹھی اور کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کوڑے سے ارادۃً مار ڈالنا۔

لیکن صاحبینؒ کے نزدیک یہ صورتیں عمد میں داخل ہیں، ان کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ معمولی لکڑی یا پتھر سے مار دینا جس سے عام طور پر انسان نہ مرتا ہو۔

(۳) قتل خطاء کی دو صورتیں ہیں: (۱) خطاء فی القصد۔ (۲) خطاء فی الفعل۔

مثلاً کسی انسان کو جانور یا مسلمان کو غیر مسلم سمجھ کر مار ڈالنا، خطاء قصدی کہلاتا ہے۔ لیکن کسی جانور کے مارتے ہوئے اگر ہاتھ بہک جائے اور نشانہ چوک کر کسی انسان کے لگ جائے یہ خطاء فعل کہلاتا ہے۔

(۴) قائم مقام خطاء: یہ ہے کہ ایک سوتا ہوا آدمی کسی پر گر جائے جس سے دوسرا آدمی مر جائے، اور قتل بالسبب مثلاً غیر مملوکہ زمین میں کنواں کھود دینا یا پتھر رکھ دینا جس سے ٹھوکر کھا کر یا گر کر کوئی ہلاک ہو جائے۔

(کمالین شرح جلالین پ ۵ سورہ نساء: ۸۷، فوائد عثمانی مع ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۲۱)

قتل خطاء کا حکم

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً" اس آیت میں قتل خطا کے دو حکم بتلائے گئے ایک تو آزاد کرنا مسلمان غلام کا اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنا یہ کفارہ ہے خدا تعالیٰ کی جانب میں اپنی خطا کا دوسرے اس مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا یہ ان کا حق ہے ان کے معاف کرنے سے معاف بھی ہو سکتا ہے اور کفارہ کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا، اس کے متعلق تین صورتیں ہو سکتی ہے۔

کیونکہ جس مسلمان کو غلطی سے قتل کیا اس کے وارث مسلمان ہو گئے یا کافر اگر کافر ہیں تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان سے مصالحت ہے، یا دشمنی اور اول دونوں صورتوں میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینا پڑے گا۔

تیسری صورت میں خون بہا لازم نہ ہوگا، اور کفارہ سب صورتوں میں ادا کرنا ہوگا۔
(روائع البیان ج ۱ ص ۴۷۲، فوائد عثمانی علی ترجمہ شیخ الہند ص ۱۲۱)

مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی سزا کا حکم

"وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء: ۹۳)

ترجمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزاء جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (توضیح القرآن ج ۱ ص ۲۸۸)

آیت سے متعلق صاحب جلالین کی تفسیر۔

اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے اس طریقہ پر کہ اس کو ایسی چیز سے قتل کا ارادہ کرے کہ جس سے غالباً قتل کیا جاتا ہے اس کے ایمان سے واقف ہونے کے باوجود تو ایسے شخص کی سزاء جھنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس کو رحمت سے دوری ہے اور اس کے لئے (اللہ نے) جہنم میں بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور یہ (آیت) مؤوّل ہے (یعنی اس آیت کی تاویل کی گئی ہے) (۱) اس شخص کے ساتھ کہ جو مؤمن کے قتل کو حلال سمجھے (۲) یا اس طریقہ پر کہ یہ اس کی سزاء ہے اگر سزاء دیا جائے۔ اور وعید کے "تَخَلُّف" میں کوئی ندرت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا قول (وَيَغْفِرُ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مَادُونَ ذٰلِکَ لِمَن یَشَاء) کی وجہ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت اس کے ظاہر پر محمول ہے اور مغفرت کی دیگر آیتوں کے لئے ناسخ ہے۔

(جلالین شریف،ص ۸۴ ج۱) جمالین شرح جلالین،ص ۷۵ ج ۲)

سابق مضمون کی مزید وضاحت

"وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ اس آیت کے تحت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے؛ یعنی اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی سے نہیں بلکہ قصداً اور مسلمان معلوم کرنے کے بعد قتل کرے گا تو اس کی لئے آخرت میں جہنم اور لعنت اور عذاب عظیم ہے کفارہ سے اس کی رہائی نہیں ہوگی۔

باقی رہی دنیوی سزاء سورۂ بقرہ میں گزر چکی۔

فائدہ

جمہور علماء کے نزدیک خلود اس کے لئے ہے جو مسلمان کے قتل کو حلال سمجھے کیونکہ اس کے کفر میں شک نہیں یا خلود سے مراد یہ ہے کہ مدت دراز تک جہنم میں رہے گا یا وہ شخص مستحق تو اسی سزاء کا ہے آگے اللہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ واللہ اعلم۔

(فوائد عثمانی علی ترجمہ شیخ الہندؒ ص ۱۲۲)

"قتل خطاء" کے قائم مقام مثل "قتل بالسبب" اور "قتل شبہ عمد" کے احکام

(۱) خطا کے قائم مقام قتل کا حکم، قتل خطاء کی طرح ہے وجوب کفارہ اور وجوب دیت کے بارے میں دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲) اور قتل بالسبب کا حکم یہ ہے کہ اس میں دیت واجب ہے کفارہ واجب نہیں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) شبہ عمد کا حکم یہ ہے کہ اس میں کفارہ اور دیت دونوں واجب ہے اور دیت میں دیت غلیظہ واجب ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۸، احکام القرآن ابن عربی ج ا ص ۴۸۰)

علامات اسلام مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے باطن کی تحقیق کرنا جائز نہیں

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَتَبَیَّنُوْا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (النساء: ۹۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ”تم مؤمن نہیں ہو“ کیونکہ اللہ کے پاس مال غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں، تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔

لہٰذا تحقیق سے کام لو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔

(توضیح القرآن ج ا ص ۲۸۹)

تفسیر

اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو شخص اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرے تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ بغیر تحقیق کے اس کے قول کو نفاق پر محمول کرے، اس آیت کے نزول کا سبب کچھ ایسے واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں لغزش ہو گئی تھی۔

چنانچہ ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ قبیلہ بنو سلیم کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک آدمی صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملا جب کہ یہ حضرات جہاد کے لئے جا رہے تھے یہ آدمی اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔

اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس چیز کا اظہار تھا کہ میں مسلمان ہوں صحابہ کرامؓ نے سمجھا کہ اس وقت اس نے محض اپنی جان و مال بچانے کے لئے یہ فریب کیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح سلام کر کے ہم سے بچ نکلنے، چنانچہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو مال غنیمت قرار دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو شخص آپ کو اسلامی طرز پر سلام کرے تو بغیر تحقیق کے یہ نہ سمجھو کہ اس نے فریب کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا ہے اور اس کے مال کو مال غنیمت سمجھ کر حاصل نہ کرو'' ابن کثیر''

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۱۹، تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۹، احکام القرآن جصاص ج ۲، ۳۱۰، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۳۲۸، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۱۹، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۸۱)

واقعہ کی تحقیق کئے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا'' اس آیت کے پہلے جملے میں ایک عام ہدایت ہے کہ مسلمان کوئی کام بے تحقیق محض گمان پر نہ کریں۔

ارشاد ہے ''اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا'' یعنی جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا کرو تو ہر کام تحقیق کے ساتھ کیا کرو، محض خیال اور گمان پر کام کرنے سے بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے۔

اس میں سفر کی قید بھی اس وجہ سے ذکر کی گئی کہ یہ واقعات سفر ہی میں پیش آئے یا اس وجہ سے کہ شبہات عموماً سفر میں پیش آتے ہیں اپنے شہر میں ایک دوسرے کے حالات سے عموماً واقفیت ہوتی ہے ورنہ اصل حکم عام ہے، سفر میں ہو یا حضر میں بغیر تحقیق کے کسی عمل پر

toobaa-elibrary.blogspot.com

اقدام جائز نہیں۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راشاد ہے ''سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اورجلد بازی شیطان کی طرف سے'' (بحر محیط)

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۲۰، ۵۲۱، تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۰، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۱۱، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۳۲۸، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۱۹، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۴۸۲)

مسلمان کو بلا دلیل کافر کہنا جائز نہیں

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا''

اس آیت کریمہ سے یہ اہم مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتلاتا ہو خواہ کلمہ پڑھ کر یا کسی اور اسلامی شعار کا اظہار کر کے مثلاً اذان نماز وغیرہ میں شرکت کر کے تو مسلمان پر لازم ہے کہ اس کو مسلمان سمجھے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کریں، اس کا انتظار نہ کریں کہ وہ دل سے مسلمان ہوا ہے یا کسی مصلحت سے اسلام کا اظہار کیا ہے۔

نیز اس معاملہ میں اس کے اعمال پر بھی مدار نہ ہوگا فرض کرلو کہ وہ نماز نہیں پڑھتا روزہ نہیں رکھتا اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہے پھر بھی اس کو اسلام سے خارج کہنے کا یا اس کے ساتھ کافروں کا معاملہ کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

اسی لئے امام اعظمؒ نے فرمایا ''لا نکفر اهل القبلة بذنب'' یعنی ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے، بعض روایات میں بھی اس قسم کے الفاظ مذکور ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو خواہ وہ کتنا ہی گناہگار بدعمل ہو۔

مگر یہاں ایک بات خاص طور پر سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو کافر کہنا یا سمجھنا جائز نہیں اس کا واضح

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطلب یہ ہے کہ جب تک اس سے کسی ایسے قول وفعل کا صدور نہ ہو جو کفر کی یقینی علامت ہے اس وقت تک اس کے اقرار اسلام کو صحیح قرار دیکر اس کو مسلمان کہا جائے گا۔

اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا اس کی قلبی کیفیات اخلاص یا نفاق سے بحث کرنے کا کسی کو حق نہ ہوگا۔

لیکن جو شخص اظہار اسلام اور اقرار ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ کلمات کفر بھی بکتا ہے یا کسی بت کو سجدہ کرتا ہے یا اسلام کے کسی ایسے حکم کا انکار کرتا ہے جس کا اسلامی حکم ہونا قطعی اور بدیہی ہے یا کافروں کے کسی مذہبی شعار کو اختیار کرتا ہے جیسے گلے میں زنّار وغیرہ ڈالنا وغیرہ وہ بلاشبہ اپنے اعمال کفریہ کے سبب کافر قرار دیا جائے گا۔

آیت مذکورہ میں لفظ "تبیّنوا" سے اس کی طرف اشارہ موجود ہے ورنہ یہود ونصاریٰ تو سب ہی اپنے آپ کو مؤمن مسلمان کہتے تھے، اور مسیلمہ کذاب جس کو بالا جماع صحابہؓ کافر قرار دیکر قتل کیا گیا۔ وہ تو صرف کلمہ اسلام کا اقرار ہی نہیں بلکہ اسلامی شعار نماز، اذان وغیرہ کا بھی پابند تھا، اپنی اذان میں "اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ کے ساتھ اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ" بھی کہلواتا تھا مگر اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو بھی نبی اور رسول صاحب وحی کہتا تھا جو نصوص قرآن وسنت کا کھلا ہوا انکار تھا اس کی بنا پر اس کو مرتد قرار دیا گیا اور اس کے خلاف باجماع صحابہؓ جہاد کیا گیا۔

خلاصہ مسئلہ

خلاصۂ مسئلہ یہ ہو گیا کہ ہر کلمہ گو اہل قبلہ کو مسلمان سمجھو اس کے باطن اور قلب میں کیا ہے اس کی تفتیش انسان کا کام نہیں اس کو اللہ کے حوالے کرو۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

البتہ اظہار ایمان کے ساتھ خلاف ایمان کوئی بات سرزد ہو تو اس کو مرتد سمجھو بشرطیکہ اس کا خلاف ایمان ہونا قطعی اور یقینی ہو اور اس میں کوئی دوسرے احتمال یا تاویل کی راہ نہ ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لفظ کلمہ گو، یا اہل قبلہ، یہ اصطلاحی الفاظ ہیں، جن کا مصداق صرف وہ شخص ہے جو مدعی اسلام ہونے کے بعد کسی کافرانہ قول وفعل کا مرتکب نہ ہو۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۲۱، ۵۲۲، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۱۲،

تفسیرات احمدیہ ص ۱۹۹، ۲۰۰، احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲، ص ۳۲۸، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۱۹)

مجاہدین کی افضلیت غیر مجاہدین پر

"لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: ۹۵)

ترجمہ: جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہیں، وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال وجان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں، جو لوگ اپنے مال وجان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے، اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے۔

(توضیح القرآن ج ۱، ص ۲۹۰)

تفسیر

اس آیت میں چند احکام جہاد کو بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ بغیر کسی معذوری کے شریک جہاد نہیں ہوتے وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کی راہ میں اپنے جان، مال سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہاد کرتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجہ میں فضیلت اور برتری دی ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق یعنی مجاہدین و غیر مجاہدین سے اچھی جزاء کا وعدہ کیا ہوا ہے، جنت و مغفرت دونوں حاصل ہوں گی، فرق درجات کا رہے گا۔

علماءِ تفسیر نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے، کہ بعض لوگ اس کو ادا کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ جو لوگ جہاد میں مشغول ہیں وہ اس جہاد کے لئے کافی ہوں، اور اگر وہ کافی نہیں تو ان کے قرب جوار کے مسلمانوں پر فرض عین ہوجائے گا، کہ مجاہدین کی مدد کریں۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۵۲۲، ۵۲۳، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۱۲، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۲۰)

ہجرت کے احکام

”اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِہِمْ قَالُوْافِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا(۹۷)اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّ لَایَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا(۹۸)فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا“

(النساء: ۹۹)

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے جانوں پر ظلم کیا تھا اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے ”تم کس حالت میں تھے“ وہ کہنے لگے کہ ”ہم لوگ زمین میں بے بس بنا دیئے گئے تھے“ فرشتوں نے کہا ”کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہجرت کر جاتے؟ لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے، (۹۷) البتہ وہ بے بس مرد عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں (۹۸) چنانچہ پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے اللہ بڑا معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ (۹۹) (توضیح القرآن ج ا ص ۲۹۰،۲۹۱)

”وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللهِ وَكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: ۱۰۰)

ترجمہ: جو شخص اللہ کے راستہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا، اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (توضیح القرآن ج ا ص ۲۹۱)

حضرت تھانویؒ کے کلام سے وضاحت

فائدہ (۱)

حضرت تھانویؒ نے اس آیت کے ماتحت تفسیر تحریر فرمائی اور تحقیق آیت فرمایا کہ روح المعانی میں ہجرت کی فرضیت کا منسوخ ہونا نقل کیا ہے، البتہ مستحب اب بھی ہے اور مسلم کی حدیث حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اعرابی کو جس نے اجازت ہجرت کی چاہی یہ فرمانے سے ”ان شان الهجرۃ الشدید“ اور وطن میں رہنے کے لئے ارشاد فرمانے سے، نیز اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس کے عزم ہجرت سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارالاسلام میں نہ تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

فائدہ (۲)

ان تین رکوع گزشتہ میں ہجرت کی بحث چند مواقع میں آئی ہے اس لئے اس کے متعلق ایک جامع اور مختصر تقریر جس سے سب مواقع کی زیادہ توضیح ہوجائے لکھی جاتی ہے، جس کا ماخذ روایات وقواعد واقوال علماء واشارات نصوص ہیں ان دلائل کے مجموعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ہجرت ابتدائے اسلام میں فرض تھی اور فرضیت کے ساتھ وہ ظاہراً شعار لازم وموقوف علیہ ثبوت اسلام کی بھی تھی لیکن حالت عذر میں اس کی فرضیت اور شعاریت ساقط ہوجاتی تھی جیسا کہ تلفظ بالشہادتین کی اب بھی یہی شان ہے اور عہد نبوی میں صحابہؓ کے اقوال سے نماز کی یہی شان معلوم ہوتی ہے اور اس شعار ہونے کی وجہ سے اس سے بلا عذر رجوع کرنا علامت ارتداد کی تھی اسی بنا پر رکوع اول کے شروع میں ان راجعین عن ہجرت کے مسلمان سمجھنے سے صحابہؓ کو منع فرمایا گو وہ راجعین واقع میں بھی مرتد ہوگئے تھے لیکن صحابہؓ سے تو اسی بناء مذکور کلام ہے اور دل کی تحقیق کا حکم نہیں اور عذر میں بلکہ احتمال عذر میں بھی شعاریت ساقط ہونے کی بنا پر مؤمن مقتول فی دارالحرب کی دیت کے وجوب کا اور "من القی الیکم السلم" کے قتل کی حرمت کا حکم رکوع ثانی میں فرمایا اور صرف دوسرے علامات پر مثل اقرار وغیرہ اکتفاء واجب کیا گیا اور بناء بر فرضیت تارکین ہجرت پر رکوع ثالث میں وعید فرمائی اور عذر میں فرضیت کے سقوط پر اسی رکوع میں مستضعفین کو مستثنیٰ کیا گیا۔

پس رکوع اول کا مضمون بنا بر رجوع ہے اور رکوع ثانی کے مضمون بنا بر شعاریت وعدم شعاریت ہیں اور رکوع ثالث کے مضمون بناء بر فرضیت وعدم فرضیت ہیں اور چونکہ یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

شعاریت محتاج تدبر ہے اس لئے بعض صحابہ کو اشتباہ ہو گیا تھا اور چونکہ تدبر سے خود رفع ہوسکتا تھا اس لئے تنبیہ کردی گئی جیسا مانعین زکوٰۃ کے باب میں شیخین کا مناظرہ حدیثوں میں وارد ہے اور شعاریت کے لزوم میں تبدل ہوسکتا ہے اسی بنا پر فقہاء نے بعض اوضاع لباسیہ کو کفر فرمایا ہے۔فقط

(بیان القرآن ج۱ص ۳۹۶)

اس زمانہ میں ہجرت کے حکم کی تحقیق؟

عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال یوم الفتح لاھجرة بعد الفتح ولکن جهادونیةواذااستنفرتم فانفروا۔متفق علیه

ترجمہ۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔لیکن جہاد اور نیت باقی ہے لہٰذا جب تم کو (جہاد کے لئے) بلایا جائے۔تو تم سب فوراً چلے جاؤ۔(کیونکہ نفیر عام کے موقعہ پر جہاد میں جانا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی ہر ایک پر ضروری ہے)(بخاری ومسلم)

تشریح:"لاھجرةبعدالفتح"

ہجرت نہیں ہے فتح مکہ کے بعد کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے تو مکہ سے بلکہ ہر دار الکفر سے مدینہ کو ہجرت کرنی فرض عین تھی کیونکہ مدینہ میں دین کے نام ہواؤں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ہر اعتبار سے بہت کمزور ضعیف تھے لہٰذا ہجرت کو فرض قرار دیا گیا تا کہ ہر طرف سے مسلمان مدینہ پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کی مدد و اعانت کریں اور اس طرح مشرکوں اور خدا کے باغیوں کی طاقت زائل اور مفلوج ہو۔پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ذریعہ مسلمانوں کو عام غلبہ عطاء فرمایا اوران کی شوکت بڑھائی تو وہ علت (یعنی مدینہ کے مسلمانوں کا کمزوراور قلیل التعداد ہونا) زائل ہوگئی اوراس وقت سے ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی۔لیکن کچھ صورتوں میں ہجرت کا استحباب باقی ہے۔جیسے جہاد کے لئے اپنے وطن سے نکلنا حصول علم کے خاطر کسی دوسری جگہ چلے جانا اور دارالکفر اور دارالفتنہ سے یا کسی اپنے ملک وشہر سے نکل بھاگنا جہاں بھلائیاں متروک ہوچکی اور برائیاں مروج ہوگئی ہوں (ولکن جهاد و نیةٌ) لیکن جہاد اور نیت باقی ہے،کا مطلب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں اور خدا کے باغیوں کا دعویٰ سرنگوں کرنے جہاد کی نیت رکھنے اوراخلاص عمل پیدا کرنے کا حکم باقی ہے حاصل یہ کہ ہجرت یعنی اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانا پہلے ہر مسلمان پر فرض تھا۔ پھر یہ حکم ختم ہوگیا۔لیکن جہاد کے سبب سے یا نیت صالحہ کی بنا پر کفار کے دیار اور جاہل و بدعت اور فتنوں کے گڑھ سے نکل بھاگنے یا طلب علم کے لئے اپنا وطن چھوڑ دینا باقی رہا اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔(مظاہر حق جدید،ص ۴۹۰/۴۹۶ ج ۱۴ ادارہ اسلامیات دیوبند) طیبی شرح مشکوۃ شریف (مرقاۃ شرح مشکوۃ،ص ۳۵۰/۳۵۱ ج ۷ مکتبہ پبلیکیشن دیوبند)

حالت سفر اور قصر کے احکام

"وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (النساء: ۱۰۱)

ترجمہ:اور جب تم زمین میں سفر کرواور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو،یقینا کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ (توضیح القرآن ج ۱ ص ۲۹۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت سے متعلقہ مسائل

(۱) جو سفر تین منزل سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے، یہ آیت مجمل ہے حدیث سے مفسَّر ہوگئی۔

(۲) اور جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہونچے تو اگر وہاں پندوہ روز سے کم ٹھیرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے فرض نماز چارگانہ آدھی پڑھی جاویگی اور اس کو ''قصر'' کہتے ہیں اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا قصد قیام ہو تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا وہاں اور نیز وطن اصلی میں قصر نہیں ہوگا۔

(۳) قصر صرف تین وقت کے فرض میں ہے اور مغرب اور فجر میں اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

(بیان القرآن ج ا، ص ۳۹۷، مستفاد تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۳، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۲۰،
احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۲۹)

(۴) اگر سفر میں خوف نہ ہو تب بھی قصر بالاجماع مشروع ہے، اور خوف کی قید جو آیت میں ہے وہ باعتبار حالت زمانہ نزول آیت کے ہے کہ وہ زمانہ خوف کا تھا پھر حدیثوں سے عموم ثابت ہوگیا۔

(۵) قصر واجب ہے، اور قرآن میں جو اس طرح فرمایا گیا کہ تم کو گناہ نہ ہوگا جس سے شبہ ہوتا ہے کہ نہ کرنا بھی جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری نماز کی جگہ نصف پڑھنے میں ظاہراً وسوسہ گناہ کا ہوتا تھا، اس لئے اس کی نفی فرمادی سفر یہ منافی وجوب کے نہیں جو کہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

(٦) دریا کا سفر بھی اس میں ہی کا سفر ہے اس میں بھی قصر ہوتا ہے اعتدالِ ہوا کی حالت میں تین دن میں کشتی جتنا سفر کر سکے اس کا اعتبار ہے۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۰۲، بیان القرآن مکتبہ تھانوی ج ا ص ۳۹۷)

سفر میں قصر صلوٰۃ کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ" اس آیت سے سفر میں قصر صلوٰۃ کا حکم کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ" اور جب تم سفر کرو، اس میں اللہ نے جہاد کے سفر یا کسی خاص سفر کی شرط نہیں لگائی مطلق سفر کا ذکر ہے تا کہ تمام قسم کے سفر اس حکم میں داخل ہو جائے، اس لئے تمام علماء نے قصر صلوٰۃ فی السفر کی مشروعیت ثابت کی ہے اور اسی آیت سے استدلال کیا لیکن قصر صلوٰۃ کا حکم کیا رخصت ہے یا واجب ہے اس میں امت کا اختلاف ہے۔

دو مذہب ہیں:

(ا) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ قصر صلوٰۃ کا حکم یہ رخصت کا حکم ہے اگر کوئی قصر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور اگر پوری نماز پڑھنا چاہے تو پوری بھی بڑھ سکتا ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصر صلوٰۃ حالت سفر میں واجب ہے اور دو رکعت یہ مسافر کی مکمل نماز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل

قصر صلوٰۃ مسافر پر واجب نہیں ہے، بلکہ مباح اور جائز ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ“تم پر کوئی گناہ اور حرج نہیں کہ تم حالت سفر میں نماز میں قصر کرو یہ صرف اباحت کو ثابت کرتا ہے وجوب پر یہ حکم دلالت نہیں کرتا، اگر قصر صلوٰۃ کا حکم واجب ہوتا تو ”فَعَلَیْکُمْ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ“ کے الفاظ بیان کئے جاتے کہ تم پر قصر صلوٰۃ لازم اور واجب ہے،لیکن ایسا بیان نہیں ہے ”فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ“ کا لفظ ہے جو صرف اباحت کو ثابت کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

(۱) حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ سفر کی دو رکعت قصر نماز مکمل نماز ہے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اسفار میں قصر صلوٰۃ ہی کرتے تھے،اوراس کو لازم سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کے لئے نکلتے تو فرض نماز دو ہی رکعت پڑھتے تھے یہاں تک کہ وطن واپس لوٹ جائیں۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرض نماز دو رکعت سے زیادہ کبھی نہیں پڑھی۔

(روائع البیان ج ۱ص ۴۸۵،احکام القرآن جصاص۔ج ۲رص،۳۱۷)

صلوٰۃ الخوف کے احکام

”وَاِذَا کُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوۃَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَکَ وَلْیَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْیَکُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِکُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰی لَمْ یُصَلُّوْا فَلْیُصَلُّوْا مَعَکَ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اَسۡلِحَتِكُمۡ وَ اَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰٓى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ وَ خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا (النساء:۱۰۲)

ترجمہ: اور اے پیغمبر! جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ تو (دشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے، کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں، اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو، ہاں بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۰۲)

(توضیح القرآن ج۱ص ۲۹۲، ۲۹۳)

مسائل متعلقہ آیت

(۱) جیسے آدمی سے خوف کے وقت صلوٰۃ الخوف پڑھنا جائز ہے، ایسے ہی اگر کسی شیر یا اژدھا وغیرہ کا خوف ہو اور نماز کا وقت تنگ ہو اس وقت بھی جائز ہے۔

(۲) آیت میں دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا تو ذکر فرمایا دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب دو رکعت پر سلام پھر دیا تو دونوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لی مزید تفصیل احادیث میں ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۳۴، احکام القرآن جصاص ج ۴ ص ۳۲۲)

حضرت تھانویؒ کے فوائد

حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اس آیت کے ماتحت فائدہ کے ضمن میں صلوٰۃ الخوف سے متعلق چند احکام و مسائل تحریر فرمائیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) صلوٰۃ الخوف باجماع ائمہ اربعہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی مشروع ہے اور یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ جب آپ ان میں ہوں، یہ باعتبار اس وقت کی حالت کے فرمایا کہ آپ تشریف رکھتے تھے، اب جو امام ہو وہ اس میں آپ کا قائم مقام ہے جیسے آیت میں "خذ من اموالھم صدقۃ" حالانکہ جمیع ائمہ وخلفاء کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

(بیان القرآن، تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۶، احکام القرآن حضرت تھانویؒ ج ۲ ص ۳۴۳)

(۲) یہ مسئلہ جب ہے کہ ایک امام کے ساتھ سب کو نماز پڑھنا ہو ورنہ دونوں گروہ دو اماموں کے ساتھ پڑھ لیں۔

کذا فی الدر المختار اور عجیب نہیں کہ "اذا کنت فیھم" کی تقیید میں یہی نکتہ ہو کیونکہ آپ کے ساتھ سب کو نماز پڑھنا محبوب تھا تو یہ کلام کنایہ اس سے ہوگا "اذا کان فیھم من تنازعوا فی الصلوٰۃ خلفہ وحدہ"

(۳) یہ نماز صرف اتنے خوف کے وقت ہے کہ اس کا انتظام ممکن ہو اور اگر انتظام نہ ہو سکے تو اس کا حکم سورۂ بقرہ کے حکم سی و چہارم میں مذکور ہو چکا اور عین قتال کے وقت نماز کو قضا کر دیا جاوے۔

(بیان القرآن ج ۱ ص ۳۹۸، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲ ص ۳۴۵، ۳۴۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۴) یہ صورت جب ہے کہ امام مسافر ہو جیسا کہ غزوات میں غالب ہے ورنہ ہر گروہ کو دو دو رکعت پڑھاوے اور بعد فراغ امام دو دو اپنے طور پر پڑھیں۔

"کذافی الھدایہ وروا ابو داؤد مرفوعاً کذافی الفتح"

(۵) اور مغرب میں ایک گروہ امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے اور دوسرا گروہ ایک رکعت۔

(۶) احادیث میں صلوٰۃ الخوف کے اور طریقہ بھی آئے ہیں جس طرح ممکن ہو پڑھے سب جائز ہے۔"کذافی ردالمحتار"

(۷) ہتھیار وغیرہ ہمراہ رکھنے کا استحباب حنفیہ کے نزدیک تفسیرات احمدیہ وشامی میں ہے، پس یہ "لا جناح" ایسا ہوگا جیسا سورۂ بقرہ کے تین پاؤں پر ہے "لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن الخ" ای لا مؤنۃ، اسی طرح یہاں عدم اخذ سلاح میں مؤنت وخطرہ جان کا ہے اور حمل میں اتنا نہیں فقط۔(بیان القرآن ج۱،ص ۳۹۸،تفسیرات احمدیہ،ص ۲۰۶)

"صلوٰۃ الخوف" کے بارے میں ائمہ کا اختلاف

"صلوٰۃ الخوف" کے بارے میں دو مذہب ہے۔

(۱) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا "صلوٰۃ الخوف" کے بارے جتنی بھی روایات مشمل ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "واذا کنت فیھم" اس پر واضح دلیل ہے۔

(۲) اور جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ "صلوٰۃ خوف" کی مشروعیت اب بھی امت پر باقی ہے، کیونکہ قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب امت کو خطاب ہوتا ہے اور ہم کو نبی کی اتباع کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

حکم دیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی اسوہ کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(روائع البیان ج ا ص ۴۸۷)

اس زمانہ میں ”صلوٰۃ الخوف“ کی مشروعیت میں فقہاء کی تحقیقات

علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں مجتہدین امت کے دو مذھب ہے۔

(۱) صلوٰۃ الخوف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے بعد بھی جائز ہے امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اور یہی امام ابو یوسفؒ کا قول اول ہے۔

(۲) اور حسن ابن زیاد نے فرمایا اور یہی قول ثانی ہے امام ابو یوسفؒ کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے بعد صلوٰۃ الخوف جائز نہیں ہے۔

عدم مشروعیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان۔ ”واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلواۃ فلتقم طائفۃ منھم معک“، الایۃ۔ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ الخوف جائز اس شرط پر قرار دیا کہ آپ امت کے درمیان موجود ہو جب آپؐ دنیا سے رخصت ہو گئے شرط ختم ہو گئی تو حکم بھی ختم ہو جائے گا۔

طرفین کی دلیل: علامہ کاسانیؒ نے فرمایا امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی مشروعیت صلوٰۃ الخوف پر دلیل اجماع صحابہؓ ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ الخوف پڑھی اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی کہ انہوں اصبہان میں صلوٰۃ الخوف پڑھی۔ اور سعید ابن عاصؓ کی جنگ طبرستان کے مجوس سے جاری تھی اور ان کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی۔ ان میں حضرت حسن اور حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن عمرو ابن العاص بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے تو انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون صلواۃ الخوف میں حاضر تھا تو حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں حاضر تھا پس وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے صلواۃ الخوف پڑھائی۔ پس صلواۃ الخوف کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۴۲، ۲۴۳) (درمختار مع الشامی ص ۱۸۶ ج ۲ مکتبۃ تجاریہ مکہ مکرمہ / فتاوی عالمگیری ص ۱۵۴ ج ۱)

فی زماننا مشروعیت ''صلواۃ الخوف'' پر علامہ ابن ہمام کی تحقیق

فرمایا کہ نہایہ میں لکھا ہے کہ اس آیت میں اس شخص کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہے جو اس قول کا قائل ہے (واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلاۃ) کہ صرف صلواۃ الخوف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موجودگی میں ہی جائز تھی اب مشروع نہیں ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ معلق باشرط عدم شرط کے وقت عدم حکم کو واجب نہیں کرتا بلکہ وہ موقوف ہوتا دلیل کے قائم ہونے پر اور جب دلیل قائم ہو جاتی ہے حکم کے وجود پر تو وہ حکم لازم ہو جاتا ہے۔ اور یہاں دلیل قائم ہے۔ اور وہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور یہ مضبوط حجت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد۔

نیز علامہ ابن ھمام نے یہ بھی فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں نماز مشروع تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی عمل صحابہ کرامؓ کی وجہ سے مشروع ہی رہے گی جب کہ کسی صحابی نے اس پر نکیر بھی نہیں کی۔ صحابہ کا اجماع اپنے علم پر اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شارع علیہ السلام یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلواۃ الخوف کی مشروعیت کو آپ کی موجوگی میں ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ کے بعد بھی اس کی مشروعیت کے قائل تھے اور یہ علم صحابہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل تھا۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ صحابہؓ نے جہاد کیا حضرت عبدالرحمن ابن سمرہؓ کے ساتھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

انہوں نے صلواۃ الخوف پڑھی اور اسی طرح حضرت علیؓ نے صلواۃ الخوف پڑھائی صفین کے دن اور اسی طرح ابوموسیٰ اشعریؓ نے اصبہان میں صلواۃ الخوف پڑھی اور سعد ابن ابی وقاص نے طبرستان میں مجوسیوں کے ساتھ جنگ کے درمیان صلواۃ الخوف پڑھی اور ان کے ساتھ حسن ابن علی اور حذیفہ ابن یمان اور عبداللہ ابن عمرو ابن العاص بھی تھے۔ اور سعید ابن العاص نے صحابی رسول ﷺ ابوسعید خدریؓ سے صلواۃ الخوف کے متعلق پوچھا کہ کس طرح پڑھائی جائے تو حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان کو صلواۃ الخوف سیکھائی۔ ان سے سیکھ کر سعید ابن العاص نے صلواۃ الخوف پڑھائی۔ غرض اجماع صحابہؓ سے صلواۃ الخوف کی مشرعیت ثابت ہے اور یہ مضبوط دلیل ہے۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۹۹، مکتبہ زکریا دیوبند)

علامہ ابن ہمام کی عبارت

و اذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلواۃ النساء آیت ۱۰۲۔ شرط لاقامتھا کونہ فیھم فلا تجوز اذا لم یکن فیھم، قال فی النھایۃ لا حجۃ لمن تمسک بھا لما عرف من اصلنا ان المعلق باشرط لا یوجب عدم الحکم عند عدم الشرط بل ھو موقوف ان قیام الدلیل فاذا قام علیٰ وجود الحکم لزم وقد قام ھنا۔ وھو فعل الصحابہ رضوان اللہ علیھم بعد وفاتہ علیہ الصلواۃ السلام انتھی فالجواب الحق ان الاصل کما انتفی بالایۃ حال کونہ فیھم فمن ذالک مافی ابی داؤد انھم غزوا مع عبد الرحمن ابن سمرہ کابل فصلی بنا صلوۃ الخوف وروی ان علیا صلاھا یوم صفین وصلاھا ابو موسیٰ الاشعری بأصبھان۔ وسعد ابن ابی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وقاص فی حرب المجوس بطبرستان و معه الحسن ابن علی و حذیفه ابن الیمان و عبد اللہ ابن عمر ابن العاص و سالها سعید ابن العاص ابا سعید الخدری فعلمه، فأقامها۔ فتح القدیر ص ۹۹ ج ۲ مکتبہ زکریا دیوبند۔ ھٰذہ الاثار منقول فی الزیلعی ص ۲۴۵ ج ۲ بحوالہ حاشیہ فتح القدیر۔

سورۃ نساء کی آیت ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ان آیات سے ثابت شدہ احکام

(۱) ’’قصر الصلوٰۃ‘‘ کا حکم اسی طرح ’’صلوٰۃ الخوف‘‘ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۲) جہاد کی تیاری اس کے لئے اسباب مہیا کرنا اور کفار دشمنوں سے اپنی حفاظت کرنا۔

(۳) اوقات صلوٰۃ کی حفاظت کرنا اس میں خلا نہ پیدا ہونے دینا۔

(۴) صبر اختیار کرنا، دشمنوں کے مقابلہ میں کمزوری نہ بتلانا۔

(۵) منافقین اور فاسقین کی حمایت دین کو نقصان پہونچانے اور دین کو ڈھانے کے مرادف ہے۔ (روائع البیان ج ۱ ص ۴۸۸)

باہمی مشورہ اور مجالس کے آداب و احکام

لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ م بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا

(النساء: ۱۱۴)

ترجمہ: لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی شخص صدقہ یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیاں اصلاح کا حکم دے، اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

”لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ“یعنی لوگوں کے باہمی مشورے اور تدبیریں جو آخرت کی فکر اور انجام پر غور سے آزاد ہو کر محض چند روزہ دنیوی اور وقتی منافع کے لئے ہوا کرتے ہیں ان میں کوئی خیر نہیں۔

آگے ارشاد فرمایا ”اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَیْنَ النَّاسِ “یعنی ان مشوروں اور سرگوشیوں میں اگر خیر کی کوئی چیز ہوسکتی ہے تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کو صدقہ خیرات کی ترغیب دے یا نیکی کا حکم کرے یا لوگوں کے آپس میں صلح کرانے کا مشورہ دے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ انسان کا ہر کلام اس کے لئے مضر ہی ہے بجز اس کے کہ کلام میں اللہ کا ذکر ہو یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو۔

معروف کی وضاحت

معروف کے معنیٰ ہیں ہر وہ کام جو شریعت میں اچھا سمجھا جائے اور جس کو اہل شرع پہچانتے ہوں اور اس کے بالمقابل منکر ہے یعنی ہر وہ کام جو شریعت میں ناپسندیدہ اور اہل شرع میں اوپرا اور اجنبی ہو۔

امر بالمعروف ہر نیکی کے حکم اور ترغیب کو شامل ہے جس میں مظلوم کی امداد کرنا، حاجتمندوں کو قرض دینا، گم شدہ کو راستہ بتا دینا، وغیرہ سب نیک کام داخل ہیں اور صدقہ اور اصلاح بین الناس بھی اگرچہ اس میں داخل ہے لیکن ان کو تخصیص کے ساتھ علیٰحدہ اس لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بیان کیا گیا کہ ان دونوں چیزوں کا نفع متعدی ہے اوران سے ملت کی اجتماعی زندگی سدھرتی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۵۴۶،احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۳۵۱، ۳۵۲،
احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵،ص ۲۴۶)

اجماع امت حجت ہے

”وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا“(النساء:۱۱۵)

ترجمہ: جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے،اس کو ہم اسی راہ کے حوالہ کردیں گے،جو اس نے خود اپنائی ہے اور اس کو دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

(توضیح القرآن ج ۱،ص ۲۹۷)

تفسیر

”وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى“ الخ اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے۔

(۱)ایک مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر اور وبال عظیم ہے۔

(۲)دوسرے جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اس کو چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا،اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے یعنی جس طرح قرآن وسنت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے اسی طرح امت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اس کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا "ید اللہ علی الجماعۃ من شذّ شذّ فی النار" یعنی جماعت کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت مسلمین سے علاحدہ ہوگا، وہ علاحدہ کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید میں ہے؟

"آپ نے قرآن سے دلیل معلوم کرنے کے لئے تین روز تک مسلسل تلاوتِ قرآن کا معمول بنایا، ہر روز دن میں تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ پورا قرآن ختم کرتے تھے، بالآخر یہی مذکورہ آیت ذہن میں آئی اور اس کو علماء کے سامنے بیان کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجیت پر یہ دلیل کافی ہے"۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۵۴۶، تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۹، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۴۸، احکام القرآن تھانوی ج ۲، ص ۳۵۱)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا ایک معیار اور ضابطہ ہے

"وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا" (النساء: ۱۲۵)

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا، جس نے اپنے چہرے (سمیت سارے وجود) کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو جب کہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو اور جس نے سیدھے سچے ابراہیم کے دین کی پیروی کی ہو، اور (یہ معلوم ہی ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوست بنالیا تھا۔(۱۲۵)

(توضیح القرآن ج۱،ص ۲۹۹)

تفسیر

اس آیت میں مقبولیت اور فضیلت عند اللہ کا ایک معیار بتلایا گیا ہے، جس سے اس کا صحیح فیصلہ ہوسکتا ہے کہ کون مقبول ہوسکتا ہے اور کون مردود ہوسکتا ہے اس معیار کے دو جزء ہیں، ان میں سے ایک میں بھی خلل آئے تو ساری کوششیں اکارت اور ضائع ہوجاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں کوئی گمراہی یا غلط کاری ہے وہ انہی دو چیزوں میں کسی ایک جزء کے خلل سے پیدا ہوتی ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں میں موازنہ کریں یا خود مسلمانوں کے فرقوں، جماعتوں اور پارٹیوں میں مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ یہی دو نقطے ہیں جن میں سے کسی ایک سے ہٹ جانا انسان کو ذلت وضلالت کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے۔

ارشاد فرمایا ”وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا“

یعنی اس شخص سے بہتر کسی کا طریقہ نہیں ہوسکتا جس میں دو باتیں پائی جائیں۔

(۱) ایک ”اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ“ یعنی اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کردے، ریاکاری یا دنیا سازی کے لئے نہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عمل کرے۔

(۲) دوسرے ”وَهُوَ مُحْسِنٌ“ یعنی وہ عمل بھی درست طریقہ پر کرے امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ درست طریقہ پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل محض خودساختہ طرز پر نہ ہو، بلکہ شریعت مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر ہو، اللہ تعالیٰ اور اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) ایک اخلاص۔

(۲) دوسرے عمل کا درست ہونا۔

یعنی شریعت وسنت کے مطابق ہونا ان دونوں شرطوں میں سے پہلی شرط اخلاص کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے، جب یہ دونوں شرطیں کسی شخص نے پوری کرلیں تو اس کا ظاہر وباطن درست ہوگیا اور جب ان میں سے کوئی شرط مفقود ہوئی تو عمل فاسد ہوگیا، اخلاص نہ رہا تو عملی منافق ہوگیا اور اتباع شریعت فوت ہوگیا تو گمراہ ہوگیا۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۵۵۵۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۱۰۶ پ ۵۔ نساء آیت ۱۲۵)

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) اخلاص (۲) اور حسن عمل۔

”حسن عمل“ کی وضاحت

اور ”حسن عمل“ نام ہے اتباع سنتِ رسول ﷺ کا اس لئے اخلاص کے ساتھ حسن عمل کرنے والوں کا یہ بھی فرض ہے کہ عمل کرنے سے پہلے یہ معلوم کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو کس طرح کیا ہے اور اس کے متعلق کیا ہدایتیں دی ہیں، ہمارا جو عمل سنت کے طریقہ سے ہٹے گا، نامقبول ہوگا، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات وخیرات، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذکر اللہ اور درود وسلام سب میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کو کس طرح انجام دیا اور کس طرح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا، آخر آیت میں اخلاص اور حسن عمل کی ایک مثال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ السلام کی پیش کر کے ان کے اتباع کا حکم دیا گیا اور "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ حضرت خلیلؑ کے اس مقام بلند کا سبب یہی ہے کہ وہ مخلص بھی اعلیٰ درجہ کے تھے اور ان کا عمل بھی باشارت خداوندی صحیح اور درست تھا۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۵۵۷۔تفسیر ابن کثیر۔ج ۱،ص ۱۰۶)

ازدواجی زندگی سے متعلق چند ہدایاتِ قرآنی

"وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ م بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (۱۲۸) وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۱۲۹) وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا" (النساء: ۱۳۰)

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کر لیں، اور صلح کر لینا بہتر ہے، اور انسانوں کے دل میں (کچھ نہ کچھ) لالچ کا مادہ تو رکھ ہی دیا گیا ہے، اور اگر احسان اور تقویٰ سے کام لو جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے (۱۲۸) اور عوتوں کے درمیاں مکمل برابری رکھنا تو تمہارے بس میں نہیں چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو، البتہ کسی ایک طرف ہو پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لو گے تو یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو بھی جائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے دونوں کو (ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کر دے گا، اللہ بڑی وسعتوں والا، بڑی حکمت والا ہے۔

(توضیح القرآن ج ۱، ص ۳۰۲)

تفسیر

" وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ م بَعْلِهَا " الخ ان تینوں آیتوں میں حق تعالیٰ شانہ نے ازدواجی زندگی کے اس تلخ اور کٹھن پہلو کے متعلق ہدایات دی ہیں۔

جو اس طویل زندگی کے مختلف ادوار میں ہر جوڑے کو کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتا ہے، وہ ہے باہمی رنجش اور کشیدگی اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر صحیح اصول کے ماتحت قابو پانے کی کوشش نہ کی جائے تو نہ صرف زوجین کے لئے دنیا جہنم بن جاتی ہے بلکہ بسا اوقات یہ گھریلو رنجش خاندانوں اور قبیلوں کی باہمی جنگ اور قتل وقتال تک نوبت پہنچا دیتی ہے۔

قرآن عزیز مرد و عورت دونوں کے تمام جذبات اور احساسات کو سامنے رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظامِ زندگی بتلانے کے لئے آیا ہے جس پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا گھر دنیا میں جنت بن جائے گا، گھریلو تلخیاں محبت و راحت میں تبدیل ہو جائیں اور اگر ناگزیر حالات میں علاحدگی کی نوبت بھی آ جائے تو وہ بھی خوشگوار طریقہ خوش اسلوبی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ساتھ ہو قطع تعلق بھی ایسا ہو کہ عداوت و دشمنی اور ایذا رسانی کے جذبات پیچھے نہ چھوڑے۔

آیت نمبر (۱۲۸) ایسے حالات سے متعلق ہے جس میں غیر اختیاری طور پر میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں، ہر فریق اپنی جگہ معذور سمجھا جائے اور باہمی تلخی کی وجہ سے اس کا اندیشہ ہو جائے کہ باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے گی، جیسے ایک بیوی سے اس کے شوہر کا دل نہیں ملتا اور نہ ملنے کے اسباب رفع کرنا عورت کے اختیار میں نہیں مثلاً عورت بدصورت یا سن رسیدہ بوڑھی ہے، شوہر خوش رو ہے ظاہر ہے کہ اس میں نہ عورت کا کوئی قصور ہے اور نہ مرد ہی کچھ مجرم کہا جا سکتا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں اسی طرح کے چند واقعات (تفسیر) مظہری میں منقول ہے ایسے حالات میں مرد کے لئے تو ایک عام قانون قرآن کریم نے یہ بتلا دیا ہے کہ ”فامساک بمعروف او تسریح م باحسان“ کہ اس عورت کو رکھنا ہو تو دستور کے مطابق اس کے پورے حقوق ادا کر کے رکھو اور اگر اس پر قدرت نہیں تو اس کو خوش اسلوبی سے آزاد کر دو، اب اگر عورت بھی آزاد ہونے کے لئے تیار ہے تو معاملہ صاف ہے کہ قطع تعلق بھی خوشگوار انداز میں ہو جائے گا لیکن اگر ایسے حالات میں عورت کسی وجہ سے آزادی نہیں چاہتی خواہ اپنی اولاد کے مفاد کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس کا کوئی دوسرا سہارا نہیں تو یہاں ایک ہی راستہ ہے کہ شوہر کو کسی چیز پر راضی کیا جائے، مثلاً عورت اپنے تمام یا بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑ دے اور شوہر یہ خیال کرے کہ بہت سے حقوق کے بارے تو سبکدوشی ہوتی ہے بیوی مفت میں ملتی ہے اس پر صلح ہو جائے۔

قرآن کریم کی اس آیت میں ایک تو اس طرح کی مصالحت کی متوقع ہونے کی طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

رہنمائی اس طرح فرمائی۔

”وَ اُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ“ یعنی حرص تمام نفوس کے سامنے دھری رہتی ہے ایسی مصالحت میں عورت کو تو یہ حرص ہے کہ مجھے آزاد کردیا تو اولاد برباد ہوجائے گی، یا میری زندگی دوسری جگہ تلخ ہوگی، اور شوہر کو یہ لالچ ہے کہ جب عورت نے اپنا کل مہر یا بعض معاف کردیا اور دوسرے حقوق کا بھی مطالبہ چھوڑ دیا، تو اب اس کو رکھنے میں میرے لئے کیا مشکل ہے، اس لئے مصالحت باہمی آسان ہوجائے گی۔

اس کے ساتھ ارشاد فرمایا:

وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡ م بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا‘

یعنی اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے لڑائی جھگڑے یا بے رخی کا خطرہ محسوس کرے تو دونوں میں سے کسی کو گناہ نہیں ہوگا، اگر آپس میں خاص شرائط پر صلح کرلیں اور گناہ نہ ہونے کے عنوان سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اس معاملہ کی صورت بظاہر رشوت کی سی ہے، کہ شوہر کو مہر وغیرہ کی معافی کا لالچ دے کر ازدواجی زندگی کا تعلق باقی رکھا گیا ہے، لیکن قرآن کے اس انداز نے واضح کردیا کہ یہ رشوت میں داخل نہیں بلکہ مصلحت میں داخل ہے، جس میں فریقین اپنے کچھ کچھ کا مطالبہ چھوڑ کر کسی درمیانی صورت پر رضامند ہوجایا کرتے ہیں، اور یہ جائز ہے ۔(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۶۲ تفسیرات احمدیہ ص ۲۱۱، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۵۴، ۳۵۵، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۶۰، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۳۵۴)

toobaa-elibrary.blogspot.com

زوجین کے جھگڑوں میں دوسروں کا بلاضرورت دخل غیر مناسب ہے

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے ”اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَھُمَا صُلْحًا“ فرمایا یعنی میاں بیوی دونوں آپس میں کسی صورت پر مصالحت کرلیں۔

اس میں لفظ ”بینھما“ سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ کوئی تیسرا دخلیل نہ ہو، یہ دونوں خود ہی آپس میں کوئی بات طے کرلیں کیونکہ تیسرے کے دخل سے بعض اوقات تو مصالحت ہی ناممکن ہوجاتی ہے اور ہو بھی جائے تو طرفین کے عیوب تیسرے آدمی کے سامنے بلاوجہ آتے ہیں جس سے بچنا دونوں کے مصلحت ہے۔(معارف القرآن ج ۲، ص ۵۶۲)

امور غیر اختیاریہ پر شرعاً مواخذہ نہیں ہے

”وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ“

ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور پائیدار بنانے کے لئے قرآن عظیم نے مذکورہ آیات میں جو ہدایات فریقین کو دی ہیں۔

ان آیات میں ایک آیت ”وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ“ ہے جس میں فریقین کو ایک خاص ہدایت فرمائی، وہ یہ کہ ایک مرد کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں تو قرآن کریم نے سورۃ نساء کے شروع میں اس کو یہ ہدایت دی کہ سب بیویوں میں عدل ومساوات قائم رکھنا اس کے ذمہ فرض ہے، اور جو یہ خیال کرے کہ اس فرض کو میں ادا نہ کرسکوں گا تو اس کو چاہیئے کہ ایک سے زائد بیبیاں نہ کریں۔

ارشاد ہے ”ان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃً“ یعنی اگر تم کو یہ خطرہ ہو کہ دو بیویوں میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

مساوات نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفاء کرو۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے بیویوں میں عدل اور برابری کو نہایت تاکیدی حکم قرار دیا ہے اور اس کے خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ازواج مطہراتؓ میں برابری اور عدل کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ہی بارگاہ جل شانہ میں عرض کیا کرتے تھے۔

"اللھم ھٰذا قسمنی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک و لا املک"

یعنی اے اللہ! یہ میری منصفانہ تقسیم اور مساوات اس چیز میں ہے جو میرے اختیار میں ہے اس لئے جو چیز آپ کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں، یعنی قلبی میلان اور رجحان اس میں مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمایئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اپنے آپ پر قابو رکھنے والا کون ہوسکتا ہے مگر قلبی میلان کو آپ نے بھی اپنے اختیار سے باہر قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کیا، سورۃ نساء کی شروع کی آیت کے ظاہری الفاظ سے بیویوں میں مطلقاً مساوات و برابری کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے تھا، جس میں قلبی میلان میں بھی مساوات کرنا داخل ہے اور یہ معاملہ انسان کے اختیار میں نہیں، اس لئے سورۃ نساء کی اس آیت میں حقیقت حال کی وضاحت فرمادی کہ جن چیزوں پر تمہیں قدرت نہیں ہے ان میں مساوات فرض نہیں ہے۔

البتہ برابری اختیاری معاملات میں ہوگی، مثلاً شب باشی طرز معاشرت اور نفقہ وغیرہ میں، اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو اس عنوان سے بیان فرمایا جس سے ایک شریف انسان عمل کرنے پر مجبور ہوجائے۔

فرمایا "وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ‘‘یعنی تمہیں معلوم ہے کہ تم سب بیویوں میں اگر کوشش بھی کرو تو قلبی میلان کے بارے میں مساوات نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تمہارے اختیار میں نہیں تو پھر ایسا نہ کرو پورے ہی ایک طرف ڈھل جاؤ یعنی قلبی میلان اس طرف تھا ہی اور اختیاری معاملات میں بھی اسی کو ترجیح دینے لگو، جس کا نتیجہ یہ ہو جائے کہ دوسری عورت لٹکی ہی رہ جائے یعنی شوہر اس کے حقوق بھی ادا نہ کرے اور اس کو آزاد بھی نہ کریں۔

معلوم ہوا اس آیت میں عدل پر کسی کی قدرت نہ ہونے کا جو ذکر ہے وہ قلبی میلان کی برابری ہے جو انسان کے اختیار میں نہیں اور اس آیت کے الفاظ ’’فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ‘‘ میں خود اس مفہوم کا قرینہ موجود ہے کیونکہ معنیٰ ان الفاظ کے یہ ہیں کہ اگرچہ قلبی میلان میں برابری تمہاری قدرت میں نہیں مگر بالکل ایک ہی طرف کے نہ ہو رہو کہ اختیاری معاملات میں بھی اس کو ترجیح دینے لگو۔(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۶۷ تفسیرات احمدیہ ص ۲۱۱، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۶۱، احکام القرآن تھانویؒ ج ۲، ص ۳۵۶، احکام القرآن ابن عربی ج ۱، ص ۵۰۵)

دنیا میں انبیاء اور کتابیں بھیجنے کا مقصد عدل وانصاف اور امن قائم کرنا ہے

’’ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء:۱۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کے خاطر گواہی دینے والے چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف، وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو، اور اگر تم توڑ مروڑ کرو گے (یعنی غلط گواہی دو گے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤ گے تو (یاد رکھنا کہ) اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ (توضیح القرآن ج ا، ص ۳۰۴)

تفسیر

سورۂ نساء کی اس آیت میں تمام مسلمانوں کو عدل وانصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی ہدایت کی گئی ہے اور جو چیزیں قیام عدل یا سچی گواہی میں رکاوٹ ہوسکتی ہیں ان کو نہایت بلیغ انداز میں دور کیا گیا ہے، اس مضمون کی ایک آیت سورۃ مائدہ میں بھی آنے والی ہے دونوں کا مضمون بلکہ الفاظ بھی تقریباً مشترک ہیں۔

اور سورۃ حدید کی آیت میں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آدمؑ کو خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجنے کا اور پھر ان کے بعد دوسرے انبیاء کو یکے بعد دیگرے خلیفۃ اللہ بھیجتے رہنے کا اور ان کے ساتھ بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمانے کا اہم مقصد یہی تھا کہ دنیا میں انصاف اور اس کے ذریعے امن وامان قائم ہو، ہر فرد انسانی اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں انصاف کو اپنا شعار بنائے اور جو سرکش لوگ وعظ و پند اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ عدل وانصاف پر نہ آئیں اپنی سرکشی پر اڑے رہیں ان کو قانونی سیاست اور تعزیر وسزا کے ذریعہ انصاف پر قائم رہنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

سورۂ حدید کی پچیسویں آیت میں اس حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا ہے

”وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (حدید: ۲۵)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے معلوم ہوا کہ بعثت انبیاء اور تنزیل کتب سماویہ کا سارا نظام انصاف ہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔

رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا ہے اور آخر میں لوہا اتارنے کا ذکر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ سب لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے صرف وعظ ونصیحت ہی کافی نہ ہوگی بلکہ کچھ شریر لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو لوہے کی زنجیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مرعوب کر کے انصاف پر قائم کیا جائے گا۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۵۷۱،۵۷۲، احکام القرآن جصاص ج ۲،ص ۳۵۶)

عدل وانصاف پر قائم رہنا صرف حکومت کا فریضہ نہیں ہے بلکہ ہر انسان اس کا مکلف ہے

”یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ“

سورۂ حدید کی آیت مذکورہ اور سورۂ نساء کی اس آیت میں اسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت

”کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌم بِمَا تَعْمَلُوْنَ“ سے واضح طور پر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ نہیں بلکہ ہر انسان اس کا مکلف ومخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے، ہاں انصاف کا صرف ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاف اڑ جائیں، نہ خود انصاف پر قائم رہیں نہ دوسرں کو عدل وانصاف کرنے دیں، تو حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے، یہ اقامت عدل وانصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کرسکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔

آج کی دنیا میں جاہل عوام کو چھوڑیئے لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت وعدالت کا فریضہ ہے، عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں، اور یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک ہر سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے، راعی اور رعیت کے درمیاں خلاف اور اختلاف کی وسیع خلیج حائل کر دی ہے، ہر ملک کے عوام اپنی حکومت سے عدل وانصاف کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن خود کسی انصاف پر قائم رہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسی کا نتیجہ ہے جو دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے، کہ قانون معطل ہے، جرائم کی روز افزوں ترقی ہے، آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں، ان پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے، ان کے نمائندے منتخب کرنے کے لئے الیکشن میں خدا کی پوری زمین ہل جاتی ہے، اور پھر یہ پورے ملک کا دل ودماغ ملک کی ضروریات اور لوگوں کے جذبات واحساسات کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ قانون بناتے ہیں، پھر رائے عامہ کے لئے شائع کرتے ہیں، رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد یہ قانون قابل تنفیذ سمجھا جاتا ہے پھر اس کے نفاذ کے لئے حکومت کی لاتعداد مشینری حرکت میں آتی ہے، جس کے ہزاروں بلکہ لاکھوں شعبے ہوتے ہیں، اور ہر شعبہ میں ملک کے بڑے بڑے آزمودہ کار لوگوں کی محنتیں بروئے کار آتی ہیں، لیکن چلی ہوئی رسوم کی دنیا سے ذرا نظر کو اونچا کر کے دیکھا جائے اور جن لوگوں کو خواہ مخواہ تہذیب اور شائستگی کا ٹھیکہ دار مان لیا گیا ہے تھوڑی دیر کے لئے ان کی کورانہ تقلید سے نکل کر حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو ہر

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخص بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا۔ ؎

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے

مِری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

اب سے سو سال پہلے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کا ہی موازنہ کریں، اعداد و شمار محفوظ ہیں وہ گواہی دیں گے کہ جوں جوں قانون سازی بڑھی، قانون میں عوام کی مرضی کی نمائش بڑھی اور تنفیذ قانون کے لئے مشینری بڑھی، ایک پولس کے بجائے مختلف اقسام کی پولس بروئے کار آئی اتنے ہی روز بروز جرائم بڑھے، اور لوگ انصاف سے دور ہوتے چلے گئے، اور اسی رفتار سے دنیا کی بدامنی بڑھتی چلی گئی۔ (معارف القرآن ج ۲، ص ۵۷۲، ۵۷۳، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۵۶)

عدل وانصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب

سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی یہ دونوں آیتیں اگرچہ مختلف سورتوں کی ہیں لیکن مضمون دونوں کا تقریباً قدر مشترک ہے، فرق اتنا ہے کہ عدل وانصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی عادۃً دو چیزیں ہوا کرتی ہیں۔

(۱) ایک کسی کی محبت وقرابت یا دوستی و تعلق جس کا تقاضا شاہد کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ شہادت ان کے موافق دی جائے تاکہ یہ نقصان سے محفوظ رہیں یا ان کو نفع پہونچے اور فیصلہ کرنے والے قاضی یا جج کے دل میں اس تعلق کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ ان کے حق میں دے۔

(۲) دوسری چیز کسی کی عداوت و دشمنی ہے، جو شاہد کو اس کے خلاف شہادت پر آمادہ کرسکتی ہے، اور قاضی اور جج کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کی باعث ہوسکتی ہے، غرض محبت

toobaa-elibrary.blogspot.com

وعداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل وانصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم وجور میں مبتلا کرسکتی ہیں، سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی دونوں آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے، سورۂ نساء کی آیت میں قرابت وتعلق کی رکاوٹ دور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے ،ارشاد ہے: ''اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ'' یعنی اگرچہ تمہاری شہادت اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف پڑے تو بھی حق بات کہنے اور سچّی شہادت دینے میں اس تعلق کا لحاظ نہ کرو۔

اور سورۂ مائدہ کی آیت میں عداوت اور دشمنی کی رکاوٹ کو دور کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا ''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى'' یعنی کسی قوم کا بغض وعداوت بھی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہونا چاہئے کہ راہ عدل کو چھوڑ کر ان کے خلاف گواہی یا فیصلہ دینے لگو۔(معارف القرآن ج۲ص۵۷۶،احکام القرآن جصاص ج۲ص۳۵۷،احکام القرآن قرطبی ج۳، جزء۵،ص۲۶۳،احکام القرآن تھانویؒ ج۲،ص۳۶۰،تفسیرات احمدیہ ص۲۱۲،احکام القرآن ابن عربی ج۱،ص۵۰۶)

عزت صرف اللہ سے طلب کرنا چاہئے

''اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا''(النساء:۱۳۹)

ترجمہ: وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کررہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے۔

(توضیح القرآن ج۱،ص۳۰۶)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفسیر

اس آیت میں کفار ومشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں کے لئے وعید مذکور ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل منشاء اور سبب کو بیان کر کے اس کا لغو اور بیہودہ ہونا بھی بتلا دیا ہے۔

ارشاد فرمایا "اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا" یعنی کفار ومشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت وقوت اور جتّھے سے متأثر ہو کر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے، تو ہمیں بھی ان سے عزت وقوت حاصل ہو جائے گی، حق تعالیٰ نے اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں عزت جس کے معنی ہے قوت وغلبہ کے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور مخلوق میں سے جس کسی کو بھی کوئی قوت وغلبہ ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے تو کس قدر بے عقلی ہوگی کہ عزت حاصل کرنے کے لئے اصل عزت کے مالک اور عزت دینے والے کو تو ناراض کیا جائے، اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

قرآن مجید کی سورۂ منافقون میں بھی یہی مضمون ایک اضافہ کے ساتھ اس طرح آیا ہے:

"وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (منافقون:۸)

ترجمہ: یعنی عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور مسلمانوں کے لئے، لیکن منافقین اس گر کو نہیں جانتے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۵۸۲، احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۶۱، احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵، ص ۲۶۷)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اہل باطل کی ایسی مجالس جس میں آیاتِ الٰہی واحکام کا استہزاء ہورہا ہو اس میں شرکت اور عدم شرکت کا حکم

"وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (النساء: ۱۴۰)

ترجمہ: اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوجائیں ورنہ تم بھی انہی جیسے ہوجاؤ گے، یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔

(توضیح القرآن ج ا،ص ۳۰۶)

تفسیر

آیت "وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ" الخ میں قرآن مجید کی ایک اور آیت کا جو سورۂ انعام میں قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوچکی تھی حوالہ دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ ہم نے تو اصلاحِ انسانی کے لئے پہلے ہی یہ حکم بھیجد یا تھا کہ کفار وفجار کی مجلس میں بھی مت بیٹھو، اور تعجب ہے کہ یہ غافل لوگ اس سے بھی آگے بڑھ گئے، بلکہ ان سے دوستی کرنے لگے اور ان کو عزت وقوت کا مالک سمجھنے لگے۔

سورۂ نساء کی متذکرہ آیت اور سورۂ انعام کی وہ آیت جس کا حوالہ سورۂ نساء میں دیا گیا ہے دونوں کا مفہوم مشترک یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار یا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان پر استہزاء کررہے ہوں تو جب تک وہ اس بیہودہ شغل میں لگے رہیں، ان کی مجلس میں بیٹھنا اور شرکت کرنا بھی حرام ہے، پھر سورۂ انعام کی آیت کے الفاظ میں کچھ تعمیم اور مزید تفصیل ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"وَاِذَا رَاَیۡتَ الَّذِیۡنَ یَخُوۡضُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰی یَخُوۡضُوۡا فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ

(انعام:۶۸)

ترجمہ: یعنی جب تم دیکھو ان لوگوں کو جو جھگڑتے ہیں ہماری آیتوں میں تو ان سے کنارہ کرو یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تم کو شیطان تو مت بیٹھوں یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ۔

تفسیر

اس میں آیت الٰہیہ میں جھگڑا کرنا مذکور ہے، جس میں کفر، استہزاء بھی داخل ہے اور آیت کی تحریف معنوی یعنی آیت قرآنی کے ایسے معانی نکالنا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تفسیر کے خلاف یا اجماعِ امت کے خلاف ہوں یہ بھی اس میں داخل ہے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بروایت ضحاک منقول ہے کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو قرآن کی تفسیر غلط یا اس میں تحریف کرنے والے یا بدعات نکالنے والے ہیں۔

ان کے الفاظ یہ ہیں "دخل فی ھذہ الایۃ کلّ محدث فی الدین و کل مبتدع الی

toobaa-elibrary.blogspot.com

یوم القیمۃ" (مظہری ج ۲،ص ۲۶۳) (معارف القرآن ج ۲،ص ۵۸۴،احکام القرآن جصاص ج ۲، ص ۳۶۲، مستفاد احکام القرآن تھانویؒ ج ۲،ص ۳۶۲،احکام القرآن قرطبی ج ۳، جزء ۵،ص ۲۶۸)

تفسیر بالرائے کرنے والے کی مجلس میں شرکت جائز نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کریم کے درس یا تفسیر میں تفسیر سلفِ صالحین کا پابند نہیں، بلکہ ان کے خلاف معانی بیان کرتا ہے اس کے درس و تفسیر میں شرکت بنص قرآن ناجائز اور بجائے ثواب کے گناہ ہے،تفسیر بحر محیط میں ابوحیانؒ نے فرمایا کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس بات کا زبان سے کہنا گناہ ہے اس کا کانوں سے باختیار خود سننا بھی گناہ ہے۔

(معارف القرآن ج ۲،ص ۵۸۴)

سورۂ نساء اور سورۂ انعام کی دونوں آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جب تک وہ لوگ اس بیہودہ گفتگو میں مشغول رہیں، اس وقت تک ان کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب وہ اس گفتگو کو ختم کر کے کوئی اور بات شروع کر دیں تو اس وقت ان کے ساتھ مجالست اور شرکت جائز ہے یا نہیں؟ قرآنِ کریم نے اس کو صراحت سے بیان نہیں فرمایا اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے،بعض نے فرمایا کہ ممانعت کی علت آیات الٰہیہ کی توہین اور تحریف تھی ، جب وہ ختم ہوگئی تو ممانعت بھی ختم ہوگئی،اسی لئے دوسری باتیں شروع ہو جانے کے بعد ان کی مجلس میں بیٹھنا گناہ نہیں،اور بعض نے فرمایا کہ ایسے کفار و فجار اور ظالم لوگوں کی صحبت و مجالست بعد میں بھی درست نہیں، حسن بصریؒ کا یہی ارشاد ہے،انہوں نے سورۂ انعام کے اس جملہ سے استدلال فرمایا ہے۔

"فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ"

یعنی یاد آ جانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں،اور ظاہر ہے کہ ظالم اس گفتگو کو ختم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کردینے کے بعد بھی ظالم ہی ہے اسی لئے اس کی صحبت ومجالست سے بعد میں بھی احتراز لازم ہے۔ (جصاص)

اور تفسیر مظہری میں قاضی صاحب رحمۃ اللہ نے دونوں میں تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ جب کفر واستہزاء اور تحریف قرآن کی گفتگو بند ہوکر کوئی دوسری بات شروع ہوجائے تو اس وقت بھی ایسے لوگوں کی مجلس میں شرکت بلاضرورت حرام ہے، اور اگر کوئی ضرورت شرعی یا طبعی داعی ہوتو جائز ہے۔(معارف القرآن ج۲،ص۵۸۵،احکام القرآن جصاص ج۲،ص ۳۶۳،احکام القرآن تھانویؒ ج۲،ص ۳۶۲،احکام القرآن قرطبی ج۳،جزء۵،ص۲۶۸)

کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے

"اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ" یعنی اگر تم ایسی مجلس میں بطیبِ خاطر شریک رہے جس میں آیاتِ الٰہیہ کا انکار یا استہزاء یا تحریف ہورہی ہو تو تم بھی ان کے گناہ کے شریک ہوکر انہی جیسے ہوگئے، مراد یہ ہے کہ خدانخواستہ تمہارے جذبات وخیالات بھی ایسے ہیں کہ تم ان کے کفریات کو پسند کرتے اور اس پر راضی ہوتے ہو تو حقیقۃً تم بھی کافر ہو، کیونکہ کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے، اور اگر یہ بات نہیں تو ان کے مثل ہونے کے یہ معنٰی ہیں کہ جس طرح وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے اور دین کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں تم اپنی اس شرکت کے ذریعہ ان کی امداد کر کے معاذ اللہ ان کی مثل ہوگئے۔(معارف القرآن ج۲،ص۵۸۶،۵۸۷،احکام القرآن جصاص ج۲،ص ۳۶۲،احکام القرآن قرطبی ج۳،جزء۵،ص۲۶۸)

بروں کی صحبت سے احتراز ضروری ہے

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ" (انعام:۶۸)

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس مجلس میں کوئی گناہ ہو رہا ہو تو مسلمان پر نہی عن المنکر کے ضابطہ سے یہ لازم ہے کہ اس کو روکنے کی قدرت ہے تو قوت کے ساتھ روک دے، اور یہ قدرت نہیں ہے تو کم از کم اس گناہ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس مجلس سے اٹھ جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ شراب پی رہے تھے، ان میں سے ایک شخص کے بارے میں ثابت ہوا کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہے اس نے شراب نہیں پی، لیکن ان کی مجلس میں شریک تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو بھی سزا دی کہ وہ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا کیوں تھا۔

(بحر محیط، ج ۳، ص ۳۷۵)

تفسیر ابن کثیر میں اس جگہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "من کان یؤمن باللہ و الیوم الاٰخر فلا یجلس علی مائدۃ یدار علیھا الخمر" ترجمہ یعنی جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ ایسے دسترخوان یا کھانے کی میز پر بھی نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔

"ابن کثیر ج ۱، ص ۵۶۷" (بحوالہ معارف القرآن ج ۲، ص ۵۸۵، ۵۸۶)

مذکورہ بحث میں مجلس سے اٹھ جانے کے متعلق جو کہا گیا ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ شرعی حیثیت سے اس مجلس کو چھوڑ دینے میں کوئی گناہ لازم نہ آتا ہو، مثلاً مسجد میں جماعت کی شرکت ضروری امر ہے، اگر وہاں کوئی خلاف شرع کام ہونے لگے تو جماعت اس کی وجہ سے ترک نہ کرے بلکہ صرف قلبی ناراضگی پر اکتفاء کرے، اسی طرح کوئی اور ضروری مجلس جس کی ضرورت شریعت سے ثابت ہے، اگر وہاں کچھ لوگ کوئی خلاف شرع کام کرنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

لگیں تو دوسروں کے گناہ کی وجہ سے اس مجلس کو چھوڑ کر خود گناہ کا ارتکاب کرنا معقول اور درست نہیں، اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے گناہ کی وجہ سے اپنے ضروری کام ترک کر دیا کریں، تو ہم فساق وفجار کے لئے سنت وشریعت کے مٹانے کا راستہ ہموار کر دیں گے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) اول ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ رہنا، یہ کفر ہے۔

(۲) دوم اظہار کفر کے وقت کراہیت کے ساتھ یہ بلا عذر فسق ہے۔

(۳) سوم کسی ضرورت دنیوی کے واسطے مباح ہے۔

(۴) چہارم تبلیغ احکام کے لئے عبادت ہے۔

(۵) پنجم اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ، اس میں معذور ہے۔

(معارف القرآن ج ۲، ص ۵۸۶)

کلالہ کے احکام

”یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَھُوَ یَرِثُھَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (النساء: ۱۷۶)

ترجمہ: اے پیغمبر! لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بارے میں حکم بتاتا ہے، اگر کوئی شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی، اور اگر اس کی بہن کی اولاد نہ ہو (اور وہ مرجائے اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا، اور اگر بہنیں دو ہوں تو بھائی کے ترکہ سے وہ دوتہائی کی حق دار ہوں گی اور اگر (مرنے والے کے) بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی تو ایک مرد کو دوعورتوں کے برابر حصہ ملے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔

کلالہ کی وضاحت

کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے انتقال کے وقت نہ اس کا باپ یا دادا زندہ ہو نہ کوئی بیٹا یا پوتا۔

(توضیح القرآن آسان ترجمہ قرآن ج۱ ص ۳۱۷، ۳۱۸، تفسیرات احمدیہ ص ۲۱۵،
احکام القرآن ابن عربی ج۱ ص ۵۲۰) (بخاری شریف ج ۲، ۶۶۲)

کلالہ کی مزید وضاحت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد اور والد نہ ہو، اور اس پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ دین کا اتفاق ہے۔ اور اس پر دلالت قرآن کریم بھی ہے،

(تفسیر ابن کثیر اردو ج۱ ص ۳۲، سورہ نساء، پ۶ آیت ۱۷۱ کے ماتحت)

الحمد للہ سورۂ نساء کی تفسیر آیات الاحکام کی تکمیل آج بروز جمعرات بتاریخ یکم جمادی الآخرے ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء ۲ فروری میں ہوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بندہ کے زلات اور جرائم وگناہوں کو معاف فرما کر اس کے احکام پر پہلے مجھ کو مکمل عمل کی توفیق دے اور پھر پوری امت کو اس طرف متوجہ فرمائے اور عمل کی توفیق دے، اور اس خدمت کو اللہ اپنی بارگاہ میں شرف قبول نصیب فرمائے اور بقیہ سورتوں کے احکام کی تکمیل محض اپنے فضل وکرم اور قدرت سے جلد از جلد مکمل فرمائے۔آمین بجاہ نبی الکریم فقط راقم آثم محمد اکرام الدین پاتوڑوی ثم راندیری غفرلہ ولوالدیہ

تمّت بالخیر وعمت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ماخذ ومراجع

۱	القرآن الکریم
۲	احکام القرآن للجصاص
۳	احکام القرآن للقرطبی
۴	احکام القرآن لابن عربی
۵	احکام القرآن للتھانوی
۶	تفسیرات احمدیہ ملا جیون
۷	بیان القرآن تھانوی
۸	معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ
۹	تفسیر خازن
۱۰	آسان تفسیر قرآن مجید مولانا خالد سیف اللہ
۱۱	انوار البیان
۱۲	جمالین شرح جلالین
۱۳	کمالین شرح جلالین
۱۴	تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۵	توضیح القرآن آسان ترجمۂ قرآن مفتی تقی عثمانی
۱۶	روائع البیان لعلامہ صابونی
۱۷	فوائد عثمانی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۱۸	تفسیر ابن کثیر
۱۹	تفسیر ابی السعود
۲۰	ریاض القرآن
۲۱	فتح القدیر ابن ہمام
۲۲	بدائع الصنائع علامہ کاسانی
۲۳	مرقات شرح مشکوۃ ملا علی قاری
۲۴	مظاہر حق جدید
۲۵	کامل برہان الٰہی [مفتی سعید صاحب دامت برکاتھم]
۲۶	رحمۃ اللہ الواسعۃ [مفتی سعید صاحب دامت برکاتھم]

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصنف کی تصانیف

۱	اسلام کے فرائض وواجبات	جلداول	مطبوعہ
۲	رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنتیں	جلداول	مطبوعہ
۳	رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنتیں	جلدثانی	مطبوعہ
۴	رسول اللہ ﷺ کی پیاری سنتیں	جلدثالث	مطبوعہ
۵	حلال حرام واضح ہے	جلداول	مطبوعہ
۶	حلال حرام واضح ہے	جلدثانی	زیرِطبع
۷	حلال حرام واضح ہے	جلدثالث	زیرِطبع
۸	خلاصۂ تصوف	جلداول	مطبوعہ
۹	خلاصۂ تصوف	جلدثانی	زیرِطبع
۱۰	اسلام کے مستحبات وآداب	جلداول	زیرِطبع
۱۱	اسلام کے مکروہات	جلداول	زیرِطبع
۱۲	تاثیر ذکر اور ذکر کے ۷۳/فوائد	جلداول	مطبوعہ
۱۳	روح القرآن فی تفسیر ایات الاحکام	جلداول	مطبوعہ
۱۴	روح القرآن	جلددوم	زیرِطبع
۱۵	روح القرآن	جلدسوم	زیرِطبع

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com